



1552



# ادبی خطوطِ غالب



ایسے خطوط کا مجموعہ جن میں مرزا غالب نے نکاتِ ادبیہ حل کئے ہیں، شعرا کے معنی سمجھائے ہیں اور شعراء کے متعلق رائے زنی کی ہے، مع ایک مفید ریاضہ اور ضمیمہ کے جن میں مرزا غالب کے

مکتوب الہیم کے حالات مع ان کے نمونہ کلام کے درج ہیں



جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے۔ لکھنؤی

سابق ہیڈ ٹریسٹریٹر گورنمنٹ آف انڈیا ہولڈ ٹائٹل "ایریج ادب اردو"



ایہ تمام محمد جواد مالک مہتمم مطبع

نظامی پبلیکیشنز کوئٹہ ایسٹریٹ لکھنؤ میں چھپا

۱۹۲۹ء

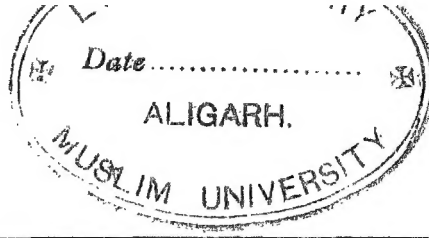


89150446

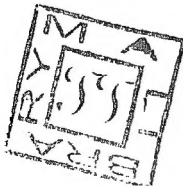
11 E

(23124)





آتی ہیں غیب سے یہ مضمین خیال میں  
غالب صریح خامہ نوائے سروروش ہے



*Handwritten signature*

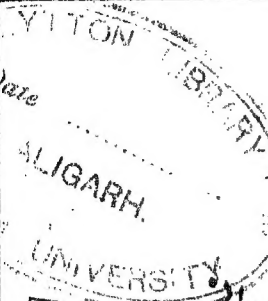
**CHECKED-2002**

*w*

M.A.LIBRARY, A.M.U.



U32507



منشی



16 AUG 1963



## چوتلی کجاست شاہ قلمر معالی تو بیچ کس نامد تو بیچ کس نامی

غالباً اردو سے ملے اور عود ہندی دو ہی کتابیں ایسی ہیں جو مرزا غالب کے کمال اردو نثر نگاری کی شاہد عادل کسی جاسکتی ہیں، مولانا حالی نے ”یادگار غالب“ میں ”اطلائی غیبی“، ”منع تیز“ اور کسی ناتمام اردو قصہ کو بھی اُن کی تصانیف نثر اردو میں شمار کیا ہے مگر ان دونوں کتابوں کا بالفعل کہیں پتہ نہیں چلتا اور غالباً یہ کتابیں مرزا نے اپنے دوستوں کے نام سے چھپوائی تھیں اور قصہ اردو کے متعلق تو اس میں بھی شک پایا جاتا ہے کہ وہ معرض وجود میں آیا بھی تھا یا نہیں۔ اس قصہ کی طرف مرزا کے بعض خطوط میں جو منشی شیونرائن کے نام ہیں اکثر اشارے ملتے ہیں مگر اُن سے یہ کہیں نہیں پایا جاتا کہ مرزا نے اسکوئی تحقیقت پورا اور مکمل کر دیا تھا بلکہ اُن سے صرف مرزا کی آمادگی مگر اسی کے ساتھ کچھ تذبذب بھی ظاہر ہوتا ہے مرزا کے ایک دست سٹراٹوارٹ ریڈ نے ایک قصہ نثر اردو میں لکھنے کی اُن سے فرمائش کی تھی جبکی نسبت اپنی پریشانی کا اظہار مختلف خطوط میں کرتے ہیں۔

”جناب ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب کو ابھی میں خط نہیں لکھ سکتا  
ان کی فرمائش ہے اردو کی نشر وہ انجام پائے تو اسکے ساتھ انکو خط  
لکھوں، مگر بھائی تم غور کرو۔ اردو میں میں اپنے قلم کا زور کیا صرف کرونگا،  
اور اس عبارت میں معافی نازک کیونکر بھرونگا۔ ابھی تو یہی سوچ رہا ہوں کہ  
کیا لکھوں کوئی بات کوئی کہانی کو نہ مضمون تحریر کروں اور کیا تبیر  
کروں، تمہاری رائے میں کچھ آئے تو مجھ کو بتاؤ۔“

(بنام منشی شیونرائن، مورخہ ۱۵ ستمبر ۱۸۵۵ء)

”ریڈ صاحب کے باب میں نے یہ لکھا تھا کہ جب کچھ اردو کی  
نشر ان کے واسطے لکھ لونگا تو تنہو کی خریداری کی خواہش کرونگا۔  
معذرت سے صلاح پوچھی تھی کہ کس حکایت اور کس روایت کو فارسی  
سے اردو کروں تم نے اس بات کا بھی جواب نہ لکھا۔“

(ایضاً ۱۵ ستمبر ۱۸۵۵ء)

”جناب ریڈ صاحب صاحبی کرتے ہیں۔ میں اردو میں اپنا کمال  
کیا ظاہر کر سکتا ہوں اسے گنجائش عبارت آرائی کی کہاں ہے، بہت ہوگا  
تو یہ ہوگا کہ میرا اردو بہت اونٹوں کے اردو کے فصیح ہوگا، خیر بہر حال  
کچھ کرونگا اور اردو میں اپنا زور قلم دکھاؤنگا۔“

(ایضاً ۱۵ ستمبر ۱۸۵۵ء)

میاں اردو کیا لکھوں، میرا نصب ہے کہ مجھ پر اردو کی فرمائش  
ہو، خیر ہوئی۔ اب میں کہانیاں تھے کہاں ڈھونڈتا پھروں  
(ایضاً ۱۴ جنوری ۱۸۵۶ء)

ان عبارتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مرزا نے وہ قصہ لکھا ہی نہیں یا اگر شروع بھی کیا ہو تو وہ ناتمام ہی رہا، بہر حال اُردو سے معنی اور عود ہندی اب موجود ہیں اور انہیں دو کتابوں پر مرزا کے قصرِ شہرت کی بنیاد قائم کی جاسکتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ مرزا نے فارسی نظم و نثر میں اُردو سے سہ چند و چار چند زیادہ لکھا۔ مگر اُس میں اُن کو وہ شہرت و مقبولیت حاصل نہ ہو سکی جسکے وہ متمنی اور مستحق بھی تھے، برخلاف اسکے اُردو نظم و نثر کو وہ ہمیشہ اپنے دِلن مرتبہ سمجھتے رہے اور اُس کی اشاعت کے بھی وہ زیادہ خواستگار نہ تھے (جیسا کہ آگے مفصل لکھا لکھا جائیگا) مگر اُس کو قسمت کی ستم ظریفی سمجھنا چاہیے کہ ایک مختصر دیوان اور چند خطوط کی بدولت اُن کو وہ شہرت عظیم حاصل ہوئی جو اُردو تو اُردو کسی فارسی شاعر کو بھی ہستنا چند کے بشکل نصیب ہوئی ہوگی۔

مرزا کی نظم پر تو کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ ان کے دیوان کے متعدد ایڈیشن بڑی محنت و جانفشانی سے اور نہایت تکلف کے ساتھ نکل چکے ہیں اُس کی مختلف شرحیں بھی شائع ہو گئی ہیں جن کو پڑھ کر صاحبانِ شرح کی طباعی اور معنی آفرینی کی داد بہ نسبتِ تشریحِ مطلب کے زیادہ دینے کو جی چاہتا ہے مگر تعجب اور بے العجب ہے کہ مرزا کی شرح پر لوگوں نے توجہ کم کی اور وہ اب تک ایک نگاہ تجسس اور عینِ مطالعہ کی تشنہ ہے۔

شروع میں مرزا اپنے خطوط کو یکجا کرنے اور شائع کرنے کے سخت خلاف تھے۔ چنانچہ منشی شیونرائن کو جو اُن کے خطوط چھپوانا چاہتے تھے لکھتے ہیں۔  
 ” اُردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے

کوئی رقعہ ایسا ہو گا جو میں نے قلم نبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہو گا  
 درہم صرف تحریر سرسری ہے اسکی شہرت میری سخاوری کے شکوہ کے منافی ہے  
 اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہائے آپس کے معاملات اور وینر ظاہر  
 ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھپانا میرے خلاف طبع ہے۔

(۱۸ نومبر ۱۸۵۵ء)

مگر یہی چیز جو مرزا کے خلاف طبع تھی کچھ عرصہ کے بعد اُن کے پسند خاطر ہو گئی۔  
 اور اب وہ اپنے خطوط دوستوں اور عزیزوں سے پھیلوانے کی غرض سے منگواتے  
 ہیں اور اسکو اپنی خوشی کا موجب قرار دیتے ہیں۔

” اقبال نشانہ ... مقصود ان سطور کی تحریر سے یہ ہے  
 کہ مطبع اہل لطایح میں چند احباب میرے سودا اردو کے حج کرنے  
 پر اور اُسکے چھپوانے پر آمادہ ہوئے ہیں۔ مجھ سے سودا مانگتے ہیں اور  
 اطراف و جانب سے بھی فراہم کئے ہیں۔ میں سودہ نہیں لکھتا جو لکھا  
 وہ جہاں بھی جانا ہوا۔ وہاں بھی دیا۔ یقین ہے کہ خط میرے لکھا ہے  
 پاس بہت ہونگے اگر اُنکا ایک پارسل بنا کر بیل ڈاک بھیج دو گے  
 یا آج کل میں کوئی ادھر آنے والا ہو اسکو دیدے گے تو موجب میری خوشی  
 کا ہو گا اور میں ایسا جانتا ہوں کہ اُسکے چھاپے جانے سے تم بھی خوش ہو گے  
 (بنام نواب علاؤ الدین احمد خاں)

غرض کہ اُردوئے معلیٰ اور دہندی کی انطباعات کا ابقت آگیا جو دہندی  
 سے پہلے مطبع مجتہبی کی میرٹھ میں غالباً ۱۸۵۷ء میں یعنی مرزا صاحب

کی زندگی میں اور ان کی وفات سے سات برس پیشتر چھٹی۔ اس کے اصلی محرک و جامع ایک شخص منشی ممتاز علی خاں تھے جو مرزا کے دوست تھے اور جن کا ذکر مرزا نے اپنے بعض خطوط میں بھی کیا ہے۔ انھوں نے چودھری عبدالغفور سرور اور خواجہ غلام غوث بیخبر کو بھی اس کار خیر میں شریک کیا اور انہیں تینوں صاحبوں کی کوشش سے وہ سب خطوط جمع ہوئے تھے جو اب ”عود ہندی“ کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ اسکا دیباچہ چودھری عبدالغفور سرور نے لکھا جس کے تحت میں وہ لکھتے ہیں۔

”وہ مکتوب کہ بنام میرے آئے تھے ترتیب یے گویا چاہر  
بے بہا کان قلدان سے کمال کرکشی اور ان میں جمع کئے چونکہ محبت  
جناب غالب سے کے حال پر بہت غالب ہے لہذا نام اس نشاء کا  
”مہر غالب“ کے سریم مناسب ہے۔ سال ختم تالیف بھی اسی نام سے مطابقت  
پایا طبیعت اور بڑی تحریر تاریخ کو دست دقلم بڑھایا ہے  
انشاء ملکہ بعد مطالب لکھی یعنی پے درستان طالب لکھی  
موسوم کیا جو مہر غالب سے سرور تاریخ بھی لکھی ”مہر غالب“ لکھی  
مرزا نے اس دیباچہ کو بہت پسند کیا چنانچہ چودھری صاحب صوت کے  
اس طرح داد دیتے ہیں۔

”اے اے اے جناب منشی ممتاز علی خاں صاحب رہبر ہوئے

صاحب، یہ تو سلیح گیتی نور دہانی محمد مہانیاں تہاں گرد ہیں بہر حال

لے اسکی طبع ثانی مطبع نو کشتہ رکھنوسے ہوئی اور طبع ثالث بھی اسی مطبع سے ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء میں لکھی



آپنے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے۔ کتاب کو اس سے رونق ہو جائیگی۔  
خواجہ غلام غوث، مخیر عود ہندی کا دیباچہ خود مرزا صاحب کے لکھوانا چاہتے  
تھے اور اس پر اصرار کرتے تھے مگر مرزا اس خدمت سے معافی چاہتے ہیں اور اپنے  
طرفیانہ انداز میں اُن کو دیکھتے ہیں۔

”بندہ پرور اگر ایک بندہ قدیم کہ عمر بھر فرمان پذیر رہا ہو بڑھاپے  
میں ایک حکم بجانے لائے تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجیدہ نثار دو کا اطباع اگر میرے  
لکھے ہوئے دیباچہ پر موقوف ہے تو اُس مجوعہ کا چھپ جانا بالیقین نہیں  
چاہتا بلکہ چھپ جانا بالضم چاہتا ہوں سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ  
مسمت کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندہ پیر  
آپ بھی اُسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں پھر اس شعر پر  
عل کیوں نہیں کرتے۔“  
پھر انھیں کو :-

”اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں سے  
میری ملاقات ہے وہ میرے دوست ہیں یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں  
صاحب فرارش ہوں اٹھنا بیٹھنا ناممکن ہے خطوط یسے لیٹے لکھتا ہوں  
اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں۔“

یا تو ایک وقت محتاج مرزا اپنے خطوط کے چھپوانے کے سخت مخالف  
تھے، یا اب وہی تجویز اُن کو اس قدر پسندیدہ معلوم ہوتی ہے کہ اپنے  
مسودات محفوظ رکھتے ہیں اور بغرض اشاعت اُن کو روانہ کرتے ہیں۔

خواجہ غلام غوث، بخیر کو اس طرح رقم طراز ہیں۔

پیر و مرشد کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتہ میں مولوی  
عبد الغفور خاں انکا نام۔ نسخہ انکا تخلص ہے۔ میری انکی ملاقات  
نہیں۔ انھوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسم بہ ”دفتر بیتال“ مجھ کو  
بھیجا اسکی رسید میں یہ خط میں نے انکو لکھا چونکہ یہ خط مجموعہ نثر اردو کے  
لائق ہے آپکے پاس ارسال کرتا ہوں۔ اور ہاں حضرت وہ مجموعہ چھپے گا  
بالفتح یا چھپے گا بالضم چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی  
متنازلی خاں کی ہمت اقتضا کرے فقیر کو بھیجے۔

مرزا کے خطوط خود ان کی زندگی میں بہت مقبول ہو گئے تھے اور لوگ انکے  
پڑھنے کے بہت خواہشمند تھے۔ چنانچہ بخیر کو لکھتے ہیں۔

”اجی حضرت منشی متنازلی خاں کیا کر رہے ہیں تھے جمع سکے  
اور نہ چھپوائے فی الحال پنجاب حاطہ میں انکی بڑی خواہش ہی جانتا ہوں  
وہ آپ کو کہاں ملینگے جو آپ ان سے کہیں مگر یہ تو حضرت کے اختیار  
میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہونچے ہیں وہ سب ان سب کی  
نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیج دیں۔ جی یوں چاہتا ہے کہ اس خط کا  
جواب وہی پارسل ہو ورنہ تم سلامت رہو قیامت تک“

اردو سے سب سے پہلے اکل اطالع دہلی میں چھپی اور یہ بھی مرزا صاحب  
کی زندگی میں شائع ہو گئی تھی جیسا کہ نواب علاؤ الدین احمد خاں کے اس  
خط سے جو صفحہ ۴ پر درج ہے ظاہر ہوتا ہے۔ اس مطبع کے مہتمم میر فتح الدین

اور منشی مطیع لالہ بہاری لال مشتاق تھے جن کی کوشش بلیغ سے وہ سب خطوط جمع ہوئے جو اردو کے نام سے چھپے ہیں۔ یہی مطیع کے متعلق مرزا منشی بہاری لال مشتاق مذکور کو لکھتے ہیں:-

و حکیم غلام رضا خاں کے دوام صحبت کو اپنے طالب کی یادری سمجھو..... میاں بیچ تو یہ ہے کہ اہل المطالع اہل المطالع بھی ہے حکیم غلام نبی خاں بچلہ خواں روزگار ہیں نکونو اور نکو کردار ہیں میر فرخ الدین آزاد منش اور سعادت مند و جوان ہیں کم گفتار اور رنج و مرغاں ہیں۔ تم چاروں شخص پیکر صدق و صفا و مہر و دلا کے چارہ عنصر ہیں جہاں آئیں تم چاروں صاحبوں کو خوشنود و دلشاد اور اہل المطالع کو بار دلق و آباد رکھے۔“

اُردو کے مسئلے کے شروع میں میر محمدی مجروح کا کھانا ہوا دیا چاہے جسکے حتم میں عبارت ہے۔

”منشی جواہر سنگھ صاحب جو ہر..... کی طبع دالانے یاقینا کیا کہ یہ گھر ہے شب افروز بیک تحریریں منکاش ہو کر زمینت بخش عروسین ہوں اور یہ گلہاے پراگندہ حج ہو کر ایک جا گلستہ ہوں تا اس کے رواج رنج پرور سے دماغ نکتہ سرا یا غیرت چمن ہوں۔ اس واسطے میر فرخ الدین صاحب تم اہل المطالع دہلی نے سنی بے پایاں اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطیع مذکور نے کوشش فراواں سے اکثر خطوط جمع کئے اور قصد لطباع کیا اور اردو کے نام رکھا گیا

جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ نرائے خطوط ابی اون کی نشر اُدو کے بڑے کارنامے ہیں تو اب یہ دیکھنا ہے کہ انکی خطوط نویسی کس انداز کی ہے جسے اون کو نشر نگاہوں کی صفت اولین میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن سب سے آگے پہونچا دیا اُو اگر غور سے دیکھا جائے تو اُنکی یہ سادہ اور بے تکلف نشر بھی وہ چیز ہے جس میں وہ بالکل بیگانہ اور منفرد ہیں اور اسی میں اونکا کوئی مقابل نہ کبھی تھا نہ لفصل ہے اور نہ آئندہ ہونے کی اُمید ہے۔ نظم میں تو اُن کے بعض لوگ مقلد ہیں یا مقلد ہی کے مدعی ہیں مگر اُن کی صاف اور سادہ نشر کو ہر شخص نے ایک بھاری پتھر سمجھ کر عجم کر چھوڑ دیا ہے مولانا حالی لکھتے ہیں۔

”وہ چیز جس نے اُن کے مکاتبات کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ

دلیچسپ بنا دیا ہے وہ شوخی، تحریر ہے جو کتاب یا شوق و مهارت یا  
پیروی و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں نے  
خط کتابت میں مرزا کی روش پر چلنے کا ارادہ کیا ہے اور اپنے مکاتبات  
کی بنیاد بذلہ سنجی و ظرافت پر رکھنی چاہی ہے مگر ان کی اور مرزا کی شوخی  
میں وہی فرق پایا جاتا ہے جو اصل اور نقل یا روپ اور بہروپ میں ملتا  
ہے مرزا کی طبیعت میں شوخی ایسی بھری ہوئی تھی جیسے شاعر کے تار میں

نثر بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور قوت متخیلہ جو شاعری اور ظرافت کی  
 خلاق ہے اسکو مرزا کے داغ کے ساتھ وہی نسبت تھی جو قوت پُر از  
 کلام کے ساتھ۔ اگرچہ مرزا کے بعد نثر اردو میں بے انتھا وسعت اور  
 ترقی ہوئی ہے۔ علمی، اخلاقی، پولیٹیکل سوشل اور لیس مضامین کے  
 لوگوں نے دیا ہائیے ہیں بایوگرافی اور ناول میں بھی متعدد کتابیں  
 نہایت ممتاز لکھی گئی ہیں باوجود اس کے مرزا کی تحریر خط کتابت کے  
 محدود دائرے میں لمحات دلچسپی اور لطافت بیان کے اب بھی اپنا نظیر  
 نہیں رکھتی ۵ (رازیادگار غالب صفحہ ۱۶۰)

خط نویسی نثر نگاری کی ایک مستقل صنف ہو اور یہی وہ صنف ہے جس میں  
 کاتب تحریر اپنا مافی الضمیر، اپنا کیر کرائیو، اپنے اخلاق و عادات و رسوم  
 کی متعلق اپنی حقیقی رائیں، اپنی سوسائٹی کا سچا چربہ، غرض کہ ہر وہ چیز جو اس کے  
 قلم سے تراش کر ہے۔ صحیح طور پر دنیا کے سامنے ظاہر کر دینے پر مجبور ہو جاتا  
 ہے۔ شاعری میں وہ شخص جو شعر کہتا ہے بالکل بدلتا ہے۔ وہ اپنے شعرا کے  
 پردے میں وہ شخص ہی نہیں رہتا جو فی حقیقت وہ ہوتا ہے اور دیگر  
 صنائع نثر مثلاً تاریخ نگاری اور افسانہ نویسی میں بھی وہ اپنی ذاتی ریاوں  
 اور خیالات کے صحیح انہار پر مجبور نہیں ہوتا اور اُس کا بطون و مافی الضمیر  
 اس کی تحریر سے کسی طرح نہیں معلوم ہو سکتا۔ پس اگر ہم کو کسی شخص کو جانچنا ہو  
 تو اُس کی اُس قسم کی تحریروں سے اُس کو جانچ سکتے ہیں جن میں وہ اپنے اور  
 دوسروں کے حالات صحیح اور من و عن لکھنے پر مجبور ہوتا ہے اور یہ بات سوا

خطوط کے دیگر اقسام شریب نہیں پائی جاتی۔ میرے اس خیال کی تائید  
سطور ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ جو محترمی جناب نے لوی عبدالحق صاحب نے  
مکتوبات حالی کے مقدمہ میں لکھی ہیں۔

”خطوں کی یہی سادگی اور بے ریائی ہے جو دلوں کو بھائی بنی ہے اور  
یہی وجہ ہے کہ خطوں سے انسان کی سیرت کا جینا اماندہ ہوتا ہے  
وہ کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہو سکتا۔ خطوں میں کاتب کتب الیہ  
سے بلکہ اکثر اوقات اپنے سے آپ باتیں کرنے لگتا ہے، جو خیال جس طرح  
اس کے دلیس ہوتا ہے اسی طرح قلم سے ٹپک پڑتا ہے نہیں بلکہ وہ اپنا دل  
کا غم کے ٹکڑے پر نکال کر دکھاتا ہے اور اگر وہ دل ایسا ہو جو سرسبز  
دروے بزرگوں میں ہمدردی بنی نوع انسان کوٹ کوٹ کے بھری  
ہو، جو پریم کے رس سے سینچا گیا ہو، تو تباؤ کو مس دل کی مرادش کی  
ہوگی؟ اگر تم ایسے دل کی زیارت کرنی چاہتے ہو تو آؤ اور دیکھو کہ وہ پاک  
دل ان خطوں میں لپٹا ہوا ہے۔“

خط نویسی دنیا کی اکثر زبانوں میں موجود ہے۔ موجودہ زبانوں میں علاوہ  
عربی و فارسی کے لاطینی، انگریزی، فرینچ، جرمن وغیرہ میں ایسی مستقل کتابیں  
خطوط و رسائل کی موجود ہیں جنہی صنعت کی اعلیٰ انشاء پردازی کے علاوہ  
اُسکے اخلاق و عادات اور اُسکے ماحول کا بھی پورا پورا چل جاتا ہے۔ زبان  
لاطینی میں ہاریس اور سیسرو، انگریزی میں ملٹن، بیکن، کوپر گولڈ اسمتھ  
بائن لارڈ چسٹر فیلڈ، کوئن و کٹوریہ وغیرہ۔ فرانسیسی میں والٹیئر، ڈیڈرو وغیرہ

کے خطوط ایسی تصانیف ہیں جو ان زبانوں میں نشر کے موکرے الاکار کا زمانے  
سمجھے جاتے ہیں۔

عربی میں اس صنف خاص کا حال معلوم نہیں مگر فارسی میں تو مکتوبات  
اور رقعات کی وہ کثرت ہے کہ اگر ایسی سب کتابیں جمع کی جائیں تو اُن سے  
دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ پنجر قہہ، رقعات ابو الفضل، رقعات بیدل  
انشائے طاہر وحید، رقعات نعمت خان عالی، رقعات عالمگیری فارسی  
کی بہت مشہور و متداول کتابیں ہیں۔ ابعد کی تصانیف میں انشاء خلیفہ  
انشار ماد ہورام فائق، منیر، بہار عجم وغیرہ اُس زمانہ کی یادگار ہیں جب فارسی  
کا رنگ اپنی بہار دکھانے کے پھیکا پڑ رہا تھا ان سب کتابوں کا رنگ جدا جدا  
ہے۔ انشاء ماد ہورام بعض فرامین شاہی کا مجموعہ ہے۔ خلیفہ شاہ محمد نے  
نشر رنگیں اور صنائع بدائع کا التزام کیا ہے۔ انشاء فائق، انشاء فیض  
و دلکشا وغیرہ ایک زمانہ میں عرصہ تک اہل درس رہیں۔

انہیں فارسی مکاتیب کے تتبع میں اور انہیں کے طرز پر اردو رقعات  
بھی ترتیب پانے لگے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ جس طرح نظم اردو  
نظم فارسی کے متبع اور ناقل تھی اور اب تک ہے۔ اُسی طرح نشر اردو بھی پہلے  
بالکل فارسی نالکھی جاتی تھی۔ انشاء خرد اور مکتوبات احمدی و محمدی رقعات  
عنایت علی، انشاء اردو و سُور و غیرہ اسی انداز کی کتابیں ہیں۔ جب رنگ  
بدلا اور نشر اردو میں زمانہ موجودہ کا رنگ پیدا ہوا تو منشی امیر محمد مینائی اور اکبر  
وغیرہ نے خطوط تحریر کیے جس میں تقلید فارسی اور منشی و مسجع روش کو چھوڑ کر

عبارت میں سادگی، بے تکلفی اور گفنگی پیدا کی، مگر ان میں سے ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو مرزا غالب کی تحریروں کے مقابلہ میں پیش کی جاسکے۔  
 قدما کا یہ رنگ تھا کہ وہ اپنی تحریروں کو جان جان کر شکل بنانا پسند کرتے تھے۔  
 اہیں انکو بڑا مزہ آتا تھا کہ آسانی سے ان کی بات سمجھیں نہ آئے، گویا ان کی بات آسانی سے سمجھ جانا ایک جہم تھا اور ہمیں وہ اپنی اہانت سمجھتے تھے، مشکل مطالب کو قلیل اور نامانوس الفاظ میں صنائعِ بدائع کے زیور سے آراستہ کر کے پیش کرنا ہی وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے اور اسی طریق سے بڑھنے والے پر وہ اپنا سکہ جا لیتے تھے، طاہر حمید ابو الفضل اور بیدل کا یہی انداز ہے، ہر چند کہ رنگ ہر ایک کا الگ الگ ہے مگر اشکال سب میں جزد مشترک ہے۔

اُردو رقعات نویسوں نے بھی فارسی کی تقلید میں شکل پسندی اختیار کی اپنے خطوط کے مطالب کو تو اس قدر دقیق و مشکل نہ بنا سکے مگر عبارت میں وہی رنگینی، وہی قافیہ پیمائی، وہی پیچیدہ فقرے وہی فضول باتیں جس کی سب سے سطر میں بھی آپ چھوڑ جاسیے تو نفس مطلب میں کچھ فرق نہ آئے۔

مرزا غالب کے بچپن اور جوانی کے زمانہ میں شرنوئیسی کا یہی رنگ نگہ وڑ پڑ تھا۔ اسی وجہ سے ان کے رقعات فارسی ان تکلفاتِ بارہ سے خالی نہیں ہیں مگر ان کی نظر غائر نے جلد سے جلد ان خرابیوں کو دریافت کر لیا اور ان کے دماغ پر انہوں نے کمرِ محنت باندھ لی، چنانچہ بیچ آہنگ کے لکھنے کے وقت اگرچہ ایک حد تک رسمِ قدیم کے موافق خطوط نویسی کے بارہ میں وہ ان پرانی باتوں کے پابند تھے مگر کچھ بھی ان کو ان خامیوں کا اندازہ ہو چکا تھا اور وہ



اس سے احتراز کرنے لگے تھے، جہاں انہوں نے اُس کتاب میں القابِ آداب کے خزانہ اور بزرگانہ مراتب مقرر کئے اور اساطیر الاولین کو نگاہ میں رکھتے ہوئے دعائیں فقہیہ مبتدیوں کے لئے جمع کر دی ہیں یہ بھی لکھتے ہیں۔

ادب شناس دانہ کہ بخار من	جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا
درگازش این مست کہ چوں کلاک	طلیقہ تحریر میں یہ ہے کہ جب قلم و
دوق بخت گیرم مکتوب الیہ را	کافذ ہاتھ میں لیتا ہوں تو مکتوب الیہ
بلفطیکہ فر نور حالت اوست در	کو اُس لفظ کے ساتھ جو اکی حالت
آقا زہد آواز دہم و زمرہ سنج	کے موافق ہو صفحہ کے شروع میں
دعا کردم، القاب و آداب د	پکارتا ہوں اور اُس کے بعد طلب
خیریت گوئی و عافیت جوئی حشو	لکھنا شروع کر دیتا ہوں، القاب
نا اہست و خجگان حشورا وقع نہند	آداب و خیریت گوئی اور خیر و
دنیز دانا شناسد کہ دریں باب	عافیت طلبی زاد دیکھا ہے اور
چہ ساحوی تو اں کرد دریں	تحریر کا زوائد کی وقعت نہیں کہتے
مشبہ گنجائش سخن گسری	اور عقلمند لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ
تا کجاست .....	اس معاملہ میں کیا ساحری کجا سکتی
.....	ہے اور اس طریقہ میں اداسے مطلب
.....	کی گنجائش کہاں تک ہے

جہاں اسے ہوشمند سخن پوہند	لے سخن شناس عقلمند جان کہ
کہ نامہ نگار اے آں باید کہ نگارش را	خط لکھنے والے کو چاہئے کہ تحریر کو

از گزاش دور تر برو رنگ  
 گفتن و ہر مطلب را بیاں خوش  
 تقریر سے دور نہ لیجائے اور تحریر  
 میں تقریر کا رنگ پیدا کرے مطلب  
 گزار دے کہ دریافتن آں دشوار  
 نہ بود اگر مطلب چند درشتہ باشد  
 کو اسل نماز سے ادا کرے کہ  
 اسکے سمجھنے میں دشواری نہو، اگر  
 چند مطلب رکھتا ہو تو تقدیم و تاخیر  
 میں بڑی ہوشیاری سے کام لے اور  
 اس سے بچے کہ الفاظ بیچید ہو جائیں  
 اور مطلب کے اجزاء ایک دوسرے سے ٹپ  
 اور دقیق استعمالے اور شکل دانا نوس  
 لغات عبارت میں کہیں نہ لائے اور  
 ہر تحریر میں مکتوبالیہ کا مرتبہ نظر میں  
 رکھے اور جہانک ممکن ہو تحریر کو طول  
 نہ دے اور ایک ہی لفظ کو بار بار لکھنے سے  
 بچے اور زیادہ تر زمانے کے لوگوں کے  
 مذاق کے موافق (یعنی مانوس) الفاظ  
 لکھے اور جو قواعد و قوانین کہ ایسے لوگوں نے  
 بنادئے ہوں ان سے باہر نہ جائے لیکن  
 اسی کے ساتھ خوبی زبان کہلاتھ ہے  
 نہ جانے دے اور اس عربی کی نفاری کہ

از گزاش دور تر برو رنگ  
 گفتن و ہر مطلب را بیاں خوش  
 گزار دے کہ دریافتن آں دشوار  
 نہ بود اگر مطلب چند درشتہ باشد  
 و تقدیم و تاخیر ترتیب نگہی را بکار  
 برد و ازان پر ہیز دے کہ سخن گزہ در گزہ  
 گردد و جسٹرار مدعا ہم گزہ خور  
 و نہ ہنار استعارات دقیق و  
 لغات مشککہ نامانوس و عبارت  
 درج نہ کند۔ در ہر فرد و تہہ  
 مکتوبالیہ د نظر دارد۔ تا تواند  
 سخن را در ازی نہ دہر و از تکرار  
 الفاظ محترز باشد و بیشتر مذاق  
 اہل روزگار خوشتر زند و از  
 احاطہ قواعد و قوانین کہ قرار  
 ایں مردم است بدرد نہ رود  
 اما اندازہ خوبی بسیار  
 نگاہ دارد۔ و این  
 پاری آہستہ بہتازی

دکشا کش قهر فات ہندی	ہندی فارسی نویسیں کے قہر فات
زبانان پارسی نویں صنایع	کے بیجا آمیزش سے خراب صنایع
نگذار دو لغات عربی جز بقدر	نہ کرے اور عربی لفظ صرف بقدر ضرورت
بایست صفت نہ ناید و پیوستہ	ہم تعال کرے اس سے زائد نہیں
دران کو شد کہ سادگی و نفوی	اور ہمیشہ سکی کو شش کرتا ہے کہ
شمارا و گرد۔	سادگی اور لطافت کی عادت ہو جا

یہ عبارت ہر حق فارسی رقعات سے تعلق کرتی ہے مگر اردو میں بھی انھوں نے  
یہ طرز بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اختیار کیا، چنانچہ ایک خط میں مرزا  
حاج علی بیگ تھر کو لکھتے ہیں :-

”مرزا صاحب! میں نے وہ انداز اختیار کیا ہے کہ سہلہ کو  
مکالمہ بنا دیا ہے، ہزار کو س سے زبانِ قلم! میں کیا کرد، ہجر  
میں وصال کے نہ لیا کرد“  
مرزا تقی محمد کو :-

”بھائی! مجھ میں تم میں نامہ نگاری کا ہے کوہر مکالمہ ہے۔“  
نواب انور الدولہ شفق کو :-

”یہ خط لکھنا نہیں! میں کرنی ہیں دیہی سب کے کہیں القاب لگا رہا نہیں لکھتا“

۵۱ یہ نصیحت فارسی کے متعلق ہے مگر اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اردو کی تحریریں  
عربی و فارسی دونوں زبانوں کے غیر انوس اور ثقیل الفاظ سے بچتا رہے۔

میر ہمدی سے قدیم روش نامہ نگاری کی خدمت کرتے ہیں۔  
 ”تھاراد مانع چل گیا ہے، لفاقہ کو کر دیا کرو، مسودہ کو  
 بار بار دیکھا کرو، پاؤ گے کیا یعنی تم کو وہ محمد شاہی روٹیں پسند ہیں  
 یہاں خیریت ہے، وہاں کی عافیت مطلوب ہے، خط تھاراد بہت دن  
 کے بعد پہنچا، جی خوش ہوا، مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے،  
 برخوردار میر سر فرزا حسین کو دینا اور دعا کنا اور اس حکیم  
 میر شرف علی اور میر فضل علی کو بھی دعا کنا، لازماً سعادتمندی  
 یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔“ کیوں سچ کیوں اگلوں کے خطوط  
 کی تحریر کی یہی طرز تھی؟ اسے کیا اچھا شہوہ ہے، جب تک  
 یوں دیکھو وہ خط ہی نہیں، چاہ بے آب ہے، ابر بے ابر ہیں  
 خانہ بے چراغ ہے، چراغ بے نور ہے، ہم جانتے ہیں کہ تم زندہ ہو  
 تم جانتے ہو کہ ہم زندہ ہیں، امر ضروری کو لکھ دیا، زدا کہ کو اور وقت پر  
 موقوف رکھا، اگر تھاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر  
 منحصر ہے تو بھائی! ساڑھے تین سطریں ایسی بھی میں نے لکھ دیں  
 کیا ناز تھا نہیں پڑھتے اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟“  
 اس سے اتنا ضرور معلوم ہو گیا کہ مرزا اس طرز جدید کے موجد اور مخترع تھے

۱۷ ”شمالی ہند میں ہنوز مقفی عبارت کا دستور تھا، اگرچہ غالب نے اپنے خطوط سے جدید طرز  
 کی ایجاد شروع کی تھی مگر عام طور سے اس کا دستور نہ تھا۔“ (دکن میں اردو، ”مسنفہ نصیر الدین“ ۱۹۶۴ء)

انہوں نے نہ صرف قدیم و فرسودہ طریق القاب آداب اور خطوط میں معمولی معمولی باتوں کو ایک قلم ترک کیا، بلکہ تحسیر میں سلاست و بے تکلفی کے علاوہ ایک عجیب و غریب دشمنی و لادیزی اور شوخی و ظرافت پیدا کی جس سے یہ طرز انہیں کیلئے مخصوص ہو گیا اور ان کے زمانہ میں اور ان کے بعد اب تک کوئی ہمسرد و مقابل ان کی اس قسم کی تحریر کا پیدا نہ ہو سکا۔ اکبر مرحوم ظریفانہ نظم میں اپنا عدیل و نظیر نہیں رکھتے تھے، اسی طرح غالب بھی شوخ و ظریفانہ نثر میں یگانہ و منفرد تھے، مگر تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اکبر اپنا ظریفانہ انداز اپنی نثر میں پیدا نہ کر سکے، کیونکہ ان کے خطوط میں کوئی خاص دلاوری اور شوخی و ندرت مثل غالب کے خطوط کے ہم کو نظر نہیں آتی۔

قبل اسکے کہ خطوط غالب کی مخصوص خوبیوں کا ذکر کیا جائے ایک ضروری بات گزارش کر دینے کے قابل ہے وہ یہ کہ جامعانہ خطوط نے خطوط غالب کے جمع کرنے اور چھپوانے میں صرف ایک خیال کو پیش نظر رکھا، یعنی یہ کہ پہلے ان کو

ملے مرزا کی اردو خط و کتابت کا طریقہ فی الواقع سب سے نرالا ہے، نہ مرزا سے پہلے کسی نے خط و کتابت میں یہ رنگ اختیار کیا اور نہ ان کے بعد کسی سے اس کی پوری پوری تقلید ہو سکی، انہوں نے القاب و آداب کا پرانا اور فرسودہ طریقہ اور بہت سی باتیں جن کو مترسین نے لازم نامہ نگاری میں قرار دے رکھا تھا مگر درحقیقت فضول اور دور از کار تھیں سب اڑا دیں۔ (راگزار غالب)

پڑھ کر سنسے اور خوش ہوا اور مرزا کی جدت طرائیوں کی تعریف کرے، اسکے سوا اور کوئی غرض اُنکی نہ تھی، ہم کو تعجب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت بھی اس زیادہ اور کوئی اہم حضرت اپنے خطوط کی اشاعت کا نہیں نکال سکے تھے۔ جب یہ خیال جامان خطوط کے دل میں جاگزیں تھا کہ خطوط محض ایک عجوبہ روزگار چیز کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کئے جائیں جنکو پڑھ کر وہ خوش ہوں اور نہیں بہنائیں، تو ظاہر ہے کہ اُنکی یکجائی و انطباع میں کسی خاص ترتیب و تنظیم کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی، یہاں تک کہ تاریخ تحریر ایسی ضروری چیز اکثر خطوط سے بیکار و غیر ضروری سمجھا کر اُڑادی گئی۔

مرزا اپنے خطوط میں تہذیب حال کے موافق تاریخ لکھنے کے بہت عادی تھے، کبھی شروع میں لکھ دیتے کبھی آخر میں یا کبھی اثنا و تحریر میں اسکی تصریح کر دیتے یا کوئی ایسی بات لکھتے کہ جس سے تاریخ تحریر خط بخوبی معلوم ہو جاسکتی اگر یہ سب خطوط بتدریب سارا مکتوب الہم تاریخ ارجاع کر دیے جاتے تو اس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ مرزا کی زندگی کے ضروری واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ زمانہ موجودہ کی فائل کے انداز سے خود انھیں کی تحریر سے ترتیب پا جاتے۔ مثلاً بعد از ردلی کی تباہی و بربادی کے حالات، مرزا کی نشین کا بند ہونا اور پھر جاری ہونا، قاطع برہان کی تصنیف، بعض قصائد و قطعات کی تصنیف، انکا انطباع اور مندرجوں کے پاس اُنکا بھیجا جانا، کوئن و کٹوریہ کے قصیدہ کی تیاری، اُس کا ولایت روانہ کیا جانا اور ولایت سے اُسکی رسید کا آنا، مرزا کی دیگر تصانیف کا انطباع وغیرہ وغیرہ، یہ سب

ایسی ضروری باتیں ہیں کہ تعجب ہے مولانا حالی ایسے بزرگ نے بھی جو مرزا کے شاگرد رشید تھے اور یقیناً مرزا کی آخر عمر کی صحبتوں میں شریک ہوتے ہوں گے اور جنکو اکثر اصل خطوط کے دیکھنے کا اور ان کے جانچنے کا موقع ملا ہوگا اس پر توجہ نہیں فرمائی اور بعض خطوط کو مرزا کی شر اور ان کے خاص انداز تحریر کا نمونہ سمجھ کر تبرکاً دینا ہمارے سامنے پیش کر دیا۔

صورت موجودہ میں تمام خطوط گڑبڑ ہو گئے ہیں، مثلاً ایک ہی شخص کے نام ۶۵ سے ۶۶ کے خطوط کے بعد ۶۱ - ۶۲ کے خطوط نظر آتے ہیں، اور اکثر میں تاریخ تحریر خط ایک بے ضروری جزو سمجھ کر حذف کر دی گئی ہو، پس ایسی صورت میں کسی قسم کی کوئی ترتیب جس سے کوئی عمدہ نتیجہ مستنبط ہو سکے اگر محال نہیں تو مشکل فرما معلوم ہوتی ہے، کسی وقت اگر اصلی خطوط ہاتھ آجائیں اور قاعدے سے تاریخوار مرتب کر دیے جائیں تو مرزا کی ایک نہایت عجیب و غریب متند خود نوشتہ سوانح عمری انھیں سے تیار ہو جائے گی۔

اپنا مطلب واضح کر نیکی غرض سے ہم مرزا کے چند خطوط لیتے ہیں اور اسے معلوم کے شروع ہی میں نواب میر غلام بابا خان بہادر رئیس سورت کے نام چند خطوط ہیں جنکی تعداد دس ہے، ان کی ترتیب موجودہ اور مجوزہ تاریخوار ایک نقشہ کی صورت میں پیش کی جاتی ہے جسکے خانہ تفصیل سے معلوم ہو جائے گا کہ واقعات مندرجہ خطوط مجوزہ صورت میں کس عمدہ طریقہ سے دکھائے جاسکتے ہیں اور موجودہ صورت میں جبکہ کوئی ترتیب نہیں ہے کیا کیا باتیں لازم آتی ہیں۔ مثلاً مرزا صاحب نے اب صاحب کو دو خط میں لکھتے ہیں :-

”واہ اول ساغز وردی، کیا جگر خوں کن اتفاق ہے پہلا غنائیہ“

جو حضرت کا جگو آیا آپس خبر مرگ.....“

یہ پہلا خط دوسرے نمبر پر ہونے کی بجائے پہلے تو جی بیہ ہتھالی کے کوئی  
درجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہی حال باقی خطوط کا بھی ہے جیسا کہ نقشہ سے ظاہر ہے

صفحہ نمبر خط	نمبر خط	تاریخ خط	مختصر مضمون خط
۱	۲	۹ ستمبر ۱۸۶۲ء	رسبے پہلا خط (تعزیت نامہ درباب وفات نواب میر جعفر علی خان)
۲	۹	۳۰ ستمبر ۱۸۶۲ء	گھڑی کے عطیہ کا شکریہ
۳	۶	۲۲ مارچ ۱۸۶۳ء	سافرش کا دیانی کی رسید کی طسلاع، بوستان خیال کا اشتہار اور ایک نئے اخبار کا اشتہار خط میں بھیجا جاتا ہے۔
۴	۵	۹ اگست ۱۸۶۳ء	شادیوں کی قرارداد کی خبر مبارکباد، نواب صاحب کے (طسکے کا تاریخی نام ”سیدہ سب علیقاں“ رکھ کر بھیجا تھا اسکی سیدہ پونچھنے کی شکایت
۵	۶	۱۴ نومبر ۱۸۶۳ء	شادی میں بسبب ضعف نہ شریک ہو سکنے کی معذرت نواب صاحب کی لڑکی کی تقریب بسم اللہ کی مبارکباد اور تاریخ، اپنی تصویر کی تیاری کی طسلاع۔
۶	۷	۱۰ دسمبر ۱۸۶۳ء	نواب صاحب کے اندر ایش عترت و جاہ دعا لبا خطاب، اور ایک نوٹ سے مقدمہ حقینے کی مبارکباد۔

۱۷ اس سے ظاہر ہے کہ اگر یہ بیانی خط جہیں نام درج کیا ہو گا اس مجموعہ میں نہیں ہے



صفحہ خطوط	تعداد خطوط	تعداد خطوط	مضمون خط
۶	۳	۳	کسی عورت میں علم شرکت کی معذوری، تکرار مبارکباد و مندرجہ خط نمبہ
۸	۸	۸	سورت نہ پہنچ سکنے کی معذرت، خط دیر میں لکھنے میں مصروف پیرانہ سالی کا عذر
۹	۱۰	۱۰	نواب صاحب مرزا کے کمال کی تعریف کرتے ہیں اس کا شکریہ۔ عطیہ (قابلا ردیہ) پہنچنے کا شکریہ قاطع برائے کی تیاری کی نواب صاحب کو اطلاع۔
۱۰	۴	۴	صفت اس قدر طاری ہے کہ یہ خط کسی دوسرے لکھو یا ہر نواب صاحب کے شکوہ و شکایت کا جواب اپنے آلام و کجا ذکر۔

”ادبی خطوط“ کی ترتیب سے پیشتر ہمارا یہی خیال تھا کہ ادبی معنی اور عود و ہندی دونوں کتابوں کو اس انداز سے نئے سے قریب دیں کہ مرزا کی آخر عمر کے اہم واقعات من و عن خود انھیں کی تحریر سے ظاہر ہو جائیں، مگر یہ کام بوجہ اکثر خطوط کے غیر مرتب صورت میں چھپنے اور بعض خطوط کے مجموعہ میں موجود ہونے اور تاریخوں کے نکل جانے کے اس قدر دشوار بلکہ محال معلوم ہوا کہ اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا اور صرف مرزا کے ادبی خطوط کے اجتماع پر کفایت کی گئی کہ یہ بھی ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں ”ادبی خطوط“ سے اس مجموعہ میں مرزا کی وہ تمام تحریریں

اور عبارتیں مراد ہیں جن میں انھوں نے :-

- (۱) خواہ اپنے یا دوسروں کے اشعار کے معانی اور مطلب سمجھائے یا اپنے تنقید کی
- (۲) فارسی وارد و شعر اور مصنفین پر یا ان کے کلام اور تصانیف پر رائے کی
- (۳) اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں دیں۔

(۴) طریقہ اصلاح

(۵) ادبی سوالوں کے جوابات -

- (۶) اپنی تصانیف کے چھپوانے میں کس قدر اہمک کیا اور کیا کیا احتیاط ٹھائیں
- (۷) قاطع برہان کی تحریر و طباع میں کیا کیا مبالغے کرنا پڑے۔
- (۸) تحقیق لغات و تذکیر و تائید بعض الفاظ۔

ان کے علاوہ بھی بعض ایسی عبارتیں ان خطوط میں شامل کرنا پڑیں جن کا کوئی ادبی تعلق تو نہ تھا مگر وہ اس طرح سے بعض ادبی خطوط میں شامل تھیں کہ ان کو علیحدہ کر دینے سے ادبی مضمون بالکل مختصر رہ جاتا یا ان عبارتوں میں کوئی جدت شوخی یا ذریت ایسی پائی گئی کہ ان کا بھی شامل کر دینا ضروری سمجھا۔ پس اس طریق سے اس استاد اعظم کے بتائے ہوئے ادبی نکتے بھی دریافت ہو گئے اور اس کا انداز بیان اور شوخی تحریر کا بھی فرہ اٹھایا گیا، یعنی ہم خرمادہم ثوابک لطف حاصل ہوا۔

مجموعی تعداد ان خطوط کی جو اس مجموعہ میں شامل ہیں چھانوے ہے اس میں اردو دہے معلیٰ و عود ہندی کی ترتیب میں یہ فرق بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ آخر لکھ کر کتابت کو تالیف کے نام بہت جلی بطور سرخی خط کے شروع میں

دیے گئے ہیں، مگر چونکہ عرض اصلی ”کیا کہا گیا ہے نہ یہ کہ“ کس سے کہا گیا “  
لہذا مکتوب الہیم کے نام خفی حروف میں خط کے آخر میں دیے گئے اور شروع میں  
حرف سلسلہ کا نمبر ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ کتب بنی کا شوق بہت کم رہ گیا ہے دھپ سے  
دھپ کتاب بھی اول سے آخر تک پڑھنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسے اصحاب  
کے لئے جو محض ایک سرسری نظر ڈال لینے کو غنیمت سمجھتے ہیں پورے پیرا کا  
مطلب مختصر طور پر حاشیہ پر دیدیا گیا ہے تاکہ اگر جی چاہے اور اتنا وقت نکالا  
جاسکے تو مزید معلومات کے شوق میں پورا پیرا پڑھ لیں درجہ خط کا مطلب عبارت  
حاشیہ ہی سے دریافت ہو سکتا ہے۔

یہ مجموعہ مطالب لطیف اور طالب علم دونوں کے فائدہ کے واسطے موجودہ ایشین  
عموم ہندی اور اردوئے معلیٰ سے معلومات اور دھپ دو دنوں اعتبار سے کسی طرح  
کم نہیں بلکہ ترتیب مخطوط اور بعض دیگر معلومات مفیدہ کے لحاظ سے ان سے کچھ  
زیادہ ہے۔

اب ہم مختصراً یہ دکھلانے کی کوشش کریں گے کہ مرزا نے نامہ نگاری میں  
لفظاً و معنی کیا کیا تصرفات کئے اور کیا کیا جدید اور لطافتیں پیدا کیں۔

(۱) لفظی تصرفات (الف) پرانے طرز کے القاب، آداب اور عبارت خاتمہ کو  
ترک کیا۔ (ب) پرانے طرز کے بے مزہ، مفی و مسجع فقرے جو قدیم  
نثر نگاروں کی شان تھی ترک کئے اور عبارت میں ایسی دل آویزی اور بے تکلفی پیدا کی  
جس کا لطف ہائے کسی بیان بظاہر نہیں ہو سکتا صرف اہل مخطوط کو پڑھنے سے

سمجھ میں آسکتا ہے۔

انقلاب کی قدیم روش ترک کرنے میں مرزا نے اپنے انھیں اصولوں پر عمل کیا جن کا ذکر صفحہ ۱۴ میں ہوا یعنی مکتوب الیہ کو اسکی حالت کے موافق آغاز خط میں پکارنا یہی لفظ پکارنا، اس عظیم الشان انقلاب کا پتہ دیتا ہے جو مرزا نے اپنے خطوط کے ذریعے اردو شریکاری میں کیا ہے۔ مرزا کے مکتوب الیہ دو قسم کے لوگ تھے (۱) وہ جو ان سے سن یا مرتبے میں بڑے تھے یا جن سے بے تکلفی کم تھی (۲) وہ جو ان سے سن میں کم تھے یا جن سے بے تکلفی بہت تھی۔

باشننا و چند لوگوں کے جن کا مرزا بہت ادب و لحاظ کرتے تھے ہی دوسری صنف میں انکے زیادہ تر مکتوب الیہ شامل ہیں کیونکہ ان کے اکثر اسناد و احباب اور نیز ان کے تمام شاگرد اسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے آدمیوں سے بھی تکلف و نصیحت کی گفتگو کبھی نہیں کرتے بلکہ موقع موقع سے ان سے بھی ایسی مذاق اور ظرافت کی باتیں کر جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ کاتب و مکتوب الیہ کے سن یا مرتبے میں کسی قسم کا فرق ہے، البتہ اس قسم کے لوگوں کے خطوط کو یا تو وہ کسی پرانے طرز کے القاب سے شروع کرتے تھے مثلاً نواب میر غلام بابا خاں کو "نواب صاحب جمیل المناقب عیم الاحسان" یا کوئی لفظ مختصر جیسے قبلہ "وجناب نواب صاحب وغیرہ صاحب عالم مارہروی کو "پیر و مرشد" مولوی عبد الغفور خاں نساخ کو جناب مولوی صاحب قبلہ۔

مگر مرزا کی تمام صنایع و جدت و شوخی صرف دوسری صنف کے لوگوں کے القاب میں جن سے وہ حد درجہ بے تکلف تھے نمایاں ہوتی ہے مثلاً اپنے شاگرد رشید مرزا الفتہ کو "نور نظر و کھٹ جگر، میری جان، صاحب، بھائی، ہمارا راج" منشی صاحب آؤ مرزا الفتہ نگلے لگ جاؤ، اچھا میرا بھائی، جیتے رہو اور خوش رہو وغیرہ میر ہمدی مجروح کو بر خورد ار کا مگار، نور چشم، جان غالب، میاں لڑکے، میاں سید زادے، ابا بابا! میرا پاپا! میری آیا! صاحب یہ تماشا دیکھو وغیرہ۔ مرزا علاء الدین احمد خاں کو، جانا جانا، اقبال نشانا، میری جان، علامی ہمہ ایں، مرزا علامی مولائی، یار، بھینچے وغیرہ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن سے مرزا سے کمال بے تکلفی اور محبت و یگانگت تھی، ان سے کم درجہ پر جو تھے ان کے القاب میں کوئی خاص جدت نہ تھی یا شوخی (بے تکلفی نہیں پائی جاتی مثلاً منشی شیونرائن کو "برخوردار نور چشم برخوردار اقبال نشان"، برخوردار کا مگار لکھنے پر کفایت کرتے ہیں، مرزا امیر الدین احمد خاں معروف برفرنج مرزا کو جو بہت کسں تھے غیب شاعرانہ انداز سے القاب لکھا ہے اور اس کے معنی بھی سمجھائے ہیں۔

”لے مردم چشم جہاں میں غالب“ پہلے القاب کے سنی سمجھ لو  
یعنی چشم جہاں میں غالب کی پتلی چشم جہاں میں تھا راز باب  
مرزا علاء الدین خان بہادر اور پتلی تم.....“

ان سب القابوں سے مرزا کی کیفیات قلبی کا پورا اندازہ ہوتا ہے جو وقت اور جہاں حالت و کیفیت میں وہ ہوتے تھے و بساری تراوش قلم کا انداز تھا، مگر مولانا حالی کا یہ خیال بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے، کہ وہ اپنے خطوط میں

کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور لکھنا چاہتے تھے جس کو پڑھ کر ان کا مکتوب الیہ خوش اور باغ باغ ہو جائے

مفتی مسیح نقود کا ترک - اس موقع پر بیشتر ہم مولوی غلام امام شہید اور منشی غلام غوث بیچر کے دفتروں کے چند سطر بطور نمونہ پیش کرتے ہیں تاکہ اُس زمانہ کی عام خطوط نگاری کی روش معلوم ہو جائے اور یہ بھی اندازہ ہو کہ زمانے کیا کمال کیا کہ اس قسم کی عبارت کو جو ان کے زمانہ میں نہ صرف راج بلکہ داخل فیشن تھی بلکہ کیسی سادہ بے تکلف شوخ اور لطیف انگیز عبارت کا رواج دیا۔ جو ہمارے نزدیک بہت بڑا اعجاز ہے۔

مولوی غلام امام شہید کا رقعہ ہمنیت و تعزیت آمیز :-

مجموعہ انشاء شیریں زبانی دیباچہ کتاب سخن معانی، تراجمتہ قلم بعد تشریح مراتب تنقیات دآرزو مندی کے تعزیت کے مضمون کے آئینہ بھی بہا تا ہے اور کچھ خوشی میں آکر مبارکباد کا مضمون بھی زبان پر لاتا ہے، زمانہ میں خوشی و غم دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور دنیا میں دھوپ چھاؤں کی طرح شادی کے ہاتھ میں ماتم کا ہاتھ ہے۔ دو پھول ایک ہی شاخ میں پھولتے ہیں، ایک دو ٹھا دو وطن کے سرسے کے کام آتا ہے دو سر میت کی تربت پر چڑھایا جاتا ہے۔ دو موتی ایک بیپ میں پیدا ہوتے ہیں ایک بادشاہ کے تاج میں لگاتے ہیں دو سبکدوہل میں پسگردا میں ملاتے ہیں ایک ہی کافر سے دو شمعیں بنتی ہیں ایک محفل سرود کے کام آتی ہے

دوسری طرف کے مزار پر جلانی جاتی ہے۔ چمن میں کھلی اگر کھلکھلا کر  
ہنستی ہے، شبنم بے اختیار اس کے ہنسنے پر روتی ہے۔ جس باغ میں  
نخراں ہودہاں بہا رہی ہے اور جہاں گل ہودہاں خار بھی ہے۔

..... " ۵۱

بیخبر کا خط مولوی غلام امام شہید کے نام :-  
قبلہ میری شوخی دیکھئے ! یوسف کو آئینہ دکھاتا ہوں، خوشیہ  
کو روشنی کی حکایت سناتا ہوں۔ گلزار میں پھول لے جاتا ہوں،  
خون میں مشک تحفہ بھیجتا ہوں، دریا کے سامنے روانی کے معانی  
بیان کر رہا ہوں، چاند کے روبرو نورافشانی کا معاملہ کرتا ہوں،  
لعل کے حضور میں رنگ کی دکان کھولتا ہوں، قند کے مواہج میں  
شیرینی تولتا ہوں، میحسا سے کتنا ہوں جاں بخشی کی روایت  
سنیے، موسیٰ سے تمنا کرتا ہوں کہ یہ بیضیا کی چمک دیکھئے یعنی  
حضرت کا دیوان مرتب کر کے آپ کے حضور میں پیش کر رہا ہوں

..... " ۵۲

مرزا نے بھی روش زمانہ کے موافق مقفی عبارت اپنے اکثر خطوط میں

۵۱ اخذ از السیر المصنفین جلد اول صفحہ ۱۹۸ (یہ رتنہ جنگنا منہ نعمت خان عالی کی ابتدائی

چند سطروں کا ترجمہ معلوم ہوتا ہے)

۵۲ اخذ از السیر المصنفین جلد اول صفحہ ۲۱۳

قائم رکھی (میرے خیال میں تقریباً چالیس فیصدی خطوط اسی رنگ میں ہیں) مگر اس  
روش میں بھی انکی بے تکلفی اور شوخی اسی طرح جلوہ گر ہے جس طرح کہ انکی  
سادہ عبارت میں ہے اور معراج کمال یہ ہے کہ تصنع میں بے تصنعی اور  
بناوٹ میں سادگی کا لطف آتا ہے ۔

یہاں پہلے انکی مقفی عبارت کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے جس سے  
ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ مرزا میں اور شہید و بخیر وغیرہ کی قسم کے  
لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔

مقفی عبارت کا نمونہ :- (ہم اس خط کو اس طریقہ سے  
لکھتے ہیں کہ توانی اچھی طرح سے واضح ہو جائیں یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہو  
کہ ہر جہیز عبارت مقفی ہے مگر برخلاف خطوط شہید و بخیر متذکرہ بالا کے ایک ایک فقرہ  
میں علیحدہ علیحدہ مضمون ہے)

یارب ! یہ ایک خط جو جھکوڑ دہ گجرات سے آیا ہے ، کاتب نے  
اپنے کو احمد حسن قنوجی بتایا ہے ، اُدھ سے اظہار آشنائی ہے ،  
میری طرف سے یہ بھیائی ہے ، کہ جھکوڑ ان کی اور اپنی ملاقات یہاں  
آتی ، سوچا ہوں کوئی بات یاد نہیں آتی ۔ خائے نیاں خراب  
عشر و قتالہ کے مرحلہ کارہ پہا ہوں ، شاید اگر چوں گا تو اس کا بھی  
مجھے علم نہ رہے گا کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں ۔ سینٹھ برس کی عمر ہوئی  
عواس ظاہری میں سے سامعہ و شامہ باطل ، حواس باطنی میں سے  
حافظہ زائل ۔ بسبب نیاں کے اکثر مطالب ضروری تلف ہو جاتے ہیں



خدا کیا اس عمر میں سبک دمی ایسے خوف ہو جاتے ہیں حیران ہوں  
 کہ آپ کو سید لکھوں مولوی لکھوں خان لکھوں، خط میں تو خیر کچھ لکھ دینگا  
 خط کا کیا عنوان لکھوں۔ بندہ بہرہ ور فقیر معاف رہے، حضرت  
 کا دل غبار کہہ درست سے صاف رہے۔ مولوی عبد کبیل صاحب  
 بریلوی کو جانتا ہوں، بلکہ اُن کا احسان مانتا ہوں۔ کہ باوجود  
 عدم ملاقات ظاہری اکثر اُن کے خطوط آتے رہتے ہیں، گویا وہ اپنا  
 نام ہمیشہ جھکوا یاد دلاتے رہتے ہیں۔ یہ آپ کہ بعد ایک عسکر  
 ناگاہ بنامہ یاد فرمائیں، اور اپنی اور میری ملاقات کا زمانہ یاد  
 نہ دلائیں، بہر حال تمھارا دعا گو ہوں، خیر جو ہوں۔ اس خط کے  
 جواب میں ایسا کچھ لکھو کہ تم کو پہچان جاؤں، کب ملے تھے  
 کئے ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ یہ سب ماریج جان جاؤں.....“  
 (بنام مولوی احمدین تنوہی)

غیر قافی سادہ عبارت کا نمونہ :-

”بھائی! اس عرض میں بھی تیرا ہم طالع اور بہرہ و ہوں،  
 اگرچہ ایک فنہ ہوں مگر مجھے اپنے ایمان کی قسم میں نے اپنی نظم و نشر  
 کی داد باندازہ بالیست پائی نہیں آپ ہی کہا، آپ ہی سمجھا۔  
 قلندر کی و آزادگی و ایثار و کرم کے جو دلائل میرے خالق نے  
 مجھ میں بھردے ہیں بقدر ہزار ایک ظہور میں نہ آئے۔ نہ وہ طاقتِ جہانی  
 کہ اک لاکھ ہاتھ میں لوں اور اُس میں شطرنجی اور ایک ٹین کا ٹوٹا

مع سوت کی سی کے لٹکالوں اور پیادہ پاچلڈن کبھی شیرازہ جانا کلا،  
 کبھی مصر میں جا ٹھہرا، کبھی نجف جا پہنچا۔ نہ وہ دنگاہ کہ ایک  
 عالم کا میزبان بن جاؤں اگر تمام عالم میں نہو سکے نہ ہی جس شہر میں  
 رہوں اس شہر میں کوئی بھوکا تنگ نظر نہ آئے .....  
 وہ جو کسی کو بھیک مانگتے نہ دیکھ سکے اور خود در بدر بھیک مانگے  
 وہ میں ہوں۔“

(بنام نواب علاء الدین احمد خان)

بندگی و سلام لکھنے کا نیا ڈھنگ

اُستاد میر جان کو اس راہ سے کہ میری بچھپی اُن کی چچی  
 تھیں اور یہ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں دُعا اور اس رو سے کہ دوست  
 ہیں اور دوستی میں کمی و بیشی سن و سال کی رعایت نہیں کرتے سلام  
 اور اس سب سے کہ سستا دکھاتے ہیں بندگی اور اس نظر سے کہ یہ سید ہیں  
 دُرود، اور موافق مضمون اس مصرع کے :- سَوَا اللہ دَاوَدَ فَا لَوْ جِ  
 سبھو دے۔“

معنوی تصرفات یعنی خطوط میں ایسی باتوں کا ذکر جس سے کاتب  
 و مکتوب الیہ دونوں کے اخلاق و عادات پر پوری روشنی پڑتی ہے۔۔  
 (۱) مرزا رسال خطوط میں دن تاریخ بلکہ وقت تک کی تفصیل کے  
 پابند تھے۔۔

”جناب چودھری صاحب سب کا عنایت نامہ سوت پہنچا اور

یہ وقت صبح کا ہے دن بدھ کا ربیع الثانی کی چوبیسویں اور دسمبر

کی پہلی.....“ (بنام چودھری عبد الغفور سرور)

(۲) تحریر جواب میں تاخیر نہیں کرتے :-

”خط کے پہنچنے سے بہت خوش ہوا، ڈاک کیا ہے خاک ہے

خیر اور ہڑھا، دھر جواب کھا، خدا کرے میرا خط جلد پہنچے درہ

یہ آپ کو خیال ہو گا کہ غالب نے ہمارے خط کا جواب لکھا.....“

(۳) انگریزوں کو خطوط و قصائد وغیرہ بھیجنے کا شوق اور ان کے جواب

و خوشنودی سے مسرت

”نواب لٹنٹ گورنر بہادر غرب و شمال کو نسخہ دستنویس پیل ڈاک

بھیجا تھا ان کا خط فارسی مستحسین عبارت و قبول صدق را دست

و مودت پیل ڈاک آگیا، پھر قصیدہ بہاریہ تہنیت و رحمت میں

بھیجا گیا اس کی رسید آگئی، وہی خاں صاحب بیارمہربان

دوستانہ القاب اور کاغذ افشانی، ازاں بعد ایک قصیدہ جناب

را برٹ منٹگری صاحب لٹنٹ گورنر بہادر قلم و پنجاب کی مدح

میں توسط صاحب کشتربہادر دہلی گیا اس کے جواب میں شنودنی نامہ

توسط کشتربہادر کل جکوا گیا.....“ (ایضاً)

ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب مالک مغربی شاہی کے مدرسوں کے ناظم

اور گورنمنٹ کے بٹے مصاحب ہریانہ کے دنوں میں ایک ملاقات

میرے ان کی ہوئی تھی میں نے اب ایک سا وہ بے جلد (کتاب دستنویس)

اُن کو بھیجی تھی، کل اُن کا خط بھجو اس کتاب کی رسید میں آیا، بہت  
 قیامت نہ لکھتے تھے اور ہاں بھئی ایک تماشہ اور ہے وہ بھجو لکھتے  
 تھے یہ دستنویس اس سے کہ تم بھیجو مطبع مفید غلاف نے ہمارے  
 پاس بھیجی ہے اور ہم اُسکو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ ہمارا  
 خط مع کتاب کے پہونچا، اُن کے اس لکھنے سے معلوم ہوا کہ مطبع  
 میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی، کیا اچھی بات ہے کہ  
 وہاں بھی میرے کلمہ بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہونچ جائے گا۔ میں  
 چیف کسٹرن پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر  
 اور ملکہ کی نذر اور سکرتریوں کی نذر یہ پارسل انشاء اللہ آج روانہ  
 ہو جائیگا۔ دیکھوں چیف کسٹرن کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا

فرماتے ہیں۔

تاہناں دوستی کے برودہ حالیا قسیم دتے کا شتیم (نام نہی ہوا) آفتم  
 (۴) مزار کے زمانہ میں ڈاک کا انتظام اچھا نہ تھا، اسی وجہ سے وہ ہر  
 کہتے ڈاکے اب ڈاکو ہو گئے، ”ڈاک کیا ہے خاک ہے“ اور شاید اسی ڈاک کی  
 بنظمی کی وجہ سے وہ بیرنگ خط بھیجنا پسند کرتے اور دوسروں کو بھی ہما کش  
 کرتے تھے کہ تم بھی بیرنگ بھیجو۔

”ایک قاعدہ آپ کو بتاتا ہوں اگر اسکو منظور کیجئے گا تو خطوط کے  
 نہ پہونچنے کا احتمال اٹھ جائے گا اور جٹری کا درد سرجاتا رہے گا  
 آدھ آنہ نہ سہی ایک آدھ سہی، آپ بھی خط بیرنگ بھیجیجئے اور میں بھی

بیرنگ بھیجا کروں۔ پیڈ خطوط ملت بھی جوتے ہیں، اس قاعدہ کا  
جیسا کہ میں واضع ہوا ہوں بادی بھی ہوا اور یہ خط بیرنگ بھیجا.....

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

.....

(۵) طریق اصلاح، دوستوں کے کلام کی اصلاح پر بالکل فخر و مباہرات  
نہیں کرتے بلکہ تہذیبی ٹھکار کو مد نظر رکھتے ہیں۔

دعوتِ شیعہ صاحب (یعنی شیخ عطاء حسین صاحب) کیوں مجھ کو محبوب  
کرتے ہیں اس باب میں اس سے زیادہ عرض نہیں کر سکتا کہ افادہ مشترک  
ہے قسیدہ و مثنوی بھیج دیجئے۔ لطف اٹھاؤ گنا اور جو کچھ میرے خیال  
میں آئے گا بے تکلف عرض کر دوں گا، میرا سلام کہئے اور مثنوی اور  
قسیدہ ان سے لیکر جلد بھیج دیجئے..... (ایضاً)

”صاحبِ مثنوی تو میرے واسطے ایک مرثیہ ہو گئی۔ ہے ہے  
’اس بزرگوار کے جگر میں کیا کیا گھاؤں پڑے ہونگے تب یہ تراوش  
خوننا بہ فلور میں آئی ہوگی، غم یہ ہے کہ عذراں بیان سے حقِ نیچاب  
انہیں کے معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اہلِ کاندھ میرے نظر میں نہیں اور  
حقیقت حالِ مجھ پر جھل ہے اس واسطے انجام و آغاز اندازہ دانہ  
کچھ نہیں سمجھا۔ حکم و اصلاح کو آپ نظر اصلاح نظر میں  
میں نے مجھ پر ہر جا میں اشارِ اصلاح لکھ دیا ہے.....“ (ایضاً)

”سنو صاحب یہ تم جانتے ہو کہ زمینِ العابدین خاں مرحوم میرا  
فرزند تھا اور اب اس کے دونوں بچے کہ وہ سیکر دیتے ہیں میرے پاس

آتے ہیں اور دبیم محکومتا ہے میں اور میں تھل کرتا ہوں، خدا گواہ  
 ہے کہ میں تم کو اپنے فرزند کی جگہ سمجھتا ہوں، پس تمہارے نتائج طبع  
 میرے معنوی پوتے ہے جیسا کہ عالم صورت کے پوتوں سے کہ مجھے کھانا  
 نہیں کھانے دیتے، مجھ کو دوسرے کو سونے نہیں دیتے، تنگے تنگے پاؤں  
 میرے پناگ پر رکھتے ہیں، کہیں پانی ڈھالتے ہیں، کہیں خاک  
 اڑاتے ہیں، میں تنگ نہیں آتا تو ان معنوی پوتوں سے کہ انہیں  
 یہ باتیں نہیں ہیں کیوں گھبراؤں گا۔ آپنا کو حلیہ میرے پاس پیل ڈاک  
 بھیج دیجئے کہ میں ان کو دیکھوں، وعدہ کرتا ہوں کہ پھر حلیہ ان کو  
 تھامے پاس پیل ڈاک بھیج دوں گا.....  
 (بنام نشی ہرگو پال تفتہ)

(۶) دوستوں کا عشق :-

”تھامے دھنکی خطے میرے ساتھ وہ کیا جو بوسے پر اہن نے  
 یعقوب کے ساتھ کیا تھا، میاں یہ تم بڑھے ہیں، یا جوان ہیں،  
 توانا ہیں یا ناتوان ہیں، بڑے بیش قیمت ہیں یعنی بہر حال غنیمت ہیں  
 کوئی جلا بھنا کتنا ہے۔“

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ یاد رکھنا فسانہ ہیں ہم لوگ  
 وہی بالا خانہ ہے اور وہی میں ہوں شیر بھیدوں پر نظر ہے کہ وہ  
 میری آئے وہ میرے فرزند حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے وہ بوسہ خلیں  
 آئے، مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا، بچہ پڑے ہوؤں میں سے کچھ گئے نہیں



”حضرت کی تحریر کا ایک لفظ سوائے سعادت تو ام شاہ عالم کے  
اگر پڑھا گیا ہو تو دیدے بھوٹیں، ایمان نصیب نہو، وہ خط بدستور  
آپ کے پاس واپس بھیجتا ہوں اردولی سفید کاغذ پر حضرت جنت  
اسکی نقل کر کے پھر مجھے بھیج دیجئے تاکہ اسکے جواب لکھنے میں سعادت  
حاصل کروں لیکن بہت جلد بہت جلد..... (ایضاً)

(۸) دوستوں کی مصیبت و پریشان حالی میں دلی بہمدردی اور ہر کورفع  
کرشیک دلی خواہش :-

”بھائی! ہوش میں آؤ! غور کرو! یہ مقدور مجھ میں نہیں کہ  
اُن کو یہاں بلا کر ایک الگ مکان رہنے کو دوں اور اگر زیادہ ہو تو  
تیس سو بیسہینہ مقرر کروں کہ بھائی یہ لو اور دربار اور چاڈری اور  
اجیری دروازہ کا بازار اور لاہوری دروازہ کا بازار ناپتے پھرو اور  
اردو بازار اور خاص بازار اور بلاتی بیگم کا کوچہ اور خان دوراں خاں  
کی حویلی کے کھنڈر گنتے پھرو۔ اے میر ہمدی! تو دروازہ و عاجز  
بانی بیت میں پڑا ہے میرن صاحب ہاں پڑے ہوئے دلی دیکھنے  
کو ترسا کریں، سرزار حسین کو کری ڈھونڈھتا پھرے اور میں ان عجا  
جانگداز کی تاب لاؤں، مقدور ہوتا تو دکھا دیتا کہ میں نے کیا کیا  
ع اے بآ آرزو کہ خاک شدہ، اللہ! اللہ! اللہ!.....“  
(بنام میر ہمدی مفرج)

(۹) مزا کے اکثر کتب الیہ انکے نادیدہ دوست تھے، جن کو انہوں نے



کبھی نہیں دیکھا تھا مگر پھر بھی خطوط کے طرزِ ادا سے معلوم ہوتا ہے کہ مرثوں کے یارِ ادا ہیں۔ ایک نہیں بلکہ صدِ اصحابوں کے لطفِ اٹھائے ہوئے ہیں۔ یہ اعجازِ تقریر ہے کہ نادیدہ لوگوں کے اخلاق و عادات سے بھی اس طرح واقف معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کے ساتھ صدیوں صحبت رہی ہے۔

(۱۰) مرزا کے اکثر احباب کی علیحدہ علیحدہ عتباتیں اور گولیاں کشتیں جیسا کہ اس جماعت کے کسی سربراہ دشخص کے خطوط میں برابر ہوتا رہتا ہے اور اس جماعت کے ہر فرد کو مرزا حسبِ راجح بے تکلفی و محبت سے یاد کرتے رہتے ہیں مثلاً ایک جماعت کے احباب حسبِ ذیل ہیں :-

مرزا علاء الدین احمد خاں، انکے چچا زاد بھائی مرزا شہاب الدین احمد خاں،  
مرزا علی حسین خاں، استاد میر جان، حمزہ خاں (ایک بڑے آدمی علاء الدین احمد خاں  
کے استاد تھے) مرزا قربان علی بیگ سالک۔ مرزا شمشاد علی بیگ رضواں،  
دوسری جماعت کے احباب :-

صاحبِ عالم مارہروی، انکے بیٹے شاد عالم، چودھری عبدالغفور، سردار  
چودھری غلام رسول، شیخ عطا حسین،  
تیسری جماعت کے احباب

نواب میر غلام بابا خان، میاں داد خاں سیاح، میرا برہیم علی خاں وفا  
حکیم احمد حسن ٹھوڑی وغیرہ،

چوتھی جماعت کے احباب،

میر مہدی مجروح، انکے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین الملقب بہ بہتد بعصر

میرن صاحب! یوسف علیاں، یوسف مرزا، حکیم میرا شرف علی،  
پانچویں جماعت کے اجاب

مرزا نقشب، مرزا حاتم علی مہر، منشی نبی بخش حقیر، اُن کے بیٹے منشی  
عبداللطیف وغیرہ،

مرزا کے زورِ تحریر کا یہ اثر ہے کہ اُن کے الفاظ اور اندازِ کلام کے ذریعہ  
سے ان میں سے ہر ایک کا خط و خال ہماری نظروں کے سامنے آ جاتا ہے اور  
یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس جماعت کے اور لوگ اس شخص سے کس طرح پیش  
آتے ہیں مثلاً ذیل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ میرن صاحب ایک نوجوان حسین  
خوش رو آدمی تھے اور میر مہدی اور اُن کی جماعت کے لوگ اُن سے محبت کتے تھے۔

”نادر کا اتنا خوف نہیں جتنا حسین آدمی کا ڈر ہوتا ہے۔ تم

اُن سے خواہش وصال کرتے ہوئے ڈرو میرے خط کے جواب کے  
باب میں کیوں نہیں کہتے۔ صاحب یہ کچھ بات نہیں میرے خط کا  
جواب اُن سے لکھو اگر بھلاؤ.....“ (بنام میر مہدی جرج)

”میاں! کیوں ناپاسی و نفاق شناسی کرتے ہو، چشم بیار  
ایسی چیز ہے کہ جسکی کوئی شکایت کرے (میر مہدی کی آنکھیں دیکھتے  
آئی تھیں جسکی شکایت انھوں نے مرزا کو لکھی تھی) تمہارا منہ چشم بیار  
کے لائق کہاں چشم بیار میرن صاحب قبلہ کی آنکھ کو کہتے ہیں جب کو اچھے  
عارف دیکھتے رہتے ہیں تم گونا گونہ چشم بیار کو کیا جاؤ.....“ (الہنا)

(۱۱) دوستوں سے لطیف مذاق۔ میر مہدی کی آنکھیں دیکھنے آئی ہیں

اُن کو لکھتے ہیں :-

”بتھاری آنکھوں کے غبار کی وجہ یہ ہے کہ جو مکان دلی میں  
ڈھالے گئے اور جہاں جہاں ٹسکیں نکلیں جتنی گرد آڑی اُنکو آپنے  
ازراہ محبت اپنی آنکھ میں جگہ دی .....“  
میر ہمدی نے ایک مرتبہ لکھا کہ جو خط آپنے مجکو بھیجا تھا وہ میرے ہم نام کے  
ہاتھ جا پڑا سپر فرماتے ہیں :-

”وہ جو تم نے لکھا تھا کہ تیرا خط میرے نام کا میرے ہم نام کے  
ہاتھ جا پڑا، صاحب قصور تھا اسے، کیوں لیے شہر میں رہتے ہو جہاں  
دوسرے میر ہمدی بھی ہو۔ مجکو دیکھو کہ میں کب سے دلی میں رہتا ہوں  
نہ کوئی اپنا ہم نام ہونے دیا نہ کوئی اپنا عسر بننے دیا، نہ  
اپنا ہم نکلنے بہم ہو چنایا.....“

(۱۲) خطوط میں بچ کی باتیں۔ عموماً اس قسم کی باتوں کی تفصیل عام لوگوں کیلئے  
دکھائی سے خالی ہوتی ہے مگر مرزا کی سحر نگاری اور اُن کی عبارت میں  
دلآویزی اور اثر کچھ ایسا ہوتا ہے کہ بار بار پڑھیے پھر بھی اُن کے خطوط مزہ  
دیتے ہیں۔ میر ہمدی دلی کے حالات کی تفصیل چاہتے ہیں اُن کو لکھتے ہیں :-

”جیسا حال دلی دالور سلام لو، مسجد جامع داگد انت  
ہوگئی، چنلی قبر کی طرف بیٹھیں پر کبا بیوں نے ٹوکائیں بنالیں،  
(اٹرا مرغی، کبوتر، کینے لگا..... ہاے پاس شراب آج کی  
اور ہے کل سے رات کو زری آنکھ ٹھی پر گزارہ ہے، بوتل گلاس

موقوف ..... اور پو لو کیا لکھوں، دھوپ میں بیٹھا ہوں،  
 یوسف علیخاں اور لالہ میرا سنگہ بیٹھے ہیں کھانا تیار ہے خط لکھ کر  
 بند کر کے آدمی کو دوں گا۔ اور میں گھر جاؤں گا وہاں ایک دالان میں  
 دھوپ آتی ہے اسی میں بیٹھوں گا منہ ہاتھ دھوؤں گا، ایک روٹی کا  
 پھلکا سالن میں جھگو کر کھاؤں گا، بین سے ہاتھ دھوؤں گا، باہر آؤں گا  
 پھر اس کے بعد خدا جائے کون آئیگا کیا صحبت ہوگی.....“

نواب بن الدین احمد خاں نے دریافت کیا تھا کہ سنا جاتا ہے آپ نے شراب  
 چھوڑ دی ہے اس کی کیا اصلیت ہے، اسپر ان کے بیٹے مرزا علا الدین خاں  
 کو لکھتے ہیں:-

”بھائی کو سلام کہنا اور کہنا کہ صاحب وہ زمانہ نہیں کہ ادھر  
 متھرا داس سے قرض لیا ادھر درباری مل کو جا مارا ادھر خوب چند  
 چین سکھ کی کوٹھی جالوئی ہر ایک پاس تسک ہری، چودا شہد لگاؤ  
 چاٹو نہ مول نہ سود، اس سے بڑھ کر یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل کھ پھٹی  
 کے سر، بالینہ کبھی خان نے کچھ دیدیا کبھی الور سے کچھ لو لیا کبھی ماں  
 نے کچھ آگرہ سے بھیج دیا، اب میں اور باغیچہ بڑھ رہا ہوں آگے آنے  
 کلکٹری کے سود پیہ رام پور کے، قرض دینے والا ایک میر مختار کار  
 وہ سود ماہ باہ لیا چاہے، مول میں قسط اس کو دینی پڑے، اقم کس خدا

چکیدارہ جہاں سو جہاں مول جی بی جہاں بیچے جہاں، شاگرد پیشہ جہاں،  
 آمد وہی ایک سو بائیس، تنگ آگیا، گزارہ مشکل ہو گیا، روز مرہ کا  
 کام بند رہنے لگا، سوچا کہ کیا کروں کہاں سے گنجائش نکالوں، قہر ڈریش  
 بھان درویش، صبح کی تبرید متردک، چاشت کا گوشت آدھا، رات  
 کی شراب دگلاب ہو تو، میں بائیس روپیہ مینا بچا، روز مرہ کا خرچ  
 چلایا، یاروں نے پوچھا، تبرید شراب کب تک نہ پیو گے؟ کہا گیا  
 کہ جب تک وہ نہ پائے، پوچھا کہ نہ پیو گے تو کس طرح جیو گے؟  
 جواب دیا کہ ہر طرح وہ چلائیں گے، بائیس مینا پورا نہیں گذرا تھا کہ  
 رام پور سے علاوہ دجہ مقرر اور روپیہ آگیا، فرض منقطع ادا ہو گیا،  
 متفرق رہا، خیر رہو، صبح کی تبرید رات کی شراب جاری ہو گئی گوشت  
 پورا آئے گا، چونکہ بھائی صاحب نے دجہ تو فنی اور بھالی پوچھی تھی  
 ان کو یہ عبارت پڑھا دینا.....

(۱۳) مرزا اپنی شہرت اور نام آوری کو مسلم جانتے ہیں :-  
 ”قسم شرعی کھا کر کہتا ہوں کہ ایک شخص ہے کہ اس کی عزت  
 و نام آوری مجھ ور کے نزدیک ثابت اور محقق ہے اور تم حضرات بھی جانتے ہو  
 مگر جب تک اس سے قطع نظر نہ کرو اور اس سحر کو گنہام اور دلیل سمجھ لو  
 تم کو چین نہ آئے گا۔ پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں، ہزار ہا خط  
 طائفہ و جوانب سے آتے ہیں بہت لوگ ایسے ہیں کہ محلہ نہیں سمجھتے نہایت  
 ایسے ہیں کہ محلہ صاف کا نام کچھ دیتے ہیں۔ لکھنا کے خطوط قاری

وانگریزی یہاں تک کہ ولایت کے آئے ہیں صرف شہر کا نام اور میرا  
 نام + یہ سب مراتب تم جانتے ہو اور ان خطوط کو تم دیکھ چکے ہو اور پھر  
 مجھ سے پوچھتے ہو کہ اپنا مسکن بتاؤ اگر میں تمہارے نزدیک امیر  
 نہیں، نہ سہی، اہل حسد میں سے بھی نہیں ہوں کہ جب تک محلہ  
 اور تمہارا نہ لکھا جائے ہر کارہ میرا پتہ نہ پائے، آپ صرف دہلی لکھ کر  
 میرا نام لکھ دیا کیجئے، خط کے پہونچنے کا میں ضامن .....  
 (بنام مرزا علاء الدین احمد خاں)

(۱۴) پنشن سے دربار اور خلعت کی برقراری مقدم سمجھتے ہیں :-  
 ”مجھے تو دربار و خلعت کے لئے پٹے ہیں تم کو پنشن کا نسخہ ہے  
 یہاں کے حاکم نے میرا نام فرد میں نہیں لکھا میں نے اسکا اپیل نوٹ لفٹسٹ  
 گورنر ہاؤس کے ہاں کیا ہے، دیکھئے کیا جواب آتا ہے .....  
 (بنام میر ہمدی مجروح)

(۱۵) اہل یورپ کے مذاق کے خلاف مرزا کے خطوط میں کھانے پینے  
 کی چیزوں اور زبان کے چٹاروں کا کہیں پتہ نہیں مگر شراب کو مستثنیٰ کر کے جسکا  
 ذکر اکثر خطوط میں ہے، مرزا کے ماکولات کا بھی کہیں کہیں ذکر ہے۔  
 ”شام کا کھانا بھی سویرے آتا ہے کئی طرح کے سالن، پلاؤ  
 مطبخ، پسندیدہ، دونوں وقت روٹیاں، خمیری چائیاں، مرٹے،  
 اچار، میں بھی خوش، لڑکے بھی خوش (یہ راپور کے کھانے کی تفصیل  
 ہے) ”یاں چاول بچے بڑھتے نہیں، لے نہیں، تیلے نہیں، اب زیادہ

قصہ کرد، پرانے اور پستے چاول آئیں ایکٹ وہیہ کے خرید کر کے  
 بھیج دو، یاد رہے نئے چاول قابل ہوتے ہیں اور پرانے چاول  
 قابل نہیں ہوتے یہ میرا تجربہ ہے..... (بنام حکیم علامہ خٹاں)  
 ”خصی بکروں کے گوشت کے قلیے دو پیالے، پلاؤ، کباب  
 جو کچھ تم کھا رہے ہو جھکو خدا کی قسم اگر اس کا خیال بھی آتا ہو۔“

خدا کرے بیکانیر کی مصری کا کوئی انکوائٹم کو میسر نہ آیا ہو کبھی یہ تصور  
 نہ کرتا ہوں کہ میر جان صاحب سی مصری کے ٹکڑے چاہتے ہیں گنگے تو  
 یہاں میں شک سے اپنا کلیجہ چاہنے لگتا ہوں.....

(بنام مرزا علاء الدین احمد خان)

”تاریخ نے مزہ دیا، خدا جانے وہ خسرے کس مزہ کے ہونے چکی  
 تاریخ ایسی ہے دیکھو صاحب قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید: تاریخ  
 دیکھی اسکی تعریف کی، خسرے کھائینگے اسکی تعریف کرینگے، کہیں  
 یہ نقائص خیال میں آئے کہ یہ جن طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد غریب  
 دوبارہ تکلیف دو ابھی رقعہ لیکر آیا ہے ابھی خسرے لیکر آئے لاول  
 دلاقۃ الالباشد العظیم۔ اگر بغرض مجال تم یوں ہی علی میں  
 لادگے اور میاں بن محمد کے اتھ خسرے بھجواؤ گے تو ہم بھی کہیں گے  
 تازہ شے بہتر بارہ سے بہتر (آخری دو فقروں میں نہیں خطی ملاحظہ  
 کے قابل ہے)..... (بنام میرا حمیدین میکش)

احمد عمر میں یہ غذا رہ گئی تھی :-

” اس جیسے یعنی جب کی آٹھویں تاریخ سے بہتر تو اس برس شروع ہوا، غذا صبح کو سات با دام کا شیرہ قند کے شربت کے ساتھ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا کاڑھا پانی، قریب شام بھی کبھی تین تلے ہوئے کباب، چھ گھڑی رات گئے پانچ روپیہ بھر شراب نہ ساز اور اس قدر عرق شیر.....“ (بنام منشی حبیب اللہ خان کا)

(۱۶) انگریزی زبان میں شعرا اردو کا تذکرہ :-

” وہ (ٹینگن صاحب) تذکرہ شعراء ہند کا انگریزی میں لکھتے ہیں مجھ سے بھی انہوں نے مدحی میں نے سات کتابیں بھائی ضیاء الدین خاں صاحب، مستعار لیکر ان کے پاس بھیجیں، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ جن شعرا کو تو ابھی طرح جانتا ہے، انکا حال لکھ بھیج، میں نے سولہ آدمی لکھ بھیجے بقید اسکے کہ اب زندہ موجود ہیں اور اس ادا کی صورت یہ ہے (۱) ذاب ضیاء الدین احمد خاں بہادر رئیس لوہارو ..... (۲) ذاب مصطفیٰ خان بہادر علاقہ دار جالگیر آباد ..... (۳) منشی ہرگوپال معز قانگو سکندر آباد کے کہ تفتہ تخلص کرتے ہیں اسد خاں غالب کے شاگرد ..... اصل یہ ہے کہ تذکرہ انگریزی زبان میں لکھا جاتا ہے اشعار ہندی اور فارسی کا ترجمہ شامل نہ کیا جائیگا صرف شاعر اداس کے ہٹاؤ کا نام اور شاعر کے مکں اور وطن کا نام منجملہ درج ہوگا ..... ۱۸۶۳ء

(بنام منشی ہرگوپال تفتہ)



(۷) تصویر کے متعلق - اپنی تصویر کے متعلق مرزا نے جن خطوط میں ذکر کیا ہے یا جس کو جس کو وہ تصویر بھیجی ہے ان کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے :-  
 ”میاں محمد فضل تصویر کھینچ رہے ہیں جلدی نہ کرو، دیر آید کشتہ

(یہ تصویر تلی معلوم ہوتی ہے) ..... (بنام میر ہمدی جرنل)

”بائے بصورت تصویر دونوں صاحبوں یعنی حکیم سید احمد حسن ہونڈی

اور نواب میرا ہماہم علی خاں دقا کی خدمت میں میرا سلام پہنچنا معلوم ہوا۔ اگرچہ اس صورت میں چلنا پھرنا خدمت بجا لانی نہیں ہو سکتی مگر حیرت کے پیش نظر حاضر رہوں گا۔۔۔۔۔“ (بنام حکیم سید محمد حسن دوی)  
 ”آج ۱۶ جون ۱۸۶۷ء بارہ بجے عنایت نامہ آیا، سہ نامہ

دیکھ کر سفیدہ صبح مراد بھجا، تنگ ایک چھوٹی سی خن کی ٹٹی کے پاس بیٹھا ہوا تھا، خط پڑھ کر وہ حال طاری ہوا کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو گریبان پھاڑ دیتا اگر جان عزیز نہ ہوتی تو سر پھوڑتا اور کیونکہ اس غم کی تاب لاتا کہ میں نے اپنے کو کھنچو اگر بصورت تصویر آپ کی خدمت میں بھیجا، لفافہ انگیزی اقبال نشان شہاب الدین خاں سے لکھو اگر بیرنگ مال کیا اس فرمان میں اس لفافہ کے رسید نہ پائی ظاہر اداک پر ڈاک گرے اور میرے پیچھے روح کے ٹکڑے اڑا دیئے۔۔۔۔۔“ (بنام شہزادہ شہر الدین)

”صاحب اس بڑھاپے میں تصویر کے پردہ میں کیا کھنچا کھنچا پھڑوں گشتہ نشین آدمی عکس کی تصویر اتارنے والے کہ کہاں ڈھونڈوں، دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے دربار میں پہنچی ہوئی ہے

اگر وہ ہاتھ آجائے گی تو وہ درق بھیج دوں گا.....  
(بنام میاں داد خاں سیاح)

”تصویر کا حال یہ ہے کہ ایک مہلک صاحب میرے دوست میرے چہرے کی تصویر  
اُتار کرنے گئے اُسکو تین مہینے ہوئے۔ آج تک بدن کا نقشہ کھینچنے کو  
نہیں آئے میں نے گوارا کیا آئینہ پر نقشہ اُتر دانا بھی۔ ایک دوست  
اس کام کو کرتے ہیں عید کے دن وہ آئے تھے میں نے ان سے کہا  
کہ بھائی میری شبیہ کھینچ دو وعدہ کیا تھا کہ کل تو نہیں پرسوں باب  
کھینچنے کا لیکر آؤں گا۔ یہ پانچواں مہینہ ہے آج تک نہیں آئے۔“ (ایضاً)

(۱۸) دیوان اردو کی خراب طباعت سے بیزاری، مرزا کا دیوان مطبع احمدی  
شاہدہ دلی میں جسکے مالک محمد حسین خاں اور مہتمم مرزا اموجان تھے پہلی مرتبہ چھپا۔  
قیمت چھ آنے، غالباً یہ دیوان بہت خراب چھپا ہو گا جس کی وجہ سے مرزا اس قدر  
ناراض و بیزار ہیں۔

”دیوان اردو چھپ چکا۔ ہاے لکھنؤ کے چھاپے خانے۔ جس کا  
دیوان چھپا اُسکو آسمان پر چڑھا دیا جس خط سے الفاظ کو چھکا دیا  
دلی پرادر اُسکے پانی پرادر اُسکے چھاپہ پر لنت۔ صاحب دیوان کو  
اُس طرح یاد کرنا جیسے کوئی کتے کو آواز دے.....“

(بنام میر ہمدی مجروح)

(۱۹) مرزا اپنے بے تکلف دوستوں سے ہمداد زمیں بے تکلف تھے۔  
”یہ تھا رادھا کو اگرچہ اور امور میں بایہ عالی نہیں رکھتا۔“

مگر احتیاج میں سکایا یہ بہت عالی ہے یعنی بہت محتاج ہے، تو  
 دوستوں میں میری پیاس نہیں بجھتی۔ تمھاری ہمت پر سو ہزار آفریں  
 جے پور سے اگر محکمہ دو ہزار ہاتھ آجاتے تو میرا فرض رفع ہو جاتا اور پھر  
 اگر دو چار برس کی اور زندگی ہوتی تو اتنا ہی فرض اور مل جاتا۔ یہ  
 پانسو تو بھائی تمھاری جان کی قسم شرفقات میں جا کر سو ڈیڑھ سو  
 بچ رہیں گے سو وہ میرے صدمہ میں آئیں گے اور وہ جو سو باوجود بچے  
 منگوائے گئے تھے وہ صرف رانگیزی سوداگر کے دینے تھے قیمت  
 اس چیز کی جو ہمارے مذہب میں حرام اور کھائے مشرب میں حلال ہے  
 سو وہ دیے گئے.....“ (بنام مرزا قفٹہ)

یہ پانسو روپیہ وصول ہو کر حسب ذیل طریقہ سے خرچ کئے گئے :-  
 ”ہنڈوی بارہ دن کی میعاد دی تھی چھ دن گزر گئے تھے چھ دن  
 باقی تھے بجکوسر کہاں مٹی کاٹ کر روپیہ لے لے فرض متفرق سب  
 ادا ہوا بہت بکدوش ہو گیا۔ آج میرے پاس سینتالیس روپیہ نقد  
 کس میں اور چار تول شراب اور تین شیشے گلاب کے توشہ خانہ میں  
 موجود ہیں اکھنڈ عسلہ احسانہ.....“ (الفیاء)

(۲۰) مرتع نگاری یعنی الفاظ کے ذریعہ سے سماں کھینچنا۔ مرزا کے خطوط میں  
 اکثر جگہ اس قسم کے سین ہیں جن میں کسی آدمی یا منظر یا موقع کی ہو بہو تصویر  
 کھینچی ہے۔ وفادار ماما :-

”بی دفا دار جن کو تم کچھ اور بھائی خوب جانتے ہیں اب تمھاری

پھوپھی نے اُن کو دفا دار بیگ بنادیا ہے، بانہر کھلتی ہیں۔ سودا تو کیا لائیں گی مگر خلیق اور منسا رہیں رستے چلوں سے باتیں کرتی پھرتی ہیں۔ جب وہ چلے گئیں گی ممکن نہیں کہ اطراف نہر کی سیر نہ کر نیگی ممکن نہیں کہ دروازہ کے سپاہیوں سے باتیں نہ کر نیگی ممکن نہیں کہ پھول نہ توڑیں اور بی بی کو جا کر نہ دکھائیں اور نہ کہیں کہ یہ پھول ”ٹہاے چچا کے بیٹے کی کائی کے ایں یعنی لٹھاے چچا کے بیٹے کی کیا ری کے ہیں.....“ (بنام مرزا علاء الدین جفلاں) جاڑے کی صبح :-

”صبح کا وقت ہے جاڑا خوب پڑ رہا ہے انگلیشی سامنے رکھی ہوئی ہے دد حوت کھتا ہوں ہاتھ تا پتا جاتا ہوں۔ آگ میں گرمی نہیں مگر ہاتھ آتش تیاں کہاں۔ کہ جب دد جڑے پی لئے فوراً رگ ٹپے میں دوڑ گئی۔ دل توانا ہو گیا۔ دماغ روشن ہو گیا۔ نفس ناطقہ کو تواجہ بہم پہونچا۔ ساتی کو تر کا بندہ اور تشنہ لب۔ ہاے غضب! غصہ غضب.....“ (بنام میر ہمدی خجروچ)

نواب کلب علی خاں مرحوم والی رامپور کی گدی نشینی کے موقع پر حکام انگریزی کا اجتماع اور دعوت اور نواب صاحب صوف کی تصویر الفاظ میں :-

”یہاں جیش کے وہ سامان ہو رہے ہیں کہ جشیہ اگر دیکھتا تو حیرت رہ جاتا، شہر سے دو کوس پر آفا پور نامی ایک پستی ہے۔ آٹھ دس دن سے وہاں خیاں ہر پاتھے۔ پریوں صاحب کشر بہادر بریلی مع چند

صاحبزادہ میوں کے آئے اور انہوں میں آئے کچھ کم تنو صاحب اور  
 میمن جمع ہوئے سب کا رامپور کے مہمان کل ششہ ۵ دسمبر حضور پر نور  
 بڑے محل سے آغا پور شریف لیگئے ۱۲ پر دو بجے گئے اور شام کو ۵ بجے  
 خلعت پہن کر آئے۔ وزیر علی خاں خاں خاں خاں خاں خاں خاں خاں خاں خاں  
 پھینکتا ہوا آتا تھا۔ دو کوس کے عرصہ میں دو گھنٹہ سے کم نہ تیار ہوا ہوگا  
 آج صاحبان عالی شان کی دعوت ہے پین اور شام کا کھانا ہمیں  
 کھائیں گے۔ روشنی آتش بازی کی وہ افراط کہ رات دن کا سامنا کر لگی  
 طوائف کا وہ ہجوم حکام کا وہ مجمع کاس مجلس کو طوائف الملوک  
 کہا جائیے ..... رئیس کی تصویر کھینچتا ہوں۔ قدر رنگ شکل  
 شامل عینہ بھائی ضیاء الدین خاں۔ عمر کا فرق اور کچھ کچھ چہرہ اور بحیہ  
 متفاوت۔ حلیم، جلیق، باذل، کریم، متواضع، متشرع، متودع،  
 متفرق، سیکڑوں شعرا، دانش کی طرف توجہ نہیں انظم لکھتے ہیں اور  
 خوب لکھتے ہیں جلالاے طباطبائی کی طرز برتتے ہیں۔ تنگفہ جبیں ایسے  
 کہ ان کے دیکھنے سے غم کو سول بھاگ جائے۔ فصیح البیان ایسے کہ ان کی  
 تقریر نیکر ایک اور نئی روح قالب میں آئے .....“  
 (ایضام مرزا علاء الدین احمد خان)

دل کی تباہی بے غدر :-

”ستتہ ہیں کہ نومبر میں ہمارا راجہ (الور) کو اختیار لے گا مگر وہ  
 اختیار لیا ہوگا جیسا کہ خدا نے خلق کو دیا ہے۔ سب کچھ اسبے



ہو گئی ہو۔ سوائے اناج اور اپنے کے کوئی چیز ایسی نہیں جس پر محصول لگا ہو  
جامع مسجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان نکلتے گا۔ حویلیاں  
ڈھائی جائیں گی۔ دارالبقا فنا ہو جائے گی، رہے ام اللہ کا خاندان  
کا کوہ شاہ بلا کے بڑے تک ڈھٹے گا۔ دونوں طرف پھاؤ ڈرہ چل جائے  
”لو جامع مسجد و انوار شہر ہو گئی چلی قبر کی طرف شہر ہدیوں پر  
کیا بیوں نے و کائنات بنالیں۔ انڈامری کبوتر بکنے لگا۔ درمی ہتھم  
ٹھہرے۔ مرزا آکشی بخش، مولوی صد الدین، فضل حسین خان، تین یہ  
سات اور ۱۷ نومبر ۱۲۱۲ ہجری الادل سال حال جمع کے دن ابو ظفر  
سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ در قید جسم سے رہا ہوئے، ایشا اللہ  
و انا اللہ یکہ اجمعون۔

”آبادی کا حکم عام لوگوں کو کمال لطف اور نرمی سے آبا کر تے  
جاتے ہیں اور ایک نقل ہندوہاں کے صاحب کشن بہادر غنٹے  
دیکھا کہ علی میں ہندو بھیسے رہے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہندو کو  
اور علاقوں پر بھیجا دیا۔ اور انکی جگہ مسلمانوں کو بھرتی کیا۔“

”حکمرانی کی وہ صورت ہے جو غدر سے پہلے تھی۔ اب یہاں ٹکٹ  
چھاپے گئے ہیں میں نے بھی دیکھے۔ ناری عبارت یہ ہے ”ٹکٹ آبادی  
در دن شہر دلی بشرط ادخال جرمانہ“ مقدار روپیہ کی حاکم کی رہے پرے  
آج پانچ ہزار ٹکٹ چھپ چکا ہے۔ کل تواریف تعطیل ہے۔ پریوں دوشنبہ  
سے دیکھئے یہ کاغذ کیونکر تقسیم ہوں۔“

مضمون بہت طویل ہے اور دھپپ ہے اور ہم جانتے ہیں کہ مرزا کے قعات  
پر حق بنی مرتبہ نگاہ ڈالی جائے گی اسی قدر ان کے عوامی اور دفاعی اور دھپ  
باتوں پر عبور ہوتا جائے گا، اور اس دریا سے ذخار سے برابر دریا ہوا رکھتے آئیے،  
اور طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ کے متعلق فرمایا تھا کہ

الْحَدِيثُ كَرِيهُنَ الْجَمَالِ لَيْسَ كَالْإِنِّ حَكِيمَةٍ

هَيَّوْا لِي سَلَكًا كَرِيهُنَ لِي تَصِيَّعُ

اُسی طرح مرزا غالب کے ذکر کا اعادہ و تکرار بھی مثل مناک کے ہمیشہ خوشبودیتے اور  
مشام جاں کو معطر کرتے رہیں گے۔ مگر نجوت طوالت اور اپنی عاجز بیانی کا اعتراف  
کرتے ہیں اور اس شعر کو پڑھتے ہیں کہ

دا ماں نگہ تنگ دگل حسن تو بسیار

گلچین بہار تو زدا ماں گلہ دارد

ہم اس مقدمہ کو ختم کرتے ہیں۔

خاکسار محمد عسکری عفی عنہ

لکھنؤ، مورخہ ۱۳ اگست ۱۹۱۹ء





# ادبی خطوط مرزا غالب

یعنی

ایسے خطوط جنہیں مرزا نے نکات ادبیہ جل کیے ہیں، اشعار کے معنی سمجھائے ہیں اور شعراء کے متعلق رائے زنی کی ہے،

نمبر

اپنا ذوق فارسی اور مسلک خلافت جمہور۔ شریح غلطی کر سکتے ہیں اور ان کے کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہیے۔ ”دیوانگری محبت تو“ ”الم کی تشریح۔ دیوانگی محبت“ اور ”دیوانگی و محبت“ میں فرق۔ ”تاہر حبیہ گفتی از تو مکر نہ شودے“ کی تشریح۔

اپنا ذوق فارسی اور  
مسلک خلافت جمہور  
چودھری صاحب شفیق مکرّم کی خدمت میں بعد ارسال سلام  
عرض کرتا ہوں کہ آپ نے ذرہ پروری اور درویش نوازی  
کی ورنہ میں سزاوارتائیش نہیں ہوں۔ ایک سپاہی زادہ چیچراں اور پھل فشرہ  
دروان فشرہ۔ ہاں ایک طبع موزوں اور فارسی زبان سے لگاؤ رکھتا ہوں اور  
یہ بھی یاد رہے کہ فارسی کی ترکیب الفاظ اور فارسی اشعار کے معنی کی پرداز میں  
میرا قول اکثر خلافت جمہور پائیے گا اور حق بجانب میرے ہوگا۔

شرح غلطی کر سکتے ہیں اور اس کے  
کلام کو وحی نہ سمجھنا چاہئے

پہلے میں حضرت سے پوچھتا ہوں کہ یہ صاحبِ حج شرعی  
لکھتے ہیں کیا یہ سب ایزدی سرکوشش ہیں اور ان کا  
کلام وحی ہے۔ اپنے قیاس سے معنی پیدا کرتے ہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ ہر جگہ ان کا  
قیاس غلط ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کوئی کہہ سکتا کہ جو کچھ یہ فرماتے ہیں وہ صحیح ہے اسی  
چھاپے میں کہ جس کا آپ حوالہ دیتے ہیں ”منکاً بئشتم عقل کل الخ“ اس شعر کی  
شرح کو ملاحظہ کیجئے عبارت وہ تعقید سے لبریز کہ مقصود شارح کا سمجھا بھی  
نہیں جاتا اور جب غور و تامل کے بعد سمجھ لیجئے تو وہ معنی ہرگز لائق اس کے  
نہیں ہیں کہ فکرِ سلیم اور سکو قبول کرے۔ پھر ”اسنان تو بشکافۃ الخ“ اس مصرع  
کی توجیہ کتنی بیزہ اور بے نفع ہے۔ عربی کو کہاں سے لاؤں جو اس سے  
پوچھوں کہ بھائی تو نے اس شعر کے کیا معنی رکھے ہیں۔

دیوانگرمی محبت و الخ  
کی تشریح

جیسا کہ دو سے شعر کے مفہوم کو شارح کہتا ہے کہ دیوانگی میں یہ حالت بعید نہیں  
ایسا ہی اگر کوئی کے منصبِ یوانی سے یہ بات پسید ہے تو پھر شارح کیا جواب  
دیگا۔ ہاں یہ کیسا کہ غلبہ محبت میں پاس وضع نہ رہا اور دیوان جی صاحبِ کبریٰ  
سے ننگے سر اور ننگے پاؤں نکل بھاگے۔ ہم نے مانا مگر ہم پر پوچھتے ہیں کہ ”دیوانگی“

لے ان شمار کی تشریح خط نمبر ۲ میں کی گئی ہے لے عربی تصدیق و تعین

کیون نہ لکھیں کہ دوسرے شعر کے معنی نہ تکلف منطبق ہو جائیں اور توجہات درمیان نہ آئیں۔

دیوانگی محبت اور فقیر کے نزدیک "دیوانگی محبت" تو صحیح اور بے تکلف ہے اور "دیوانگی محبت میں فزق" "دیوانگی و محبت" غلط محض اور "دیوانگی محبت" تو تکلف محض۔

دیوانگی اور محبت دو حقیقتیں کیون جمع کر سیں۔ غور کیجئے عطف واویہ چاہتا ہے کہ یہ شخص پہلے سے دیوانہ تھا اور پھر اُنکی حالت میں اُس کو محبت پیدا ہوئی۔

دیوانگی میں تاج و کفش بجا تھی محبت پیدا ہونے کے بعد یہ حالت طاری ہوئی۔

کیا بے مزہ توجیہ ہے۔ ہاں "دیوانگی محبت" یعنی وہ جنون جو فطر محبت میں بہم پہونچا اُسے اس احوال کو پہونچایا۔ فقیر "دیوانگی محبت" کہیگا اور "دیوانگی و محبت" کہنے کو منع کرے گا اور "دیوانگی محبت" کہنے کو نہ مانع اُسے گا نہ تسلیم کرے گا۔ زیادہ

اس سے کیا عرض کروں۔ یاد آدری اور گر گسری کا شکر بجا لاتا ہوں اور بس۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت پیر و مرشد صاحب عالم صاحب

کی طرف ہے۔ اپنے مخدوم و مطلق حضرت صاحب کیندرت میں بندگی

عرض کرتا ہوں اور حیران ہوں کہ اور کیا کہوں۔۔۔۔۔

تاہر چہ گفتی از تو کر ع تاجر چہ گفتی از تو کر شنودنے "شدے" کی رعایت ہے کہ

شنودنے کی تشریح وہ بیاسے بھول ہے معنی "میشد" اکثر صاحب گفتی کو بھی

بیاسے بھول پڑتے ہیں تاکہ "میگفت" کے معنی پیدا ہوں۔ اس صورت میں

خطاب سے بطرف غیبت کے رجوع کرتے ہیں اور "گفتی" بیائے معروف کہ صیغہ واحد حاضر ہے ازمنہ میں سے شمار زمانہ ماضی رکھتا ہے اور "شدن" "نشود" یہ سب تقبال کے مقضی ہیں اور معروف "گفتی" ماضی ہے پس اگر "گفتی" بیائے معروف کیے تو اوپر کے مصرعہ میں "بدی" کہنا ہوگا۔ بودی کا مخفف۔ خلاصہ یہ کہ اگر وہاں "بدی" کیے تو یہاں "گفتی" بیائے معروف بے تکلف درست اور بیائے مہول غلط ہے اور اگر وہاں "شدے" کیے تو یہاں "گفتے" بیائے مہول کیے۔ غیبت اور خطاب کا تفرقہ مٹا دیجئے۔ "گفتے" بیائے مہول میں خطاب حاضر مقرر رہتا ہے۔ اور تو کا لفظ جو قریب ہے وہ اس معنی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ نظائر اسکے فارسی میں بہت ہیں۔ رباعی کے باب کی پریش ہرگز نہ رہے۔ نہیں کہی زیادہ حد ادب (بنام چودھری عبدالغفور سرسور)

## نمبر ۲

تکمل فارسی کے واسطے مناسبت طبعیت اور تنج اہل زبان ضروری ہے۔  
 تشریح سے منکر بستم عقل کل را ناوک ادا از ادب و مرغ اوصاف تو از ایج بیان انداختہ  
 تشریح سے انعام تو برد و ختم چشم دہن آزد احسان تو بشت گافتہ ہر قطرہ ایم را  
 تشریح سے ناموس نگہ و ہستی از جو و گیتی و جز پر دگیان حرم معدن دیم را  
 - وقت است کہ این قوم ہر کچھ یا زار و پرستند ہم فشار رسوائی ہم را

رباعی کی حقیقت۔ رباعی خاقانی ذوقائیتین۔ رباعی غالب۔ اقسام نثر۔

رقعہ غالب در نثر مزج (پلینک درس)

تکمیل فارسی کے لیے مناسب طبعیت بندہ پروردہ ربانی نامہ آیا سر پر رکھا آنکھوں سے اور تنج اہل زبان ضروری ہے۔ لگایا۔ فارسی کی تکمیل کے واسطے اصل الاصل

مناسب طبعیت کی ہے۔ پھر تنج کلام اہل زبان لیکن نہ اشعار قلیل و واقف و شعرائے ہندوستان کہ یہ اشعار سوائے اسکے کہ ان کو موزونی طبع کا نتیجہ کیسے اول کسی تعریف کے شایاں نہیں ہیں۔ نہ ترکیب فارسی نہ معنی نازک۔ ہاں الفاظ فرسودہ عامیانہ جو اطفال و بستاں جانتے ہیں اور جو متصدی نثر میں درج کرتے ہیں وہ الفاظ فارسی یہ لوگ نظم میں خرچ کرتے ہیں۔ جب رودکی و عنصری و خاقانی و رشید و طوطا اور ان کے مہشال و نظائر کا کلام بالا سیماب کھیا جائے اور ان کی ترکیبوں سے آشنائی بہم پہنچے اور ذہن اعمو جاج کی طرٹ لیجائے تب آدمی جانتا ہے کہ ہاں فارسی یہ ہے۔

منکہ بستم عقل کل را نادک انداز ادب ”منکہ بستم“ اس کی جو شرح چھاپہ میں لکھی ہے رخ اوصاف و از اوج بیاں انداختہ ”اوسکو ملاحظہ کیجئے اور معنی میرے خاطر نشان کیجئے تو میں سلام کروں۔ پہلے نظر یہاں لڑنی چاہیے کہ ”از اوج بیان انداختہ“ کا فاعل کون ہے اور مفعول کون ہے۔ اگر ”عقل کل“ کو انداختہ کا مفعول اور ”منکہ“ کے کاف کو کلامیہ ٹھہراؤ گے تو بے شبہ ”انداختہ“ کے فاعل دو ٹھہرنگے

ایک ”ناوک انداز ادب“ اور ایک ”مرغ اوصاف تو“۔ ایک فعل اور دو فاعل یہ کیا طریق اور کیسی تحقیق ہے۔ اب فقیر کے معنی ”میں“ ”اندر اختہ“ کا مفعول ”را“ ”مقدر“ ”منک“ کا کاف تو صیغی ”ناوک انداز ادب“۔ ادب آموز یعنی استاد ”مرغ اوصاف تو“ فاعل مجھ کو کہ عقل کل کا استاد ہوں تیرے ”مرغ“ توصیف نے اوج بیان سے گرا دیا۔ عقل کل تک کہ وہ علویوں میں اعلیٰ ہے اُسکا ناوک پہنچ سکتا، مگر مرغ اوصاف اس مقام پر ہے کہ جہاں اس ناوک انداز کو ناوک پہنچانے کی گنجائش نہیں۔ اوج بیان سے گرا نا عاجز آنا ہے قدرت وہ کہ عقل کل سے بھی زیادہ اور عجیب کہ اوج بیان سے گر گیا۔ اچھا مبالغہ ہے مرغ اوصاف کی بلندی کا۔ اور کیا خوب مضمون ہے اظہارِ عجز اور جو دعویٰ قدرت کا۔

انعام تو بردوختم چشم دہن آرز  
انسان تو بشکافتہ ہر قطرہ کمر را  
پس مصر کے تو معنی دہی ہیں جو چھاپے میں لکے  
پس مصر کے تو معنی دہی ہیں جو چھاپے میں لکے  
ہیں مصر ثانی کی شرح میں گمراہ ہو گیا ”احسان تو ہر قطرہ دریا بشکافتہ تا ہم بقید حساب نیامد“۔ یہ سچا ان اس معنی کے معنی نہیں سمجھا۔ یہ بھی بات ہے مگر خیال میں جب آئیگی کہ اساتذہ کے مسلمات معلوم ہوں۔ کمال ایشار و عطایں مروارید

دیا قوت اور بحسب معدن کی کم حقیقتی آتی ہے لعل و در کا معدوم ہو جانا  
اور بحسب کان کا خالی رہ جانا نئی نئی طرح سے باندھا ہے۔ چنانچہ میں نے  
کسی زمانے میں اسی زمین میں ایک قصیدہ لکھ کر وزیر الدولہ والی ٹونک  
کو بھیجا تھا۔ اُس میں کے دو شعر آپ کو لکھتا ہوں۔

ناموس نگہ داشتی از جو دگیتی	ناموس نگہ داشتی از جو دگیتی
جز پر دگیان حرم معدن دیم را	جز پر دگیان حرم معدن دیم را
ایست که این قوم ہر کو چہ بازار	ایست کہ این قوم ہر کو چہ بازار
پرند ہم فشار رسوائی ہم را	پرند ہم فشار رسوائی ہم را

ایستار سے کو چہ بازار میں خاک آلود پڑے ہوئے ہیں۔ وہ  
باہم دگر در دستہ یہ گفتگو کرتے ہیں کہ اس شخص نے سب کی  
حرمیں رکھ لیں اور سب کی آبرو میں بچائیں ہم کو اس قدر بیحرمت  
اور ذلیل کیوں رکھا ہے۔ قطرہ دریا کا حساب کے واسطے چیرا بننا  
ہے مقبولہ عرفی کا یہ ہے کہ جتنے موتی دریا میں ہاتھ آئے انچہ بندھے  
اور خشک کاغذوں باقی رہا۔ چونکہ قطرہ میں بالقوہ استمداد موتی  
ہو جاتا ہے تو اس احتمال سے ہر قطرہ دریا کو چیر ڈالنا لگ کر موتی ہاتھ

لہ قصیدہ غالب در مرچ وزیر الدولہ والی ٹونک



آویں تو وہ سالکوں کو دیئے جاویں۔ پہلے مصرعہ میں حرص کا سیر کر دینا موافق  
مسلمات شعر متنع۔ اور اس کا مرفوع میں آنا انفاق۔ دوسرے مصرعہ میں  
باحتمال استعداد بالقوة قطرہ کو چیر ڈالنا اور پھر اس طرح کہ ہر قطرہ کو۔ یہ انفاق  
سے گذر کر تبلیغ و فلو ہے۔

یہاں سے خطاب حضرت صاحب عالم کی طرف ہے۔ مخدوم کرم و مطاع  
معظم قبلہ دیدہ و دل کہ جویسے اور اپنے ملنے کو از قسم فرض محال نہیں مانتے  
ہیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو جیسا وہ جانتے ہیں۔ تقصیر معاف ہو اگر دنیا میں  
ظہور ہر کام کا بحسب مساعداً باب ہے تو اس تمنا کا حصول امتداد عاۃً ثبات ہے  
سلہ مختصر یہ کہ شایع کے معنی کے مطابق تواحسان نے دریا کے قطر و نکو سوا سطر چیرا کہ وہ  
بذل و عطا کے حساب میں پورے پڑ جائیں۔ مگر مرزا صاحب کے معنی نہایت شاعرانہ اور لطیف  
ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قطرے چیرنے کی غرض یہ تھی کہ اون میں استعداد موتی بننے کی دریافت کی جا  
اگر ان میں ایسی استعداد پائی تو وہ سب موتی نہاں میں دیدیئے۔

دان فناء الوری فی الجش والفصل

فان الد ربع القطر فی الاصل

یہ شعر علامہ عبد اللیل بگرامی کا مرزا کے خیال اور معانی کی تصدیق کرتا ہے۔ علی بن القیاس متنبی کا شعر

دان تفق الانام وانت فہم فان السک بعض دم الغزال

بھی انہیں موافق کاموید ہے۔

کوئی وجہ نہیں پایا آپ کے یہاں تشریف لانے کی اور کوئی صورت نظر نہیں آتی میرے وہاں آئیگی۔ اگرچہ حیران کن سے باہر نہیں مگر وقوع میں شامل ہے اب جو بہائی منشی نبی بخش صاحب کو خط لکھو گا تو آپ کا سلام ضرور لکھ دے گا۔ آپ نے احباب ابعاض کی خیر و عافیت عموماً لکھی بتخصیص حضرت شاہ عالم صاحب کا سلام نہ لکھا کیا وہ وہاں نہیں ہیں اور اگر کہیں ہیں تو ان کا حال چھو لکھئے اور اگر وہاں ہیں تو میرا سلام اون کو کہئے۔

**رباعی کی حقیقت** رباعی کے باب میں بیان مختصر یہ ہے کہ اس کا ایک وزن معین ہے۔ عرب میں دستور تھا سوائے بحر کے۔ یہ بحر ہزج میں سے نکالا ہے "مفعول مفاعیلن فعلن" ہزج مسدس آخر ب مقبوض مقصود۔ اس وزن پر فعل "بڑھا دیا ہے" مفعول مفاعیلن فعلن۔ زحافات اس میں بعض کے نزدیک اٹھا اور بعض کے نزدیک چوبیس ہیں اور وہ حسب الزور اور روا ہیں اور اس بحر کا نام بحر رباعی ہے۔ رباعی سچ ہے کہ سوائے اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور یہ مطلع اور حسن مطلع کو رباعی کہتے ہیں اس راہ سے کہ چار مصرعے ہیں کہو ورنہ رباعی نہیں ہے فقط ہم مسئلہ کو بیشتر اس کا التزام تھا کہ ہر مصرعے کا قافیہ رکھتے تھے۔

**رباعی خاقانی ذوقائیتین** خاقانی برعایت صنعت ذوقائیتین کہتا ہے رباعی  
من بودم آن نگار و محانی رد      فگندہ دران و دلہن چو گانی گوئے

خلقہ بدرایتادہ خاقانی چوے من درجہ وصال سجانی گوے

اپنی رباعی میں پانچ سات برس سے بہرا ہو گیا ہوں ایک باعی چار قافیہ کی اس مضمون خاص کی میں لکھی ہوئے رعایت صنعت و قافیتیں باعی دارم دل شاد و دیہ بنیائے بد و زکریا گو شرم بود پر دلے پن خوبست کہ نشووم نہ خود دلے پگلبانگ انار بکم الاعلاے فقیر اس باب میں متعصبیے اور وزن کی دوبیت میں قافیہ والی کو رباعی نہ کہیگا۔

۱) نثر عاری نہ قافیہ نہ وزن (۲) نثر مسجع قافیہ موجود وزن مفقود۔ مگر اس میں تسجیع کی رعایت ضرور ہے یعنی فقرہ میں کے الفاظ مثل اور ملایم ہمہ گیر ہوں اور اگر یہ بات نہ ہوگی اور صرف قافیہ ہوگا تو اسکو مقفے کہیں گے نہ مسجع (۳) نثر مزج وہ ہے کہ وزن ہو اور قافیہ نہ ہو۔ جب آپ لہ قلیل کے گڑھے ہوئے فقرے دیکھ چکے ہیں تو محکوفہ تراشی کی تکلیف کیوں دیتے ہیں زمانہ گزشتہ میں بھائی ضیاء الدین خان صاحب نیز تخلص ایک مختصر سادیوان حضرت نظامی کا جھکود دکھلانے لائے تھے اُس میں نثر مزج تھی میں اُس دن نواب مصطفیٰ خاں حسرتی کو خط لکھا چاہتا تھا اسی وضع پر خط لکھا اور وہ خط پہنچ آہنگ میں ہو گیا میں نے اس طرز میں مقتضائے شوخی طبع یہ بات کی ہو کہ ایک جگہ جو فقرے مقفی ہو گئے ہیں اور وہ لفظ جھکود پڑے ہیں میں نے اسکو یوں ہی رہنے دیا ہو۔ اسکو دستور میں تصور نہ کیجئے گا وہ رقعہ یہ ہے۔

۱) ایسے صحاب کے لیے جو جزا غالب کے کلام کے عاشق و ضرور ہیں مگر دقیقہ نوٹ صفحہ آئینہ پر

رقعہ غالب در شتر  
مرجزر بلینک درں

ہاں خواجہ بے پردا! من بندہ کہ غمناکم، دوز غصہ جگر  
چاکم، خواہم سننے گفتن، آن روز کہ می رفتند، آن متا  
فرستادند، کہ دیدن آں خوں شد، دل تا جگر از اندہ، گفتم  
چہ کنم غالب، چوں کار دگر گوں شد، میبایم اینک رفت،  
تا عذر سخن خواہم، چون گرد و غبار بے بود، رفتن نتوانستم،

اُن کی بولی نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں اس خط کا مضمون صاف اور  
عام فہم اور دین لکھا جاتا ہو تاکہ ہر شخص اسکو سمجھ لے اور یہ دیکھے کہ مرزا ممبئی معمولی باتوں کو کس  
شاعرانہ انداز سے اور کیسے دلچسپ پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ خط ذواب مصطفیٰ خان شیفتہ کے  
نام ہے جن سے مرزا صاحب کو کمال محبت اور خلوص تھا اور انکو بھی مرزا صاحب سے حد درجہ کی  
عقیدت اور محبت تھی۔ مرزا کو ذواب صاحب سے اُن کی بے پردائی کی سخت شکایت ہو اسی وجہ  
سے خط میں انکو ”خواجہ بے پردا“ کے القاب سے یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:-

”جبکو نہایت افسوس اور رنج ہے اور اسی رنج میں میں آپ کو یہ خط لکھ رہا ہوں جس  
دن آپ جاتے تھے اور وہ رقعہ بھیجا تھا تو اسکو پڑھ کر مجھے بے حد افسوس ہوا۔ میں دل میں چوا  
کہ اب کیا کروں؟ کام بگڑ گیا جبکو اسی وقت جا کر معذرت کرنا چاہیے۔ جانے کو بالکل تیار تھا  
مگر شدت گرد و غبار کی وجہ سے نہ جا سکا۔ پھر شام ہو گئی اور بالکل اندھیرا ہو گیا۔ میں اُسی رنج و  
غم میں پڑا مگر سوتا کیا خاک غمزدوں کو کہیں نیند آتی ہو۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی اور  
آفتاب نکل آیا۔ اور میں نے اُسی کربت بھینپی میں دلکا را زبان پر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اُس روز بشارت آمد، لابلکہ سیر تر شد، سرماندہ بہالیں بڑچوں  
 غمزدگان ختم، ہے ہے چہ تو اندھخت، اُس خستہ کہ غمخوارش، بزرخم  
 نمک ریز دوز دیدہ بیدارش، شور آہ برداں باشد،  
 چوں از افق شرقی، نور شیدہ خستہ، ناگاہ سرے بزد، آتش  
 بہاں در زد، مرغ سحری پر زد، رفتیم بگرگاہی، واں راز نہانی  
 را، از دل برباں دادم، در صورت تنہائی، بے پردہ چہ ہزاراں  
 نے آمد و ہدم شد، چنداں کہ دم اندر نے، از ہمدید من،  
 چوں من نبوا آئند زان نالہ کہ برب بود، از باطن نے سر زد، اُس  
 دم کہ نفس بانے، ازیں گونہ کش کش کرد، ایک کاغذ نوشتہ،  
 بدست بدستم در، چوں نالہ نمودے دہشت، زان شعلہ کہ دو  
 دہشت بصفحہ نشانہا ماند، گفتم مگر ایں صفحہ، غمنامہ راز است،

لانا چاہا ناگاہ اُسی عالم تنہائی سے ایک صورت مثل نے کے پیدا ہوئی اور میری ٹونٹیں غمخوار  
 بنی۔ میں نے چاہا کہ اپنے نالوں کا انہار اُس کی آواز سے کروں مگر اُسکی آواز بھی میرے نالوں کی  
 طرح درد انگیز تھی۔ جس وقت کہ میری سانس میں اور نے میں کن کش جلدی تھی، میں نے ایک سادہ  
 کاغذ اٹھایا اور جو وہاں کہ میرے دل سے ہوتی اُٹھ رہا تھا وہ نقوش کی صورت میں کاغذ  
 پر جسم گیا اور ایک تحریر کی صورت اُس نے اختیار کر لی۔ اُس کاغذ کو جو میرا دلی راز اور نیرولی نیاز  
 تھا۔ میں نے خط سبھی موڑا اور فوراً اُس کو لٹاف میں بند کر کے اور بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پس

فہرست نیازا ستے، باید کہ فرد چسپم وانکہ بہ نشانندی، زہی  
خواجہ رواں سازم، کوتاہ کنم گفتن، اکں نامہ کہ من گفتم، حجاب  
دروالا، بردند و رواں کردند،

چہنچہ در اندیشہ پیایست کہ خوش باشد با خواجگی استغنا  
با ایں ہمہ خوش بود، پویشش نہ پذیرفتن،

امروز بحر گاہاں، روشن گہراں نیز، کش بوج رواں دانم، بل شتر  
اذاں دانم، دیوان نظامی را، آورد بسوئے من، ازین گوئے  
نواہا بود و پرده گفتارش، کرد ذوق بہ ہنجارش، ایں زمزمہ

سرکردم، والا گہراں، خوانند سلام از من (بنام چودھری عبدالغفور دہلوی)

### نمبر ۳

”ہستند“ کیونکہ شروع ہوئی۔ ”من اس دریاے آشوبم کہ از تاثیر خاست“ کی شرح  
بندہ پرور۔ آپ کا تھقہ نامہ حررہ پندرہ نومبر آج پنجشنبہ سکے دن

تیرہ لکھے آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ہر چند کہ جانتا ہوں کہ آپ کی شان شایاں بے پروائی  
و استغنا ہے مگر بچہ بھی کسی کا عذر نہ قبول کرنا اچھی چیز نہیں ہے۔ آج میرے عزیز و حبیب ابھی ابھی  
خان تیر آئے تھے اور دیوان نظامی مجھے دکھانے لائے تھے اُس میں ایک ایسی دلکش چیز نظر پڑی کہ  
اُسی طرز پر یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔ اگر خاں صاحب کو میرا سلام پہنچے۔“

اٹھارہ نومبر کو یہاں پہونچا۔ مارہرہ کا خط دلی چوتھے دن آیا۔ ہر دلی کا خط ماہرہ  
دیر میں کیوں پہونچتا ہے۔ لو تمہاری خوشی اب کی پہ خط بزرگت بھیجتا ہوں۔ مگر  
تھکوکھٹلا دیکھئے گا کہ کس دن پہونچا۔

”دستبنو کیونکر شروع ہوئی“ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء کو یہاں فساد شروع ہوا میں نے اُسی  
دن گھر کا دروازہ بند اور آنا جانا موقوف کر دیا۔ بے شغل زندگی بسر نہیں ہوتی۔  
اپنی سرگزشت لکھنا شروع کی۔ جو سن گیا وہ بھی ضمیمہ سرگزشت کرتا گیا۔ مگر  
بطریق لزوم مالا لایزم اسکا التزام کیا ہے کہ زبان فارسی قدیم جو دساتیر کی زبا  
ہے اُس میں یہ نسخہ لکھا جائے اور سولے ہمارے کہ وہ نہیں برے جاتے کوئی  
لغت عربی اس میں نہ آئے چنانچہ ایک نسخہ آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں مگر  
یہ نذر ہے جناب قبلہ و کعبہ حضرت صاحب الم صاحب کی، اور چونکہ وہ آپ کے  
بزرگ ہیں حواث نہ کر سکا کہ آپ کی تذکروں اور سیر میں او کو مشترک رکھوں  
نذر اون کی ہو اور فیضیابی آپ کی مطالعے سے مہیات یکتاب اساتذہ کے  
کلام کو کیا بگاڑ دیتے ہیں گویا نسخ کر دیتے ہیں۔ اُنے بعید نہیں لیکن تم سے اور  
حضرت صاحب سے بعید ہے کہ سہو کا ترک نہ سمجھ لیا۔

من آں دریائے آشوب کہ از تاثیر خاصیت ۱۲ دوکان کا علی التواتر آمد و سری بات ہے۔

منہ عرفی کے ایک قصیدہ تغذیہ از تالیف اس شعر ہے من آں دریائے آشوب کہ از تاثیر خاصیت ہے کہ تکلیف است  
موج الزلزلہ آرام است طوفان ش۔ یہ قصیدہ خاقانی کے اس قصیدہ کے جواب میں ہے جس کا  
مطلع ہے دل من پر خیمہ است و من طفل زبان دانش الخ

”دریائے آشوب“ کیا کمال باہر لفظ ہے۔ استعارہ بالکنایہ صحیح مگر یہ محل نہیں ہے۔ یہاں تو دریا چاہئے بے ثابۃ استعارہ و کنایہ عیاناً باللہ عرفی اگر ایک بڑا قحج بھنگ کا یا ایک بوتل شراب کی پیئے ہوئے ہوتا تو بھی یوں نہ لکھتا۔ اُس غریب کا مصرعہ یوں ہے س من اک دریا پُر آشوب ہم کہ از تاثیر خاصیت ”دریا“ موصوف ”پُر آشوب“ صفت۔ دوسرے مصرعہ کا کاف صفت کی تفسیر

(بنام چودھری عبدالغفور سرور)

## نمبر ۴

قتل کی نسبت لئے۔ ”کدہ“ کی ترکیب دیگر الفاظ کے ساتھ۔ شرموز (اور

شرقیہ کا فرق۔ نظامی اور ظہوری کی نثر کے اولان۔ اقسام شرموز

اور رقص کا فرق۔ ”حاشا“ اور ”حاش بند“ اس کی نسبت عیش کی لئے

”ہمسلم“ کے اعتراض کا جواب۔ ”انتظار“ اور ”انتظاری“

اب خطاب جناب حضرت عالم صاحب کی طرف ہے پیرو مشد قلم کا کام زبان سے لینا یعنی تحریر کے مطالب کو پڑھنا اور پڑھادینا آسان ہے اور زبان کا کام سلم سے لینا دشوار ہے۔ یعنی جو کچھ کہا چاہیے اس کو کیونکر لکھا چاہئے۔ وہ بات کہاں کہ کچھ میں نے عرض کیا کچھ آپ نے فرمایا دو چار باتوں میں جھگڑے نے انجام پایا۔ خیر دولت ہر بانی کہاں میرے آپ کے حکم بحالانے کو اپنا شرف جانتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ نظامی اب ایسا ہو کہ جب تک فرمایا کہ کھڑی یوانی سنگھ تم



**قتیل** متخلص بہ قتیل جس کو حضرت نے مرحوم لکھا ہے اسکی تصدیق نہ کرے تب تک اسکا کلام قابل استناد نہ ہو۔ قتیل اساتذہ سلف کے کلام سے قطعاً استثناء ہی نہیں اس کے علم فارسی کا ماخذ ان لوگوں کی تقریر ہے جو کہ نواب سعادتی علیا کے وقت میں مالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے اور ہنگامہ آرا ہوئے بیشتر سادہ و شیریں یا کابی و قندہاری و کمرانی احیاناً کوئی ماسماہل ایران میں سے بھی کوئی ہو مانا کہ عظمائے ایران سے بھی کوئی ہوگا۔ تقریر اور ہے تحریر اور ہے۔ اگر تقریر بعینہ تحریر میں آیا کرے تو خواجہ بقر اط اور شرف الدین علی نیردی اور ملا حسین واعظ کاشفی اور ملا ہر وحید یہ سب نثر میں کیوں خون جگر کھایا کرتے۔ وہ سب اس طرح کی نثر میں جولاہ دیوانی سنگہ قلیل متوفی نے تقلید اہل ایران لکھی ہیں نہ رقم فرمایا کرتے۔

”کدہ“ کی ترکیب گرامر افاد کیا تھ **تخص مدعی** ہے کہ ”کدہ“ کا لفظ سوائے پانچ چار اسکے اور اسکے ساتھ ترکیب نہیں پاتا۔ پس ”آر و کدہ“ اور ”دیو کدہ“ اور ”نیک کدہ“ اور مثال اسکے جو ہزار جگہ اہل زبان کے کلام میں آیا ہے وہ نادر ہے۔ میں اور آپ بیٹھیں اور اسکے خرافات پڑھے جائیں اور جو میں عرض کروں اوپر حضرت غور فرمائیں تب معلوم ہو کہ یہ کتنا لغو اور فارسی والی نہ سے کتنا بیگانہ ہے۔

نثر مرزاوند نثر عشق **آدم پر سر مدعا**۔ نثر مرزا اسکو کہتے ہیں کہ وزن ہو اور قافیہ ہو

مقابل مقفی کے کہ قافیہ ہو اور وزن نہ ہو اور یہاں یہ بھی سمجھا چاہیے کہ وزن میں قید

نظامی اور ظہوری کی نشر کے اذران منظور نہیں مثلاً حضرت نظامی علیہ الرحمۃ کی

نشر کا وزن یہ ہے مفعول مفاعیلین مفعول مفاعیلین۔ حضرت ظہوری علیہ الرحمۃ

فرماتے ہیں، تشریش سروبن گلشن نستج پنجش ماہی دریائے ظفر۔ یہ نشر مزج

ہے وزن اس کا فعلاتن فعلاتن فعلن، کاتبوں نے مقفے کر نیسکے واسطے

صورت بدل دی ہے اور کچھ تصدیرت کیسا ہے کہ

نشر مزج سندر ہی نہ مقفے۔ چنانچہ اساتذہ فن ”لن تالوا لہر

حشی تنفقوا“ اس آیت سراسر ہایت انز کو نشر مزج کہتے ہیں اور اس کا وزن یہ ہے

فعلاتن فعلاتن فاعلن ”دیر زق من حیث لا یحسب“ اس کا وزن فعلون

فعلون فعلون فعلون۔

اقسام نشر بندہ کی تحقیقات یہی ہے کہ نشر تین قسم ہے مقفے قافیہ ہے اور وزن

نہیں۔ مزج وزن ہے اور قافیہ نہیں۔ عاری نہ وزن ہے نہ قافیہ۔ مسجع ہی

مقفی ہے کہ دونوں فقروں میں العناظ ملائم اور مناسبت ہو۔

مسجع اور مسجع کافرن نظم میں صنعت آپڑے تو اس کو مسجع کہتے ہیں اور نشر اس

پر مشتمل ہو تو اس کو مسجع کہتے ہیں۔ اس قاعدہ کو نہ عبدالرزاق بدل سکتا ہو

نہ صاحب ”قزیم ہفتگانہ“ نہ یہ قطرہ ہی بے سرو پا۔

عاش اور عاش نشد ”عاشا و عاش نشد“ کلام اہل عرب میں اس طرح ہے

جس طرح آپ فرماتے ہیں مگر پارسیوں نے ازراہ تصرف کے بمعنی "زہار" قرار دیا ہے یعنی تاکید۔ اگر منفی پر آئے تو نفی کی تاکید اور مثبت پر آئے تو اثبات کی تاکید۔ میں کسی کلمہ کا استعمال نہیں کرتا جب تک اہل زبان کے کلام میں نہیں دیکھتا۔

اسکی نسبت عیشی کی ہے عیشی بیچارہ اسکے لائق نہیں کہ مستند علیہ پڑے مگر یہ لفظ غلط نہیں لکھا ہے اُس غریب نے حضرت قبلہ فارسیوں کے تصرفات اگر دیکھے تو حیران رہ جائیے۔ تجکو اسوقت کہاں یاد ہے اور کتاب کے نام تو کوئی ورق بھی لکھا ہوا میرے پاس نہیں۔ "حاشا" کا کوئی شعر تو کہ نفی اگر یاد آجائے گا تو آپ کو لکھا جائے گا۔ ہر زہر مشابہ ہے جادہ شناسا برادر! ایک در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت

یہ فتویٰ جس میں یہ مصرعہ ع حاش شد کہ بدنی گویم کلکتہ میں میں نے لکھی ہے۔ پانچنزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراض چھپر کیے تھے اُس میں سے "ہم عالم" کے اعتراض کا جواب ایک اعتراض یہ تھا کہ "ہم عالم" غلط ہے یعنی "ہم" کا لفظ "عالم" کے ساتھ ربط نہیں پاسکتا۔ قیلیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حاشا لفظ کتاب ہے ع ہم عالم گواہ عصمت اور سعدی کہتا ہے ع عاشقم بر ع عالم کہ ع عالم از دست غرض اس خبر سے یہ ہے کہ فتویٰ ہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کریمین بکرامی اور مولوی عبدالصمد درام پوری اور مولوی نعمت علی

عظیم آبادی اور اُن کے امثال اور نظائر کے پانچ بھی گئی۔ اگر یہ لوگ جبکہ پاتے تو میری کھال اُدھیر ڈالتے۔ اب ایک نسخہ ہے ”ابطال ضرورت“ اگرچہ صاحب اُسکا ہندی ہے بلکہ ہندو ہے مگر قابل اچھا ہے۔ دیکھئے اساتذہ کیا کیا تصرفات نمایاں کر گئے ہیں۔

”انتظار“ اور ”انتظاری“ میں نے آج تک اردو میں ”انتظاری“ بجئے ”انتظار“ نہ آپ لکھنا نہ اپنے شاگردوں کو لکھنے دیا۔ اساتذہ مسلم الثبوت کے ہاں فارسی میں موجود ہے ماشائے انہیں کہ اُن میں فارسی والوں کو تامل ہو۔ زیادہ حد و ب (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

## نمبر ۵

مرزا اہل زبان کے پیر واد ہندیوں میں سولے امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں۔ ”قاطع برہاں“ کی تیاری۔ ”انگبین و شہناب“ اور ”حوص واذ“ کی تفسیح۔ ”کیاب“ اور ”نایاب“۔ ”کم“ کی ترکیب بیگز الفاظ کے ساتھ۔ ”اندک“ بمعنی ”کم“ نثر مرزا اور نثر ممبئی۔ اقسام ثلاثہ نثر۔ صاحب ”دستور نگار“ اور بلاغیات الدین کی رائے کی تفتید درباب ”وزن“ اور ”سجع“

یہاں سے روئے سخن صاحب الم صاحب کعبیٹ ہو۔ جناب فہم مولا علی و مرشدی تسلیم قبول کریں۔ اور اُس تحریر سے جواب میرے پانچ بھی ہے

مچکونداں اور اپنے تخت قسمت پر نازاں تصور فرمادیں۔ سب سبھا اور  
 سب مطالب کا جواب لکھتا ہوں پہلے اپنا ایک شعر کمال گستاخی کو  
 کار فرما کر لکھتا ہوں اور یہ نہیں لکھتا کہ یہ شعر میں نے کیوں لکھا ہے شعر یہ ہے  
 مرا بغیر زیک ضرب در شمار آورد فغاں کہ نیت نہ پڑانہ فن یکیش

مرا اہل زبان کے پیرو اور ہندیو تین سولے بہر حال حضرت کو یہ معلوم ہے کہ میں اہل زبان  
 امیر خسرو دہلوی کے سب کے منکر ہیں کا پیر و اور ہندیوں میں سولے امیر خسرو

دہلوی کے سب کا منکر ہوں جب تک قدایا متاخرین میں مثل صائب و  
 کلیم و اسیر و جزین کے کلام میں کوئی لفظ یا ترکیب نہیں دیکھ لیتا اس کو نظم  
 اور نثر میں نہیں لکھتا۔ جن لوگوں کے محقق ہونے پر اتفاق ہے جمہور کو ان کا  
 حال کیا گزارش کروں۔ ایک ان میں صاحب "برہان قاطع" ہے۔ اب ان  
 دونوں میں برہان قاطع دیکھ رہا ہوں اور اس کے فہم کی غلطیاں نکال رہا ہوں  
 اگر زیست باقی ہے تو ان نکات کو جمع کر کے اس شعر کا نام  
 "قاطع برہان کی تیاری" قاطع برہان رکھوں گا۔ ع۔ کجا بود منزل کجا ناظم

"انگین و شہد ناب" اور "حوص آذ" کی تصحیح شعر فردوسی میں "انگین و شہد" اور شعر  
 استاد میں "حوص آذ" واقعی بادی النظر میں زائد معلوم ہوتا ہے۔ "شیر ناب"  
 ہتر ہے لیکن جس میں آذ کو کیا کیجیے گا۔ میں عرض کرتا ہوں کہ وہاں بھی "خشم و  
 آذ" ہے ہرگز حوص و آذ نہیں۔ حکما اور صوفیہ قوت غضبی اور قوت شہوی

کی تبدیل میں منتین کرتے ہیں۔ قوت غبضی کی صلاح سے فضیلت شجاعت اور قوت شہوی کی صلاح سے فضیلت عفت حاصل ہے۔ اور یہ مسئلہ علم اخلاق میں مبرہن ہے۔ ”ودیدہ من حرص و آز“ بے معنی محض۔ استاد کو بدنام کیا۔ ایک حکم دوسرے تراشے۔ واحد حقیقی کا تئید۔ اس سے علاوہ مرد عارف حکم نے قوت شہوی کی صلاح کا ذکر کیا اور قوت غبضی کا مذکور بھی نہ کیا۔ میں نے خود خشم ”آز“ دیکھا ہے اور یہی بجائے شہد کی جگہ شیر اور حرص کی جگہ خشم درست۔ میری رائے آپ کی رائے کے مطابق۔

”کیاب اور نایاب“ مگر گوگرد سُرُخ“ اور پیل سفید میں ساکت ہوں۔ یہ تقریر کہ ”گوگرد سُرُخ“ کیاب اور پیل سفید نایاب ہے میرے دلنشین نہی۔ کبریا کرم اور کیا اور عنقا ان سب کا ایک حکم ہے۔ نظر اس قاعدہ پر ”لعل سفید“ بہتر ہے اور ”کبریا کرم“ اور پیل سفید بے جوڑ ہے جیسے امیر خسرو کی انکیاں۔

”کم“ کی ترکیب گیر الفاظ کے ساتھ ایک قاعدہ اور عرض کرتا ہوں۔ ”کم“ کا لفظ اہل فارس کی منطق میں کہیں افادہ معنی سلب کلی بھی کرتا ہے جیسے ”کم آزاد“ یعنی نیاز از بند۔ نہ یہ کہ کم آزاد نہ ”کم ہمتا“ یعنی بے ہمتا بلکہ اندک کا لفظ بھی سیطرہ آتا ہے۔ جیسا کہ میرا خداوند نعمت نظامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتا ہے۔

”اندک“ بمعنی ”کم“ پر پیش چون آقا مجیکے مرتبہ فروغ فراواں فریب کے ست یعنی فریب بالکل نہیں نہ یہ کہ کچھ ہے پس کیاب اور نایاب ایک چیز ہے۔

نظامی نے "بعل سید" کہا، کسی صاحبِ سب نے "سُکو غلط بھکر" پیل سید" بنایا ہے۔ "انگبین و شہد ناب" شاید مثل غم و اندوہ، مسرت و فرحت، ہوا یا ہوا شیراز" ہی ہو بلکہ "شیر ناب" بہتر ہے لیکن "حرص و آذ" تو کسی طرح درست نہیں۔ عادت کا دعویٰ ناقص اور لغو رہا جاتا ہو۔ اگر یہ قباحت لازم نہ آتی تو بھی ہم حرص و آذ کو مسلم نہ رکھتے کس واسطے کہ غلام کا شہہ کمال وضوح غم و اندوہ و دل واد کا نظیر نہیں ہو سکتا۔ ہاں انگبین و شہد کے جواز میں ہم مضائقہ نہ کر سینگے مگر "شیر ناب" کو اُس سے اچھا سمجھینگے۔ شہد میوے کی حلاوت کے واسطے اور شیراز، افریش، لطافت کے واسطے "حاشا" و "حاش شہد" کا جواب آگے غائر میں لکھ چکا آپ کی اس نظیر لکھنے سے اُسکے جواز پر میرا یقین نہ بڑھا "کو کشف الغطا، ما از دست یقینا"

نثر مزبور اور نثر مسیح [نثر مزبور کے نزاع میں پروم شد کو اتنا نامل کیوں ہو جو نثر میں اپنے لکھی ہیں۔ سوائے اُس نثر کے کہ جبکہ آگے لکھوں گا۔ یہ تو سب مسیح ہیں یعنی پہلے فقرہ کا ہر لفظ ذل میں موافق ہو دوسرے فقرے کے لفظ سے نظم میں صنعت آ پڑے تو نظم کو مضع کہینگے۔ اور نثر میں واقع ہو تو نثر کو مسیح کہینگے۔ جو حضرت کہ اس نثر کو مزبور کہتے ہیں وہ نثر مسیح کی مثال ہم کو دیں۔ نہ نہار نہ ہار یہ نثر مزبور نہیں مسیح ہے۔ ہاں یہ نثر مزبور ہے "صاحباً متفقاً شفیق ولی، زید الطافکم الی الابد، بعد تبلیغ بندگی و نیاز، بر ضمیر منیر روشن باد" اگر وہ نثر کہ

جسکو میں نے مسیح کہا ہے مرچ ہے تو اس کجنت نثر کا کیا نام ہے۔ نہیں وہ مسیح ہے اور یہ مرچ ہے۔

اقسام ثلاثہ نثر میں تو بہت مختصر مفید لکھ چکا ہوں آپ مائیں تو کیا کوں وزن ہو قافیہ ہو وہ مقفے۔ وزن ہو قافیہ ہو وہ مرچ ہے۔ الفاظ فقیرین وزن میں برابر ہوں وہ مسیح اس صنعت کو بیشتر نثر مقفے میں صرف کرتے ہیں اور چاہو قافیہ کا التزام نہ کرو بہر رنگ اقسام ثلاثہ نثر ہی ہے حضرت نے نثر مسیح کو مرچ کہا ہے۔ جواب ہی ہے کہ اگر مرچ یہ ہے تو مسیح کس نثر کو کہتے ہیں اس سے زیادہ نہ جگو علم نہ یارائے کلام قلیل لکھنوی اور غیاث الدین ملا کے کتبیں راپوری کی قسمت کہاں سے لاؤں کہ تم جیسا شخص میرا مستفہ ہو اور میرے قول کو مستند سمجھو۔ بعد تمام خط کی تحریر کے خیال آیا شاید کسی بانکا جواب رہ نہ گیا ہو میں نے آپ کے خط کو دیکھا صاحب دستور شکر ت اور ملا غیاث الدین اور ایک بات ”دستور شکر ت“ کی عبارت کی رائے کی تنقید باب ”وزن“ اور ”مسیح“ میں نظر آئی ”مرچ کلام است نثر کہ وزن دار و مسیح ندارد“ اس تعریف کو دیکھیے اور نمونہ نثر کو دیکھیے وہ نمونوں کہاں ہے جو ”وزن دارد“ آپ صا دق آئے۔ وزن بمعنی تقطیع شعر مفقود۔ ”مسیح ندارد“ خدا جانے یہ بزرگ سچ کس کو کہتا ہے۔ سچ ہمو وزن ہونا اور لفظوں کا فقر تین میں یا مصرعین میں۔ سو اس نثر میں موجود ہے۔ موجود کو مفقود اور مفقود کو موجود لکھا ہے اور پھر کلام اُس کا مقبول ہے۔ اللہ اللہ ملا غیاث الدین لکھا ہے۔ پس



مرحہ نثر ہے، باشد کہ کلمات فقرتین کشر جا ہوں باشد در تقابل کید گیر بدن  
 رعایت سجع "خدا کے واسطے سجع تو ای کو کہتے ہیں کہ کلمات فقرتین یا مصرعین  
 ہوں کید گیر ہوں۔ سو اس نثر میں موجود ہے۔ "بدون رعایت سجع" کے کیا مہنی  
 مگر یہ دونوں صاحب زن کو برابر بنانا کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع قطع شعر کو  
 کہتے ہیں۔ اس عقدہ کی رکعت نظر میں آئے صاحب "دستور شکر" کا کلام  
 نص اور مولوی غیاث الدین کا کلام حدیث نہیں ہے۔ آپ بھی غور فرمائیے  
 اور انصاف کیجئے۔  
 (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

## نمبر ۶

نصیر الدین طوسی مخصوص حمد فارسی۔ عبد الواسع ہاموسی۔ "بمجاد" و  
 "نامراد"۔ قافیہ شایگان۔ ابطار مع مثلہ۔ ابطارے علی و خنی۔ ملا غیاث الدین  
 وغیرہم سے ٹھکی۔

میکم عرض گو کر باش پیر و رشاد آج ہی ایک خط چودھری عبدالغفور صاحب کے  
 نام روانہ کیا ہے اور اس خیال سے کہ وہ گری سنگامہ شادی میں اس خط کا آپ  
 کی نظر سے گزرا نہا بھول نہ جائیں، خط جاگنا نہ آپ کو آج ہی بھیجتا ہوں۔ صحت  
 کی عبادت نثر مرحہ کے باب میں اتنی ہی ہے "وزن دار و دستہ ندارد" خدا کی  
 وزن قطع شعر کو کہتے ہیں وہ مثال کی نثر میں کہاں ہے۔ سجع اسکو کہتے ہیں کلمات  
 کے فقرتین وزن میں برابر ہوں۔ یہ صفت مثال کی نثر میں موجود ہے۔  
 جو ہے اس کا سلب جو نہیں اس کا ثبوت کیونکر مانوں۔ کیا آپ کی یہ مرضی ہے

کہ الف سادہ کے ہونے کو وزن اور تقطیع شعر کو سبب مان لیں۔ میں تو نہ مانوگا  
 آپ کو اختیار ہے۔ یہ کلام مصدوم کا نہیں کہ اسکے مسلم نہ کہنے سے آدمی کا فر  
 ہو جائے۔ زبان فارسی مردے کا مال ہے عجب کہ بطریق نیا آیا ہے۔  
 جس طرح چاہیں صرف کہیں۔

ابن سیر الدین طوسی [نواجہ نصیر الدین طوسی] سے حرف کا زبان منشا  
 میں نہ آتا لگتے ہیں اور ذال نقطہ دار کا ذکر نہیں کرتے الا کوئی لغت  
 مخصوص حروف فارسی [فارسی ایسا بتائیے کہ جس میں ذال آئی ہو۔ گزشتہ  
 و گزشتہ و تہ بر فتن سب سے ہے۔ کاغذ وال محلہ سے ہے۔ اس کا ذال  
 سے لکھنا اور کوغذ کو اس کی جمع قرار دینا تعریب ہے تحقیق اور آئینہ  
 (اور) بدل ابجد ہے نہ ذال شخہ۔ کوئی لفظ متحد الخرج فارسی میں نہیں بلکہ  
 قریب الخرج بھی نہیں۔ تے ہے طے نہیں۔ سین ہے تے نہیں اور صاد  
 نہیں۔ ہے ہے حے حلی نہیں۔ یہاں تک کہ قاف نہیں اس راہ سے  
 کہ غین متحد الخرج بلکہ قریب الخرج ہے۔ ز سے کے ہوتے ذال کیونکر۔

عبدالواسع ہاموسی [وہ میاں صاحب ہاموسی کے رہنے والے بہت چوڑے چکلے  
 جناب عبدالواسع فرماتے ہیں کہ "بے مراد" صحیح اور "نامراد" غلط۔ اسے تبرا  
 ستیاناس جاسے۔ بے مراد اور نامراد میں فرق ہو جو زمین و آسمان میں ہے  
 "بے مراد" اور "نامراد" نامراد وہ ہے کہ جس کی کوئی عراد کوئی خواہش کوئی آرزو  
 نہ ہو کہ وہ بے مراد وہ کہ جس کا صفیہ ضمیر نقوش مدعا سے سادہ ہو اور قسم  
 "بے مدعا" و "بے غرض و مطلب" جبہ شمران دونوں امروں میں کہنا

فرق ہے۔ "ناپروا"، "اور ناکام"، "اور نادرست"، "اور ناچار"، "یہ مخفف" "ناچائے اور  
 "ناہار" کہ یہ مخفف "نا آہار" ہے اور "نامراد" اور "نا انصاف"۔ یہ سب درست ہیں  
 ہاے کہاں گئے ہائسی والے معلم۔

**قافیہ شاگھاں** قافیہ شاگھاں کہ جس کو عربی طاکتا ہے وہ دو طرح پر ہے۔

خفی حبلی اہل خرد نے خاک لڑائی ہو اور بات بنائی ہے خفی حبلی کی تفسیر میں  
 وہ کچھ لکھا ہے کہ صاحب سچ سلیم کبھی ٹکونہ سمجھے چہ جائے آنکہ مانے۔ اصل  
**ایطایع مشلہ** یہ ہے کہ ایطادہ قافیہ ہے کہ جو دو حرفت ایک صورت کے

ہوں جیسے الف فاعل گویا و بنیا و شنوا۔ شعرا سیر سے۔ لے دائرہ تسبیح خیالات  
 دل وانا چہ مستان تخت دین مینا۔ اور نون وال مضایع کا جیسا اٹا دے  
 اس مطلع میں ہو۔ دل شیشہ چنپان تو ہر گوشہ بندش مست مباد کہ  
 بنا کہ شکندش۔ اور ایسا ہی الف نون جمع کا مثل "چراغان" "و جوانان"۔ اور ایسا  
 ہی الف نون حالیہ مانند "گرایاں" "و خنداں"۔ پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو

**ایطایع حبلی مخفی** ایطایع حبلی ہو۔ اگر غزل یا قصیدہ میں بطریق تکرار قافیہ  
 میں آپڑے تو ایطایع مخفی ہو۔ ائمہ فن نے وہ کچھ لکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر قابل  
 تحقیق ہو تو میرے بیان پر غور کرو اور جو عبد الواسع اور غیاث الدین اور عبد اللہ بن  
 ان ناموں کی شوکت نظر میں ہو تو تم جانو۔ ایک شخص بھیک مانگتا ہے اپنے اسکا نام  
 میر بادشاہ رکھ دیا۔ اصل فارسی کو اس کھڑی تحسین علیہ علیہ نے تباہ کیا۔  
**لا غیاث الدین وغیرہ مخفی** رہا غیاث الدین راپوری نے کھو دیا۔ ان  
 کی قسمت کہاں سے لاؤں جو صاحب الم کی نظر میں غمتبار پاؤں خیالات

غور کرو کہ وہ خزانہ نامشخص کیسے کہتے ہیں اور میں خستہ دور و مند کیا کہتا ہوں واللہ  
 یہ فقیر فارسی شعر کہتا ہوں اور نہ غیاث الدین فارسی جانتا ہے۔ میرا یہ خط پڑھو یہ  
 نہیں کہتا کہ خواہی خواہی پڑھو فوت مینوسے کام لوان غولوں پر لہنت کرو  
 سیدھی راہ پر آجاؤ۔ اگر نہیں آتے تو تم جانو اور تمہاری بزرگی پر اور مرزا الفتہ کی  
 نسبت پر نظر کرو کہ لکھا ہے۔ نہیں کہتا کہ خواہی خواہی میری تحریر کو مانو مگر اس  
 کھتری بچہ اور اس مسلم سے نکلو کہ سترہ جانو۔ غری کا صرف اور ہے اور فارسی کا  
 قاعدہ اور ہے سمجھو یا نہ سمجھو تم کو خستہ ہے عقل کو کام فرماؤ غور کرو۔ سمجھو  
 عبد الواسع پیغمبر تھا۔ قاتل برہانہ تھا۔ واقف غوث الاعظم نہ تھا۔ میں یزید  
 نہیں ہوں شہر نہیں ہوں مانتے ہو تو مانو نہ مانو تم جانو۔ (بنام صاحب عالم تھا)

### نمبر ۷

تکرار بعض الفاظ :- ”پرفضا“ اور ”پرفضا“ ضمناً متصل  
 واحد غائب و واحد متکلم۔

تکرار بعض الفاظ ”پرفضا“ اور ”پرفضا“ جناب عالی :- ”چہا چہا“ ترجمہ ہندی ایک بار  
 ”چہا“ کفایت کرتا ہے۔ ”انواع انواع“ ہماری آپ کی بول چال میں ہو لیکن  
 تحریر میں درست نہیں ”چمن پرفضا“ ”چمن پرفضا“ ”زائے ہو کیوں لکھا۔  
 ضمناً متصل واحد غائب حاضر متکلم خطاب واحد غائب فقط شین ہے نہ اش  
 ہاں اگر اسے لفظ مثنوی ہاں انتہائی حرکت پر موشل عنسنہ و شمشیر خانہ و دنا

تو اسکو یوں کہن چشمہ اش غمزدہ اش خانہ اش دانہ اش اور باقی سب الفاظ کا حرفت  
خسہ نہیں سے ملتا ہے۔ خطاب احد حاضر خطاب احد غائب خطاب احد مکمل  
عاشق ہے۔ الف کو یہاں کیا دخل اور وہ جو دکھنی یوہرہ یعنی جامع برہان قاطع  
اتاش ام لکھا ہے۔ غلط کرتا ہے۔

جہاں تم نے بعد اپنے نام کے یہ اشعار لکھے ہیں وہ پریشان تر از خویشم  
دستاں ہے۔ الخ وہاں ربط کلام جاتا رہا تھا۔ ایک جملہ فاضل کر دیا ہے  
یعنی ”بدین اشعار از مرمرہ سراسر“ یہ خبر اس کاف توصیفی کی ہے۔ اور اس کے جو  
نثر ہے اسکی فاعل وہی مصنف ہے۔۔۔۔۔ (بنام چودھری عبدالغفور مرور)

### نمبر ۸

ندامت اور خجالت کا فرق طبعی لیکن لفظی فقیر کا فرق  
مہرنت الفاظ تخلص کیلئے جائز ہیں۔

میر تقی میر کو میر سلام پہونچے۔ دونوں محسن بعد صلح پہونچتے ہیں  
نثار صلح سچو پہونچے ”تبد عالی نسب سرور والا جی“ یہ افتتاح کلام اور ابتدائی  
خطاب کے درخور نہ تھا مصرعہ ”الرشاس کی جگہ رکھ دیا گیا۔ دوسرے بند کی  
و طرح پہونچیں ہی۔ دونوں بے عیب ہیں اور مزید لطیف کسی میں نہیں۔ جن  
مصرعوں کو چاہو رہنے دو ”گزشت از انلاک“ و ”از انلاک گزشت“  
ایک فارسی رہا اور دوسرا ہندی، حضرت نے دونوں فارسی میں لکھے تھے

ندامت اور نجات کا فرق | ندامت فعل پر مترتب ہوا کرتی ہے۔ ترجمہ ہمہ گامیانی۔  
حضرت یوسفؑ کو ندامت کیوں ہو مگر نجات اس کا ترجمہ منہ مندی آپ  
غور کیجئے کہ ندامت اور نجات میں کتنا فرق ہے۔ جہاں آپ نے ”عرقِ یزید“  
ندامت لکھا وہ نجات کا تھا۔ آپ نے ندامت کیوں لکھا۔ جس لفظ  
مصرعہ تو بن گیا لیکن طبع ضرور تھی۔

طرح سلوک اور طرح بختہ کا فرق | طرح بختہ اول و سکون ثانی بمعنی فریب ہے اور تصدیق  
موت الف نڈا تخلص کیسے بجا ہوا | کے خاکے کو بھی کہتے ہیں اور معنی آسائش دنیا  
بھی بجا ہے۔ مراد طرزِ دشمن بھی طرح ہونے میں اس کا تفرقہ منظور رہا کرے  
نیم تخلص اچھا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ نیم موت ہے۔ جواب سکا یہ ہے کہ جرات  
اور وحشت اور ایسے بہت تخلص ہیں کہ وہ موت ہے۔ با اینہما اگر مد لا چاہیئے  
تو اُس کا ہوزن ”سلام“ و ”سلیم“ اور ”خیال“ بھی ہے۔ اس میں سے جو  
پسند آئے آپ کے علم علی مقدار اور آپ کے بزرگ آموزگار کو میر سلام پہنچے  
(بنام چودھری عبدالنور سرور)

## نمبر ۹

ظہوری کے بعض اشارے کہیں سمجھاتے ہیں اور ظہوری کی تعریف کرتے ہیں

حضرت چودھری صاحب عنایت نامہ سابق ۷۷ تھا وہ خطا پر  
نہ تھا جواب طلب نہ کوئی اور سکا جواب کیا لکھنا آج دوپہر کو یہ خطا ہو نجات  
ہی جسے رد جواب لکھ کر نکھ چھوڑا ہوں۔ کل صبح کو بشرط حیات ڈاک میں

بھجوا دوں گا۔ قاطع برہان کے مجلدات جو بموجب توفیق خریداری میری ملک  
ہیں وہ اقل جولائی میں میسے رپاس اور اُن میں سے دو مجلد جسے جولائی میں  
آپ کے پاس پہنچیں گے۔ ایک آپ پہنچنے دینگے اور ایک پیر و مرشد کی  
نذر کرینگے انشاء اللہ العظمیٰ۔

سے جہذا فیض تعلق معجزہ بکاش ہو کر دو صد سالہ پیش نظر باشندہاں  
یہ شعر مولانا نور الدین غلوتی رحمۃ اللہ علیہ کا مہینہ کی خوشنویسی کی تعریف میں  
ہے۔ مبالغہ صلیغ اور غلو کو پہنچ گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اُس کا لکھا ہوا  
قطعیہ کوئی عبارت سو برس کی راہ پر سے آدمی کو نظر آتا ہے۔ وجہ اس کی یہ کہ حرف  
بہت روشن صاف و جلی ہیں۔ اور چونکہ یہ امر بحسب عادت و عقل مستغنی ہے  
اس رو سے اُسکو ”معجزہ سلم“ کہا۔ اور چونکہ معجزہ و خرق عادت ہے اور خرق  
عادت ایک امر ہے مسلمات جمہور میں سے پس منکر و گنجائش انکار نہ رہی یہاں  
یہ خیال آئے گا کہ ”فیض تعلق“ بیکار رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حسن ایہا  
ہے۔ یعنی نگاہ کو، اذ انجا کہ باصرہ مشتاق حسن ہو، اُس خط سے وہ تعلق بہم  
پہنچا ہے کہ اگر وہ خط سو برس کی راہ پر ہو تو بھی نگاہ اُس سے متعلق رہتی ہو۔  
جیسے طائر کو اپنا اشیانہ اور مسافر کو اپنا وطن اور عاشق کو معشوق کا خدو  
مسافت بیدہ سے پیش نظر رہتا ہے۔ چاہو ایک معلول کی دو غلٹ سمجھو۔

”فیض تعلق“ مذکور اور حسن خط، مقدر۔ چاہو ”فیض تعلق“ کو ادعا کہو اور خط  
جو تقدیر میں ہو اُسکو سبب سمجھو تعلق کا اور نہ کہ جانو ادعا کا۔ سنو دعویٰ کے واسطے  
بیل و شخص ہے ادعا کو دلیل ضرور نہیں ہو۔ ہاں ادعا پر تاکید طریقہ بلاغت ہو۔

یہ لطافت معنوی خاص اس بزرگ کے حصہ میں آئی ہے۔ میں جانتا ہوں  
مشتہری اور عطار نے لکرا ایک صورت پکڑی تھی اُس کا اسم نور الدین  
اور شخص نھوری تھا۔

اللہ اللہ فرماتا ہے مروت کردش بہا بر تو سیر بام و در لازم۔  
نہی باش چراغ خانہ بنوایاں<sup>۱</sup> را۔ نھوری کا مروج اور مشوق ایک ہے  
یعنی سلطان جلیل المستدیر ابراہیم عادل شاہ۔ بادشاہوں کے منظر بلند  
ہوتے ہیں۔ اور کیا بعید ہے کہ رعایا ملازمین میں سے کچھ لوگ زیرِ قصر رہتے ہوں  
اس واسطے بادشاہ دن کو اُس منظر بلند پر نہیں چڑھتا کہ مبادا رعیت یا ملازمین  
کی جو رہنمائی نظر آئیں۔ رات کو اُن کے گھر تاریک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی بلند  
مکان پر چڑھتا تو کچھ نظر نہ آئے گا۔ یہ مروج ہوئی عفت کی اور عفت ایک فضیلت ہے  
فضائل اربعہ میں سے۔ اب ابہام کو سوچئے۔ مروج نے راتوں کو کوٹھے  
پر چڑھنا لینے اور لازم کیا ہے اس واسطے کہ اون کے گھروں میں چسپاں نہیں  
اگر کسی کو کسی کپڑے میں پوند لگانا یا کوئی چسپے کی چیز گانٹنی کسی مریض  
کا نقص حال منظور ہو تو وہ گھر اس مروج کے پر تو جمال سے روشن ہو جائے۔  
چسپے کی حاجت باقی نہ رہے۔ جو کام جو شخص چاہے وہ کرے۔ ”مروت“۔

سہ مرزا نے جو برہنہ معنی اس شمس کے بیان کیے ہیں وہ قابلِ داد ضرور ہیں۔ مگر  
آدین بید در کر کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ مروت نے تجھ پر لازم کر دیا کہ راتوں کو  
لوگوں کے بام و در یعنی مکانات کو دیکھ تاکہ تجھ کو معلوم ہو کہ غریبوں کے گھر میں  
چسپے نہیں ملتے۔



کے لفظ کا مزہ و جدائی ہے۔ موائے اس لفظ کے کوئی لفظ یہاں کام نہیں آتا۔ اگر حفظ ناموس رعایا ہے تو مروت ہے، اور اگر مقلدوں کی کار برآمدی ہے تو مروت ہے۔ قالب معنی کی جان ہے۔ ظہوری۔ ناطقہ کی سرسبز دبی کا نشان ہے۔ ظہوری۔ زیادہ کیا لکھوں۔ (بنام چوہدری عبدالغفور سرور)

## نمبر ۱

ہندوستان کے فارسی شعر کی نسبت مرزا کی رائے قیل کے بعض سلمات کی غلطیا

اب روئے سخن حضرت صاحب عالم کی طرف ہے خدمت خدام مخدوم  
 خدام نواز میں بعد تسلیم عروض ہے۔ تفقد نامہ نامی میں صورت عز و شرف  
 نظر آئی۔ اللہ اللہ تم نے میری نظر میں میری آبر و بڑائی حضرت کی قدرائی  
 کی کیا بات ہے۔ آپ کا التفات موجب مبالغہات ہے۔ یہ بات بطریق طے  
 لسان زبان پر آئی جو در نہ قدر دانی کیسی یہ قدر افزائی ہے۔ نظیری علیہ الرحمۃ  
 کا شعر ایک کاغذ پر لکھ کر میرے گلے میں ڈال دیجئے اور زمرہ شعرا میں سے  
 بھگو نکال دیجئے یہ شعر ہے جو ہمیشہ نیش من درتہ ز نگار باندہ اسکے آئینہ  
 من ساخت پذیر داخت و ریخ۔ دعوے اور چیز ہے اور کمال اور ہے۔  
 علم عربی اور شے ہے اور فارسی کی حقیقت حال اور ہے۔ جہلا لائے طلبا طلبانی رحمۃ  
 علیہ نے سعید لے ہندی کو ایک قصہ لکھا۔ عبارت سوقت یاد نہیں آتی  
 مگر یہ مضمون اُس کا ہے کہ ایک نے مولانا کے عربی علیہ الرحمۃ اور ابو الفضل میں

مباحثہ ہوا۔ شیخ نے عرض سے کہا کہ ہم نے تحقیق کو ہر افراتہ پہنچا دیا اور فارسی میں خوب کمال پیدا کیا۔ عربی نے کہا کہ اسکو کیا کرو گے کہ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا ہے گھر کے بڑھوں سے اور بڑھیوں سے جو بات سنی فارسی میں سنی شیخ گفت "ما فارسی از انوری و خاقانی فر اگر فتہ ایم و شما از پیرزالان آموختہ اید" عربی فرمود "انوری و خاقانی نیز از پیرزان آموختہ باشند"

ہندوستان کے فارسی شاعر غالب کہتا ہے کہ ہندوستان کے حضوروں میں کی نسبت مرزا کی رہے حضرت امیر خسرو دہلوی نیز الرحمتہ کے سوا کوئی ہندوستانی

نہیں ہوا۔ خسرو کی خسروست و سخن طرازی ہے۔ یا ہم چشم نظامی نجومی و ہم طرح سعدی شیرازی ہے۔ خیر فاضلی بھی نگر کوئی میں مشہور ہے۔ کلام اُس کا پسندیدہ ہے جو رہے۔ دیکھو عبدالقادر بدایونی کیا لکھتا ہے۔ "زہے سپاہی فالیز" آرزو فقیر اور رشید اور بہار وغیرہم انھیں میں آگئے۔ ناصر علی اور بیگلر اور غنیمت ان کی فارسی کیا۔ ہر ایک کا کلام نظر انصاف دیکھئے ہاتھ لنگن کو آرسی کیا۔ منت اور مکین اور واقعت اور قلیل یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ انکا نام لیجئے۔ ان حضرات میں عالم علوم عربیہ کے شخص ہیں۔ خیر ہوں فضل کہلا میں اُن کے مرزا کہاں۔ ایرانیوں کی سی ادا کہاں۔ فارسی کی قاعدہ دانی میں اگر کلام ہے اُس میں بیرونی قیاس ایک بلائے عام ہے۔ وارستہ یا لکوئی نے خان آرزو کی تحقیق پر سو جگہ اعتراض کیا ہے اور ہر اعتراض بجا ہے۔ بالائے وہ بھی جہاں اپنے قیاس پر جاتا ہے منہ کی کھاتا ہے۔ مولوی احسان اللہ ممتاز کو صنائع نقشبندی میں دستگاہ اچھی تھی۔ اس شیوہ پر

کو خوب پرت گئے۔ فارسی وہ کیا جانیں۔ قاضی محمد صادق نعمت سلم ہو گئے شاعری سے اونکو کیا علاقہ۔

قتیل کے بعض سلمات کی غلطیاں ایک بات حضرت کو اور معلوم رہے کہ ہندی فارسی والوں نے کمال کو وہم میں منحصر رکھا ہے۔ کاپلی کے نواب زادوں میں سے ایک صاحب قبتیل کے شاگرد تھے میں نے ایک دفعہ قبتیل کا ان کے نام دیکھا ہے کہ قبتیل انکو لکھتا ہے کہ جامہ گزاشتن مبینے مردوں مسلم لیکن بہت احتیاط کیا کرو۔ موقع دیکھ لیا کرو جب لکھا کرو۔ میں کہتا ہوں کہ احتیاط کیا اور موقع کیا؟ قبتیل مرد "ہیمنان جامہ گزاشت"۔ پھر وہ کہتا ہے کہ "کہہ دے کے ساتھ سوائے پانچ سات لفظ کے اور لفظ کو ترکیب دو۔ پھر فرماتا ہے کہ "ہمہ کے لفظ کو جمع کے ساتھ لاؤ مفرد سے نہ ملاؤ۔ میں نے دہشہو میں لکھا ہے کہ "ہمہ کس دانہ" ایک شخص نے کہ وہ بھی مولوی کہلاتا ہے میری طبیعت میں کہا کہ "ہمہ کس دانہ" کیا ترکیب ہے۔ ایک لڑکا میرا شاگرد وہاں موجود تھا۔ اُس نے کہا کہ یہ ترکیب بعینہ صائب کی ہے جیسا کہ وہ کہتا ہے۔ ہمہ کس طالب آں سرور دان است اینجا اب حیوان نفس سوختگان است اینجا اُس نے کہا کہ تمہارا استاد "حاشا اللہ کو ماقبل کلمہ منفی لایا ہے اور یہ جائز نہیں۔ ع حاشا اللہ کہ بدنی گویم۔ میرے شاگرد نے کہا کہ یہ ترکیب انہی کی ہے جسے حاشا اللہ نہ مرا بلکہ ملک را بخود + با سب کوی تو ایں زہرہ یار او جمال مولوی ہدایت علی تمکین کا جٹک میں نے نام نہیں سنا تھا۔ چھپے ہوئے رستم میں۔ صائب اگرچہ صفہانی نژاد تھا مگر وارد شاہ جہاں آباد تھا۔

انتقام کشیدن و انتقام گرفتن دونوں بول گیا۔ مولوی صاحب نے فارسی بولتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

کلیم بروزن فضیل صیفہ اسم فاعل ہے مثل کریم و رحیم و سمیع و بصیر اسکا آئی ہیں۔ کلیم اگر بمعنی ہم کلام لیجئے تو اسم الہی اسکو کیونکر قرار دیجئے۔

حضرت کا مصرعہ ہست کلامے از کلام کلیم۔ مخدوش ہے۔ یعنی یا ”کلامے از کلام کلیم“ یا ”کلامے از کلمات کلیم“ چاہیے ”کلامے از کلام“ مفرد میں سے مفرد کو نکالا چاہئے۔ گویا جاز ہو۔

”گو باش“ ”گو باشد“ ہرگز محل تردد نہیں۔ اداہم و دوسواس قواعد میں پیش نہیں جاتے۔

ع لے کر یہ کہ از خزائنہ غیب۔ ہرگز یائے معروف نہیں۔ یا مہول ہے۔ یائے معروف یہاں نامقبول ہے۔ ع خدا لے کہ بالادب نسبت بد۔ ایسا خدا ایسا کریم۔ اس تختانی کو یائے وحدت کہو، تو صیف کہو۔ یائے تعظیم کہو جس طرح کہو مہول آئیگی۔ (بنام چودھری عبدالغفور سرور)

لے فرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ مکتوب الینے یہ مصرعہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑ لگایا، ہوگا جس نے کلیم“ اسم آئی میں سے ثابت ہوتا ہے۔ غالب کا اعتراض ہے کہ ”کلیم اللہ“ میں ”کلیم“ بمعنی ”ہم کلام خدا“ ہے پس اسم آئی میں سے کیونکر قرار پا سکتا ہے۔

## نمبر ۱۱

ہندی فارسی گوئیوں کے مجزم کا اہل زبان سے مقابلہ۔ اہل زبان کے  
تین گروہ اور ان کے علیحدہ علیحدہ جز۔ بعض ہندی شاعر کے چیدہ اشعار۔

ہندی فارسی گوئیوں کے کلام کا اہل زبان سے مقابلہ  
میر قیاس اسکا مقتضی ہے کہ پیر درمیشد صاحب عالم  
مجھ سے آزدہ ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ میں نے  
ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا اس قطعہ میں ایک میزان عرض  
کرتا ہوں حضرت صاحبان صاحبوں کے کلام کو یعنی ہندیوں کے اشعار  
کو قلیل و ناقص سے لیکر بیدل و ناصر علی تک اس میزان میں تولیں۔  
میزان یہ ہے کہ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و انورسی و غیر ہم  
تک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام تھوڑے تھوڑے تفاوت سے ایک  
وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ سعدی و جامی و  
ہلالی یہ شخص خاص متعدد نہیں۔ نغانی اور ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔  
خیال لہائے نازک و معانی بلند۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظیری و عرفی  
و نوعی نے۔ سبحان اللہ قالب سخن میں جہاں پڑ گئی۔ اس روش کو بعد اُسکے  
صاحبان طبع نے سلاست کا چرچا دیا۔ صاحب و کلیم و سلیم و قدسی و  
حکیم شغائی اس زمرہ میں ہیں۔

اہل زبان کے تین گروہ اور ان کے علیحدہ علیحدہ جز  
رودکی و اسدی و فردوسی یہ شیوہ

سعدی کے وقت میں ترک ہوا۔ اور سعدی کی طرز نے لبیب سہل ممتنع ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا انداز پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ تو اب طرزیں تین ٹھہری ہیں (۱) خاقانی اُسکے اقران (۲) ظہوری اُسکے امثال (۳) صائب اُسکے نظائر خالصاں ممتاز و اختر و غیر کا کلام ان تین طرزدوں میں سے کس طرز پر ہے۔ بے شبہ سناؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے۔ پس تو ہم نے جانا کہ یہ طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے خوب طرز ہے اچھی طرز ہے، مگر فارسی نہیں ہے ہندی ہے۔ دارالضرب شاہی کا سک نہیں ہے نکال باہر ہے۔ داد اداد! انصاف انصاف! نظم

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار      زیک جام اند و بر زم بخت  
دلے بابادہ بعضے حرفیاں      خار چشم ساقی نیز پرست  
شو منکر کہ در اشعار ایں قوم      در اے شاعری چیزے دگرست

بعض ہندی شعرا کے حبیدہ اشعار وہ چیز نہ تھے جس میں سب پاریدوں کے آئی

ہے۔ ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند نے وہ چیز پائی ہے میر تقی علیہ الرحمۃ سے بنام ہو گئے جانے بھی نہ و امتحان کو بد لکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو سودا سے دکھلائیے لیجا کے۔ تجھے مصر کا بازار بہ خواہاں نہیں لیکن کہنی و اس جنس گراں کار قائم سے قائم اور تجھے طلب بر سے کی کیونکر مانوں ہے تو ناواں مگر اتنا بھی بد آموز نہیں۔ مومن خان سے تم مرے پاس ہونے ہو گیا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ تاسخ کے یہاں کمتر اسٹش کے پاس بیشتر تیز نشتر ہیں۔ مگر مجھے اُن کا کوئی شعرا وقت یا نہیں آتا۔ یا وکیلاؤ

لیٹا ہوا ہوں۔ دم بدم پاؤں کے دم کی ٹیس پوش اڑا دیتی ہے انا اللہ  
 وَاَقَالِیْکَ رَاحِیَۃً ۛ (نام چودھری عبدالغفور سرور)

## نمبر ۱۲

قبلہ حاجات۔ قصیدہ دوبارہ ہو چکا چونکہ پیشانی پر دستخط کی جگہ نہ تھی  
 ناچار اسکو ایک اور دور تے پر لکھوایا اور حضور میں گزرا نا اور اپنی تنائے دیر  
 حاصل کی یعنی دستخط میں مثل انہار خوشنودی طبع اقدس ہو گئے۔ احترام الدولہ  
 بہادر میر سکرمزبان اور آپ کے شنا خواں رہے گویا اس امخاص میں وہ  
 شریک غالب ہیں۔ ہم بطریق کسرۂ اضافی اور ہم بہ سبیل کسرۂ تصفیٰ۔  
 پروردگار اس بزرگوار کو سلامت رکھے۔ قدر دان کمال حق تو یوں ہے کہ  
 خیر محض ہے۔

میراث غیاث اللغات ایک نام موقر اور معزز جیسے الفربہ  
 وغیرہ کی نسبت ہے خواہ خواہ مرد آدمی آپ جانتے بھی ہیں یہ کون ہے۔

ایک معلم فرمایہ رامپور کا رہنے والا۔ فارسی سے ناہستنا محض۔ اور  
 صرف و نحو میں ناتمام۔ انشا خلیفہ و منشاات مادھورام کا پڑھایا والا چنچا  
 دیباچہ میں اپنا ماخذ بھی اُسے شاہ خلیفہ محمد و مادھورام و غنیمت و  
 قیصل کے کلام کو لکھا ہے۔ یہ لوگ اہ سخن کے غول ہیں آدمی کے  
 گمراہ کر نہ لے۔ فارسی کو کیا جانیں ہاں طبع موزوں رکھتے تھے شمرکتے تھے۔

ہرزہ مشابہ پے جاوہ شاساں ہزار لے کہ در راہ سخن چیں تو ہزار آمدہ رفت  
(بنام ذاب انور الدولہ سعد الدین قلی ہاشمی)

### نمبر ۱۳

”ارنی“ کی رکی سکون و حرکت۔ تہذیب کے ساتھ اصلاح۔

اللہ الشکر کہ پیرو مرشد کا مزاج اقدس بخیر و عافیت ہے۔ پہلے  
نور شہنامہ کا جواب با آنکہ وہ مشتمل ایک سوال پر تھا ہنوز نہیں لکھنے پایا  
کہ کل اور ایک کمرست نامہ آیا۔ بندہ عرض کر چکا ہے کہ سہل میں ہوں  
چنانچہ کل میرے سہل ہو گا اس سبب سے اس توقع کا پانچ نگار ہو سکا تھا  
اور لکھا بھی تو یہی لکھتا ہوں آپ نے لکھا ہے۔

”ارنی“ کی رکی سکون و حرکت۔ ”ارنی“ کی رے کی سکون و حرکت کے باب میں  
قول فیعل یہی ہے جو حضرت نے لکھا ہے۔ اگر تفتیح شعر مساعت کر جائے اور  
”ارنی“ بروزن ”ہپسنی“ گنجائش پائے تو نعم الاتفاق و نہ قاعدہ تصرف  
مقتضیٰ جواز ہے۔ مرزا عبد القادر بیدل سے چورسی طور ہمت رانی گوہر بکریہ  
کہ نیسے ز دین تمنا بجواب لن ترانی۔

لے غالب اہی مضمون سے یہ مضمون نکالا گیا ہے۔ بندگی میں ہی وہ آزاد و خود ہیں کہ ہم +  
اُنکے پھر آئے دیکھو اگر وہ ہوا۔ مگر اس مضمون کو عربی نے اعلیٰ پر کہا ہے۔  
دقت عربی خوش کہ کنوڑیوں در بر خوش۔ بروز کشودہ ساکن شدہ و دیگر نزد



اسد اللہ بیگ غالب سے

رفت آنکو آج حسن بنا را طلب کنیم + سررشتہ در کف الہی گوئے طور بود۔  
 تہذیب کے ساتھ اصلاح [زوائد سے فارغ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ ہمارے کیا غزل  
 لکھی ہے قبلہ آپ فارسی کیوں نہیں کہا کرتے۔ کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا  
 طرز بیان۔ کیا میں سخن نا شناس اور نا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کی  
 حک و صلاح پر جرات کروں ع چہ حاجت بمشاہدہ روئے زیب را +  
 ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں سو کر گئے ہیں ع لے مطرب جاد و فن بازم  
 رہ ہوشم زن + دو سیم آپڑے ہیں ایک میم محض بیگا رہے ”دیگر“ کی جگہ آپ  
 ”بازم“ لکھ گئے ہیں ع لے مطرب جاد و فن دیگر رہ ہوشم زن۔  
 (ہنام نواب اور الدولہ سعد الدین خان بہادر شفق)

مئی ۱۲

میرن صاحب کے انتقال آپ کو معلوم ہوگا کہ میرن صاحب نے انتقال کیا۔ یہ  
 کی تاریخ: نئے طرز سے تحریر [چھوٹے بھائی تھے مجتہد العصر لکھنؤ کے نام انکا سید حسین  
 اور خطاب سید العلما۔ نقش نگین ”میر حسین ابن علی“ میں نے انکی رحلت کی  
 ایک تاریخ پائی اُس میں پانچ بڑے تھے یعنی ۱۲۶ ہوتے تھے۔ تخریبہ نئی روش کا  
 میر خیال میں آیا۔ میں تو جانتا ہوں اچھا ہوا دیکھوں آپ پسند فرماتے ہیں یا نہیں قطعہ  
 حسین ابن علی آبروئے علم و سلسل کہ سید العلما نقش خاتمش بود  
 نامزد و نامدے اگر زندہ پنج سال گر ”غم حسین علی“ سال ماشہ بود۔

زیادہ حد ادب۔

(بنام ذاب انور الدولہ سعد الدین خاں بہادر شفق)

## نمبر ۱۵

پیر و مرشد ادب۔ تتمہ غلطنامہ قاطع برہان کو بھیجے ہوئے تین دن اور آپ کی خیر و عافیت مولوی حافظ عزیز الدین کی زبانی سنے ہوئے دو دن ہوئے تھے کہ کل آپکا نوازش نامہ پہونچا۔ قاطع برہان کے پہونچنے سے طالع پانی۔ مستقدان برہان قاطع برہان اور تلوارین کچر کچر کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

دو اعتراضوں کا جواب ہنوز دو اعتراض مجھ تک پہونچے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ”قاطع برہان“ غلط ہے یعنی یہ ترکیب خلاف قاعدہ ہے کلام قطع کیسا جاتا ہے برہان قاطع نہیں ہو سکتی۔ لو صاحب برہان مسلط صحیح اور قاطع برہان غلط۔ مگر برہان قاطع فاعل ہو سکتی ہو قطع کا فعل آپ نہیں قبول کرتی۔ ”قاطع برہان“ میں جو برہان کا لفظ ہے یہ مخففت برہان قاطع ہے۔ ”برہان قاطع“ کے رد کو قطع سمجھ کر ”قاطع برہان“ نام رکھا تو کیا گناہ ہر دو سرا ایراد یہ ہے کہ عہد انگلستان تین بیجا۔ انگلس کا وزن تلفظ میں نہیں آتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ خدا کے واسطے انگلس اور انگریز کا وزن باعلان کہاں ہے۔ اور اگر ہے بھی تو ضرورت شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل

ڈالتے ہیں اور اگر مجلس کے نون کو غنہ کر دیا تو کیا گناہ ہوا۔

(بنام نواب نور الدولہ سعد الدین خان بہاؤ شاہ)

## نمبر ۱۶

دیو اور غریب کا قافیہ "سانس" مذکر۔ سیف "عدو کش"۔ زلف شہرنگ

سخن بافتح ولفہم حرف ثانی۔ "قبہ شخاش"۔

موتیوں کا پھنکا البستہ بہت مناسب ہے خیر موتیوں کا نوالہ بھی  
سہی۔ حافظ کے شعر کی حقیقت جب سمجھو گے جب قواعد مقررہ اہل سخن  
دریافت کر لو گے۔ قاعدہ یہ ہے کہ اگر مطلع میں یا اور شعر میں قصیدہ کے  
اصطلاح آپڑے اور اس کی اصطلاح ایک شعر میں کر دیں تو وہ عیب جاتا رہتا  
ہے۔ جیسے اُٹھا دکا قطعہ ہے اس میں دیو اور غریب کا دیو

قافیہ ہے اور شعر اخیر قطعہ کا یہ ہے غلط کر دم دریں معنی کہ گفتیم ز نخل  
نکار نوشیں ایسویہ حالانکہ صحیح "سیدب" ہے۔ بیابان موحده۔ شاعر نے  
طالع دی کہ میں نے غلط کیا جو "سیو" لکھا۔ اس طرح حافظ فرماتا ہے۔ رع  
ہ بین تفاوت رہ از کجاست تا بجای۔ حاصل اسکا یہ کہ دیکھ کتنا تفاوت ہے۔  
ایک جگہ حرف ر دی ساکن اور ایک جگہ متحرک۔ مگر یہاں ابھی معترض کو  
گنجائش ہو کہ وہ یہ کہے کہ ہاں تفاوت کو ہم بھی جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے  
کہ تفاوت تم نے کیوں رکھا۔ اسکا جواب پہلا مصرعہ ہے۔

ع صلح کار کجا دمن خراب کجا۔ یعنی حافظ فرماتا ہے کہ میں عاشق نزار و دیوانہ ہوں۔ صلح کار سے جھگو کیا کام۔

**”سانس“** ذکر پر رب کے ملک میں جہاں تلک چلے جاؤ گے تذکر و ثابت کا جھگڑا بہت پاؤ گے۔ سانس میں سے نرزدیک مذکر ہے۔ لیکن اگر کوئی مؤنث بولیگا تو میں اسکو منع نہیں کر سکتا۔ خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔

**”سیف عدد کش“** سیف کے عدد کش اور کند کو عدد و بند۔ سیف عدد و بند نہیں ہو سکتی۔ تم کو کہتا ہوں کہ تم تلوار کو ”عدد و بند“ نہ کہو۔ کوئی اور اگر کہے اس سے درو زلف شبنگ **”زلف کو“** شبنگ اور ”شگون“ کہتے ہیں۔ ”شبیگر“ بخت کی صفت ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ”شبیگر“ اس سفر کو کہتے ہیں کہ پہر چھ گھنٹہ کی رات رہے چلیں۔ ”نالہ شبیگر“ آہ و زاری جسے شب کو کہتے ہیں۔

”زلف شبیگر“ نہ سموع نہ معقول۔

**”سنن“** بفتح و باہم حرف ثانی **”سنن“** کا قافیہ ”بن“ بھی درست ہے۔ اور ”تن“

بھی جائز ہے۔ یعنی ”سنن“ کا دوسرا حرف مضوم بھی ہے اور مفتوح بھی ہے اور سپر تقدین اور متاخرین اور اہل ایران اور اہل ہند کو اتفاق ہے۔

**”قبۃ خشتی شش“** ”قبۃ خشتی“ پوست کے ڈوڈے کو کہتے ہیں۔ اس میں کچھ تامل نہ چاہئے۔ تم اپنے تکمیل کی فکر میں رہا کرو۔ نہ ہمارا کسی پر اعتراض نہ کیا کرو والد دعا۔

(بنام مزار و سعت علیٰ خاں عزیز)

## نمبر ۱

خود اور خورشید، خور کا قافیہ، جیشید۔

خور اور خورشید [میری جان، وہ پارسی قدیم جو ہوشنگ جیشید و کبشید کے عہد میں مروج تھی اُس میں "خ" بجائے مضموم نور قاہر کو کہتے ہیں اور چونکہ پارسیوں کی دید و دانست میں بعد خدا کے آفتاب سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں ہے اسی واسطے آفتاب کو "خور" لکھا اور "شید" کا لفظ بڑھا دیا۔ "شید" بشین کو سور و یا بے معروف بروزن عید روشنی کو کہتے ہیں یعنی یہ اُس نور قاہر ایزدی کی روشنی ہے۔ خور اور خورشید یہ دونوں اہم آفتاب کے ٹھکانے جب بے عجم مل گئے تو اکابر عرب نے کہ منبع علوم ہوئے واسطے دفع التباس کے خورشید کو معدولہ بڑھا کر خور لکھنا شروع کیا ہر سینہ متاخرین نے اس قاعدہ کو پسند کیا اور منظور کیا اور فی الحقیقت یہ قاعدہ بہت تحسن ہے۔ فقیر خرو جہاں بے اضافہ لفظ شید لکھتا ہے۔ موافق قانون عظمائے عرب بواحد معدولہ لکھتا ہے یعنی خور اور جہاں باضافہ لفظ شید لکھتا ہے وہاں بے پردی بزرگاں پارسی سرسبز لفظ خور کو بے واؤ لکھتا ہے یعنی خورشید۔ خور کا قافیہ در اور ہر کے ساتھ جائز اور روا ہے۔ خود میں نے دو چار جگہ باندھا ہوگا۔ وہاں میں بے واؤ کیوں لکھوں۔ رہا خورشید چاہو بے واؤ لکھو چاہو مع الواؤ لکھو۔ میں بے واؤ لکھتا ہوں مگر مع الواؤ کو غلط نہیں جانتا اور خور کو کبھی بے واؤ نہ لکھو نکات قافیہ

ہو یا نہ ہو۔ بیسنے نظم میں وسط شعر میں آپڑے یا نہ کی عبارت میں واقع ہو  
"خو" لکھو نہ لگا۔

**تجسید** یہ بات بھی غم کو معلوم رہے کہ جس طرح خرتز جمہ نور کا ہر کا ہے  
اسی طرح جسم تر جمہ قاد رکا ہے کہ باضافہ لفظ شید اسم شہنشاہ وقت  
قرار پایا ہے۔ (بنام میر ہمدی خجرت)

## نمبر ۱۸

دہلی اور لکھنؤ کا فرق۔ شہر دہلی کی تنہا ہی کی حالت۔

دہلی اور لکھنؤ کا فرق **جان** غالب تمہارا خط پہنچا۔ غزل اصلاح کے بعد پختی  
ہے۔ سب ہر اک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے۔ مصرعہ بدل دینے سے  
یہ شعر کس تہ کا ہو گیا اے میر ہمدی نہ تھے شرم نہیں آتی ع میاں  
یہ اہل دہلی کی زبان ہے۔ اے اب اہل دہلی یا اہل ہندو ہیں یا اہل حرفہ  
ہیں یا شاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گورے ہیں ان میں سے تو کس کی زبان  
کی تعریف کرتا ہے۔ لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا ریاست تو جاتی  
رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں۔

خس کی ٹٹی پروا ہوا کا اب کہاں لطف۔ وہ تو اسی مکان میں تھا  
اب میر خیرانی کی جو ملی ہیں وہ جہت و سمت بدلی ہوئی ہے۔ بہر حال

میں گزرو مصیبت عظیم یہ ہے کہ قاری کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈگی کے  
 شہر دلی کی تباہی کی حالت کنویں بیکتلم کھا رہی ہو گئے۔ خیر کھا رہی  
 پانی پیتے گرم پانی نکلتا ہے۔ پرسوں میں سوار ہو کر کنوؤں کا حال  
 معلوم کرنے گیا تھا۔ مسجد جامع ہوتا ہوا راج گھاٹ دروازہ کو چلا۔ مسجد جامع  
 سے راج گھاٹ دروازے تک بلا مبالغہ ایک صحرائی ودق ہے اینٹوں  
 کے ڈھیر جو چڑے ہیں وہ اگر اور جا لجائیں تو ہو کا مکان ہو جائے یاد کرو  
 مرزا گوہر کے باغیچہ کی اس جانب کو کئی بانس نشیب تھا اب وہ غنچہ کے  
 صحن کے برابر ہو گیا۔ یہاں تک کہ راج گھاٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔ فیصل  
 کے کنوؤں کے کھلے رہے ہیں۔ باقی سب لٹ گیا کشمیری دروازے کا  
 حال تم دیکھ گئے ہو۔ اب آسنی سڑک کے واسطے کلکتہ دروازہ سے کالی  
 دروازہ تک میدان ہو گیا۔ پنجابی کڑہ۔ دھونی داس کا واڑہ۔ راجی گنج  
 سعادت خاں کا کڑہ۔ جرنیل کی بی بی کی جوتی۔ راجی داس گودام والے  
 کے مکانات۔ صاحب ام کا باغ و جوتی۔ ان میں سے کسی کا پتہ نہیں  
 ملتا۔ قصہ مختصر شہر صحرا ہو گیا تھا۔ اب جو کنویں جاتے رہے اور پانی  
 گوبر یا اب ہو گیا تو یہ صحرا صحرا سے کر بلا ہو جائے گا۔ اللہ اللہ دلی نہ ہی  
 اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کئے جاتے ہیں۔ داہ رے  
 حسن عقاد۔ اسے بندہ خدا اردو بازار نہ رہا اردو کہاں۔ دلی اب شہر  
 نہیں ہے۔ کنپ چھاؤنی ہے۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر۔

(ہمام میر قادی جرح)

## نمبر ۱۹

بنابہ آب رسیدن اور بنابہ آب رساندن۔ خراب اور خرابہ۔

قبلہ کل خط آیا آج جواب لکھا ہوں۔ پہلے آب کا ایک فقرہ لکھ کر اتنا ہنسوں کہ پیٹ میں بل پڑ جائیں اور آنکھ سے ہاتھ نکال آئیں۔ فقرہ۔ ”بڑھاپے میں کیا جانے کہاں کی حرارت مزاج میں آگئی ہے“ فقط کیوں صاحب تم نے بڑھوں میں اپنا نام لکھوایا تو مجھ کو لازم ہے میں اپنے کو اموات میں گنوں۔ تمہاری عمر میرے نزدیک بچاؤ سے متجاوز نہو گی۔ اگر تجاوز کیا ہوگا تو دو تین برس سے وہ تجاوز زیادہ نہوگا۔ بھائی ضیاء اللہ خاں اور تم ہم عمر ہو کہ کچھ پاس تم کچھ اوپر پاس ابھی تم دونوں صاحبوں کو ایک سو بیس میں سے ستر برس یا کچھ کم ستر برس باقی ہیں۔

بنابہ آب رسیدن اور ”بنابہ آب رسیدن“ لازمی اور ”بنابہ آب رساندن“

بنابہ آب رساندن مستعدی باجماع جہوں ضد و میں ہے۔ ہم ہمیں استحکام و ہم معنی انہدام۔ در صورت استحکام نہوگا کہ کھو دنا ملحوظ ہے۔ اور در صورت انہدام لطمہ امواج یللاب مد نظر ہے۔ آپ کے لکھے ہوئے دونوں شعر مفید معنی خرابی ہیں۔ صائب رع بنائے عمر مسرح و خضر آب رسید۔ یعنی ویران ہو گئی ڈھلے گئی حال آنکہ وہ یقیناً جاودانی تھی۔ ع ہنوز تشنہ فوست تیغ مرگانش۔ بالآخر تیغ مرزہ نے دوزندہ جاوید کو مارا



مگر اتناک تشنہ خون ہے۔ "تشنہ" بمعنی مشتاق اور "خون" بمعنی قتل اور "بنائے عسکر" کسبِ لندن "استعارہ ہلاک یہ ہزار میکرہ را محبت آب رساند بنائے عسکر" شیخ چمنان برپاست۔ "بنائے میکرہ" غلط "ہزار میکرہ" صحیح ہے۔ کلیم کے دیوان میں موجود۔ یعنی محبت نے ہزار میکرہ ڈھادیے دریا برد کر دیئے صومۂ زرق وریا اتناک معمور و موجود ہے۔ بمعنی استحوکامِ نعمتِ خاں عالی کتنا ہے۔ نیست کلم گر رسد دنیا و دنیا تا آب بہ چوں حباب ایں خانہ بے بنیاد میدانیم ماہ صاحب کتنا چگونہ شمع بجلی ز رشک نگذار و نوح تو خانہ آئینہ آب ساند بنون موقوف۔ غالب کتنا ہے کہ اساتذہ کے کلام کے مشاہدہ میں اگر تو غل ہے تو ہزار بات نئی معلوم ہوتی ہے۔

**خراب اور خراب** میں نے سات شعرا میر خسر و کی غزل پر لکھا ایک طرب کو فیے وہ ٹبلوں میں گانے لگا۔ اکبر آباد لکھنؤ تک مشہور ہوئے۔ وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے مطلع از جسم بجان نقاب تاکے پائیں گنج دریں خراب تاکے۔ ایک صاحب گره میں اور ایک صاحب لکھنؤ میں معترض ہوئے کہ گنج در خرابہ بایں در خراب۔ ہر چہ کہ کہا کہ خرابہ مزید علیہ اور اصل لغت خراب غریب الہمل یعنی ویران ویرانہ ہے جس کی ہندی اور چڑ۔ معترض مصر رہا۔ صاحب کے دیوان میں سے یہ مطلع نکلا۔ بہ فکر دل نہ فتادنی ہیچ باب یرغ۔ گنج راہ ہندی دریں خراب یرغ (بنام خواجہ غلام غوثہ بنخبر)

## نمبر ۳۰

شگفتی اور شگفت شفق۔ خراب یعنی خرابہ۔ دیران و دیرانہ۔ موج و موجہ۔

جناب بھائی صاحب قبلہ۔ یقین ہے کہ آپ مع النیر اپنی دارالریاست  
میں پہنچ گئے ہوں اور بحیثیت خاطر روزہ رکھتے ہوں۔ پان کے خیال  
اور مولوی الطاف حسین کے فراق کے سوا کوئی وجہ ملال نہ ہو۔ خدا کے  
شگفتی اور شگفت [ ] تم کو یاد آجائے کہ مفتی جی شگفتی "کو شگفت" کا فرید علیہ

مسلم نہیں جانتے تھے۔ سکنہ نامہ میں دیکھا ہے

بے در شگفتی نمودن طواف عنان سخن راکش در گزاف

شفق [ ] صہبائی شفق صبح کو غلط اور اس رنگ کو مخصوص بنام جانتا تھا  
محمد سید اشرف مازندانی کے کلام میں نظر پڑا ہے پھر صبح شفق آلودہ  
رخس ہرخ و سفید۔

اب جو فقیر کا یہ مطلع مشہور ہوا۔ اسے از جسم بجاں نقابا کے  
ایں لہجہ دریں خراب تا کے۔ حضرات کو اس میں تامل ہے۔ خرابہ کی  
خراب یعنی خراب [ ] جگہ خراب کو نہیں مانتے۔ آیا یہ نہیں جانتے کہ لغت عربی

دیران و دیرانہ، موج و موجہ [ ] اصل خراب اور خرابہ فرید علیہ۔ دیران لغت

فارسی اصل اور "دیرانہ" فرید علیہ۔ "موج" لغت عربی اصل اور "موجہ"  
فرید علیہ ہے۔ فرید علیہ جائز اور لغت اصلی ناجائز کیوں ہو۔



متردد ہیں کہ آیا یہ ترکیب جائز ہے یا نہیں؟ اب میں متنبہ ہوا کہ واقعی جو میں نے کھادہ سوال دیگر اور جواب دیگر تھا۔ شربوس کا پیر خرف حواس معرض تلف۔ اگرچہ سوال کو غلط سمجھا لیکن جواب غلط نہیں لکھا۔ "بیدن بنا آب" ہم بمنہ استحکام بنا و ہم بمنہ انہدام بنا درست فقط۔ اب آب در بنا ریدن" و رساندن" کی کیفیت سننے فقیر نے اساتذہ کے کلام میں کہیں یہ ترکیب نہیں دیکھی پس میں اس کی صورت اور غلطی میں کلام نہیں کر سکتا۔ جانب غلطی میں سے نزدیک آج ہے۔ آپ جب تک کلام اہل زبان میں نہ دیکھ لیں اسکو جائز نہ جلنے گا۔ مگر کلام سعدی و نظامی و خراسانی اور ان کے مشال و نظائر کا معتمد علیہ ہے نہ آکر نہ واد و واقف اور قسطل غنیہ میں کما۔

میرا ایک مطلع ہے سے از جسم بجان نقاب تاکے؛  
 این گنج درین خراب تاکے؛ ایک گروہ معارض  
 ہوا کہ گنج کو "خرابہ" کہو "نہ خراب"۔ میں متحیر کہ یا رب کس سے کہوں  
 "خرابہ" مزید علیہ "خراب" ہے۔ مثل دیوان و دیرانہ و موج و موجہ۔  
 الحاق ہائے ہوز سے لغت دوسرا نہیں پیدا ہوا۔ بارے صاحب کے  
 دیوان میں ایک مطلع نظر آیا سے بفکر دل نہ فتاویٰ ہیج باب درین؛  
 بہ گنج راہ نہ بروی دریں خراب درین؛ یہ مطلع لکھ کر معترض صاحب کو  
 بھیج دیا کہ غالب کو درد سر نہ دیکھے جو پوچھنا ہے وہ صاحب سے پوچھ لیجئے۔

عارف علیشاہ خراسانی نے ہی مطلع پر یہ ازجہم بجاں  
نقاب تاکے پڑایں گنج دریں خراب تاکے تین اعتراض  
کے تھے۔ پہلا نقاب کے ساتھ عارض و لُح کا ذکر بھی ضرور تھا۔ وہ نہیں  
ہے۔ دوسرا گنج تو دیرانے ہی میں ہوتا ہے پھر اُس پر تاسف کیا جو کہتے  
ہیں "تاکے"۔ تیسرا ویرانہ کو خواہ کہتے ہیں نہ خراب۔ اور ہاں ان اعتراضوں  
کے بعد اُنھوں نے دخل کیا تھا اسے ازجہم بجاں حجاب تاکے گل بر  
لُح آفتاب تاکے خراب اور خراب کا جواب تو صائب مطلع اور پر کے  
خطوں میں لکھ چکا۔ بیہ خط بقیہ اعتراضوں کے جواب اور دخل کے  
بیجا ہونے کے اظہار میں ہے۔

(بنام خواجہ غلام غوث، بخیر)

## نمبر ۲۲

ازجہم بجاں نقاب تاکے پڑایں گنج دریں خراب تاکے۔ کے اعتراضوں کا جواب  
اور اس شعر کے معنی سمجھاتے ہیں۔ فاکر مبین۔

قبلہ دیکھئے۔ ہم عارف ہیں وروذامستے پہلے جواب نامہ کہتے  
ہیں۔ دن بھول گیا ہوں غالب ہے کہ آج تیسرا دن ہو۔ صبح کو میں نے  
آب در بنار بیدن کی بحث میں خلاصہ تحقیق لکھ کر ارسال کیا۔

۱۰۔ یسین خط نمبر ۲۲

امیدن شام کو آپ کا خط آیا۔ بقیہ جواب اب لکھتا ہوں۔

نقاب اس شعر میں بمعنی

از جسم ہماں نقاب تاسکے

حائل ہے۔ حول کو وجہ و رُخ

کے اعتراضوں کا جواب

کی خصوصیت نہیں۔ دو چیزوں کے بیچ میں جو شے آجائے۔ بلکہ اُس سے  
بڑھ کر یہ بات ہے کہ جو چیز ایک چیز کی مانع نظر آ رہ ہو وہ نقاب ہے اُس  
شے نامرئی کا رُخ بنا بہت نقاب مقدر ہے اور یہ تقدیر جائز اور طبع  
ہے۔ ”جباب“ کا یہاں اوپری یعنی بے محل اور ناملائم ہونا بشرط عقل معلوم  
طبع لطیف ظاہر ہے۔ ”گل“ خاک باب مسخیت کہتے ہیں یہ رُخ نقاب  
تک کہاں پہونچے۔ ہاں گرد و غبار میں آفتاب چھپ جاتا ہے۔ اُس کا  
استعمال اذروئے مجاز جائز ہے۔ ”گنج درویرانہ تاسکے“ یہ بہت لطیف  
بات ہے یعنی افسوس کیا جاتا ہے اُس گنج کے بیکار ہونے کا۔ ”گنج“  
سے غرض ہی تو نہیں کہ جنگل میں مدفون رہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ دفن  
سے نکلے اور صرف ہو اور لوگ اُس کے وجود سے متعین پائیں۔ یہاں ایک  
اور دقیقہ ہے کہ اس شعر میں گنج مشتبہ بہ اور روح انسانی مشتبہ ہے اور  
یہ سب جانتے ہیں کہ روح کا تعلق جسم جاودانی نہیں پس کیا قباحت  
ہے اگر ایک ستمزد ستم زدہ قطع تعلق روح کا منتظر اور مشتاق ہو مثلاً  
ایک معاد می محبوب ستمزدانہ کہے کہ اسی وہ دن کب آئیگا کہ میں قید  
سے نجات پاؤں کب تک شرک کاؤں کب تک رنج اٹھاؤں۔

فاخر مجنن

فاخر مکین ایسا عجب شجاع الدولہ وصف الدولہ کے

عہد میں۔ اس نے ہندی و نظامی و خزین کے اشیاء کو صلاصی دی  
ہیں۔ جب ایک ہندوستانی بے علم تنک مایہ اساتذہ نامی عجب کے کلام  
کو اصلاح دے۔ اگر ایک عالم خراسانی نے ایک ہندی کے مطلع میں  
تصرف کیا تو کیا قباحہ لازم آئی۔ خدا شاکر کہ مجھ کو شہر برس کی عمر  
میں پچاس برس کی مشق کے بعد استاد میسر آیا۔

(بنام خواجہ غلام غوث بختیار)

## نمبر ۲۳

جناب مرزا صاحب علی کا حال تو یہ ہے  
گھر میں تھا کیا جو تراغم اُسے کرتا وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت بیر سو  
یہاں دھرا کیا ہے جو کوئی دیکھا وہ خبر محض غلط ہے۔ اگر کچھ ہے تو بدیں منط  
ہے کہ چند روز چند گوروں نے اہل بازار کو ستایا تھا۔ اہل قلم اور اہل فن  
نے بالصفاء رائے ہمہ گرا یا بند و بست کیا کہ وہ فساد مسٹ گیا۔  
اب امن و امان ہے۔

ناسخ کی نسبت مرزا کی لئے ناسخ مرحوم جو تھائے استاد تھے میرے بھی  
دوست صادق الوداد تھے مگر ایک فنی تھے۔ صرف غزل کہتے تھے۔  
قصیدہ اور مثنوی سے اُن کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصیدہ  
میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔ مثنوی کے اشیاء جو میں نے دیکھے

کیا کہوں کیا حفظ اٹھایا یہ خدا سے میں بھی چاہوں از رہ ہرز فروغ میرزا  
 حاتم علی قمر۔ اگر اسی انداز پر انجام پائے گی تو یہ مثنوی کا نامہ اردو و کملائی  
 خدا تم کو جیتا رکھے تمہارا دم غنیمت ہے۔ صاحب میں تم سے پوچھتا ہوں  
 کہ معیار الشعر میں تم نے اپنا خط کیوں چھپوایا؟ تمہارے ہاتھ کیا آیا؟  
 سنو تو سہی اگر سب کا کلام اچھا ہو اتنا زیادہ کیا رہے۔

(بنام مرزا حاتم علی قمر)

### مضمون ۲۴

جناب عالی کل میرے شفیق مکر مثنوی نواب جان کلبہ احزان میں تشریف  
 لائے۔ آپ کا سلام کہا معلوم ہوا خواجہ صدر الدین صاحب شکر کے ساتھ  
 گئے ہیں۔ اس فصل میں کہ ابھی سے رات و دن آگ برتی ہے اچھا ہوا  
 کہ زحمت سفر نہ کھینچی۔

اجی حضرت یہ مثنوی متا زلی

مرزا اپنے رفقات چھپوانے کے خواہشمند ہیں اور خواجہ

کیا کر رہے ہیں۔ رقعے جمع

غلام غوث بنجرت اپنے رفقات یا ان کی نقل طلب کرتے ہیں

کئے اور نہ چھپوائے۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے  
 جانتا ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ ان سے کہیں۔ مگر یہ تو  
 حضرت کے خستہ یار میں ہے کہ جتنے میرے خطوط آپ کو پہنچے ہیں۔  
 وہ سب یا ان سب کی نقل بطریق پارسل آپ مجھ کو بھیج دیں۔ جی یوں



چاہتا ہے کہ اس خط کا جواب ہی پارسل ہو ع تم سلامت رہو قیامتیک  
(بنام خواجہ غلام غوث بخیر)

## نمبر ۲۵

نامراد اور بے مراد۔ نامرادی کے معنی۔ سہ عاقلان از بے مراد یہاں سے خویش پناہ  
گشتند از مولا سے خویش۔

نامراد اور بے مراد حضرت پیر و مرشد۔۔۔ ناظرین "قاطع بران" پر دشمن ہوگا  
کہ "نامراد" اور "بے مراد" کا ذکر مبنی اسپر ہے کہ عبد الواسع بانسوی بے مراد  
کو صحیح اور "نامراد" کو غلط لکھتا ہے۔ میں لکھتا ہوں کہ ترکیبیں دونوں صحیح  
لیکن "بے مراد" غنی کو کہتے ہیں اور "نامراد" محتاج کو۔ اب آپ کے نزدیک  
اگر ان دونوں کا غل استعمال ایک ہی ہو تو میرا دعائے اصلی یعنی "نامراد"  
کی ترکیب کا علی الرغم عبد الواسع کے صحیح ہونا فوت نہیں۔ شعر میرا تھا  
نامرادی زندگی بر خویش ہاں کردست ترک جمعیت دل خود را بساں کردست  
نامرادی کے معنی یہاں "نامرادی" "بے مرادی" کے معنی کیونکر دیگی۔

غشیا خواہ اہل توکل خواہ اہل تول۔ متولین پر کبھی کام آسان  
نہیں ہوتا بلکہ مفلسوں سے زیادہ اُپر مشکلیں ہیں۔ بے اہل توکل اُن کی  
صفتیں اور ہیں۔ وہ اہل اللہ ہیں۔ مقربان بارگاہ کبریا ہیں۔ دنیا پر پشت پا  
ماسے ہوئے ہیں۔ کام اُپر کبھی کل تھا کہ اُنھوں نے اُسکو آسان کر دیا۔

”نامراد“ صیغہ مفرد ہے مساکین کا۔ اصناف مساکین کی شرح ضرور نہیں۔  
 سختی کشی و بنیواری و تہیدستی و گدائی یہ اوصاف ہیں مساکین کے۔ ان  
 صفات میں سے ایک صفت جس میں پانی جاوے وہ مسکین و نامراد۔  
 ابست یہ مساکین پر نہ ایک کام بلکہ سب کام آسان ہیں نہ پاس ناموس و  
 عزت نہ حُریت باہ و نکست۔ نہ کسی کے مدعی نہ کسی کے مدعا علیہ۔ وراثت  
 میں دوبارہ دینی ملی بہت خوش۔ ایک بار ملی بہر حال خوش۔ خدا کے واسطے  
 مولانا صاحب کے شعر میں سے ”نامراد“ یعنی ”کسے کی بیچ مراد نہ آتے باشند“  
 کیونکہ ثابت ہوتا ہے مساکین کی زندگی جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں آسان  
 گذرتی ہے یا غصہ یا کمی؟

راہ مولوی منوی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر ہے

عاقلاں اذ بے مراد ہست خویش

عامستلاں اذ بے مراد یہاں خویش

باخبر گشتند از مولائے خویش

باخبر گشتند از مولائے خویش۔ میں نے فتویٰ کے ایک نسخہ میں ”عاقلاں“  
 کی جگہ ”عاشقاں“ دیکھا ہے۔ بہر صورت معنی یہ ہیں کہ عاشق یا عقلاء بعد  
 ریاضت شاقہ ماسوائے اللہ سے اعراض کر کے بے مراد اور بے مدعا ہو گئے  
 یہ پایہ تسلیم و رضا ہے۔ البتہ اس رتبہ کے آدمی کو خدا سے لگاؤ پیدا ہو گا۔  
 ع باخبر گشتند از مولائے خویش۔ یہاں بھی بے مرادی سے نامرادی  
 کے معنی نہیں لئے جاتے مگر ہاں ع بے مرادی مومنوں از نیک بند  
 دوسرا مصراع و ربکی بے مراد و داشتہ ہاں دونوں مصرعوں میں  
 نامراد اور بے مرادی کے معنی میں خلط واقع ہو گیا ہے۔ خیر ”بے مراد“ اور

”نامراد“ ایک سہی۔ ہر چند دوسرے صریح مولوی میں ”بے مراد“ کے معنی  
 ”بے حاجت“ کے درست ہوتے ہیں۔ مگر ع من کہ رندم شیوہ نسبت  
 بحرف۔ زیادہ مکرار کیوں کروں۔ مہذا مصرعہ اول کی کچھ توجیہ بھی نہیں  
 کر سکتا۔ ”نامراد“ کی ترکیب کی صحت علی الرغم عبد الواسع ثابت ہو گئی۔  
 فثبت المدعا کمال یہ کہ مانند ”ناچار“ و ”بیچارہ“ اور ”ان انصاف“ اور  
 ”بے انصاف“ کے ”نامراد“ اور ”بے مراد“ کا بھی مورد استعمال مشترک ہا  
 والسلام ۲

(بنام خواجہ غلام غوث، بخیر)

## ضمیمہ ۲۶

سہل متغ کی ترکیب و تعریف۔ یہ ہے سہل متغ یہ کلام ادق مراۃ بریں پُرت تو یاد شود

سہل مراد آب در بنار ساندن اور بنابہ آب رسانیدن۔

سہل متغ کی ترکیب و تعریف پر و مرشد۔ سہل متغ میں کسرہ لام توصیفی ہے۔  
 سہل موصوف اور متغ صفت۔ اگرچہ بحسب ضرورت وزن کسرہ لام شیخ  
 ہو سکتا ہے۔ لیکن محسن فصاحت نے لام موقوف تو خود سراسر قباحت  
 ہے۔ سہل متغ اس نظم و نثر کو کہتے ہیں کہ دیکھنے میں آسان نظر آئے  
 اور سکا جواب نہو سکے بالجلہ سہل متغ کمال حسن کلام ہے اور بلاغت  
 کی نہایت ہے۔ متغ در حقیقت متغ انظیر ہے شیخ سعدی کے بیشتر  
 فقرے اس صفت پر مشتمل ہیں اور رشید و طوطا وغیرہ شعرا کے سلف نظم

اس شیوہ کی رعایت منظور رکھتے ہیں۔ خود ستائی ہوتی ہے۔ سخن فہم اگر غور کرے گا تو فقیر کی نظم و نثر میں سہل ممتنع اکثر پائے گا۔

ہو سہل متنع یہ کلام اذوق میں لایا کہ برہوں چڑھ تو یاد نہ ہو سہل متنع کے  
 یہ مصرعہ حیرت آور ہے۔ کلام اذوق سہل متنع کے

منافی ہے۔ پھر یاد نہ ہونا اور حافظہ پر نہ چڑھ جانا ہرگز سہل متغ کی صفت نہیں ہو سکتی۔ کلام اداق جس کا حفظ دشوار ہو شاید کوئی قسم تمام کلام میں سے ہو۔ ہاں کلام اداق کلام منعلق کو کہتے ہیں۔ سو کلام منعلق اور کلام سہل متغ ضد یکدیگر ہے۔ منعلق اور اداق سہل متغ اور سہل متغ منعلق اور اداق کیونکہ ہو سکے گا۔ اور حافظہ میں محفوظ رہنا کلام منعلق اور اداق کی صفت کیونکہ بڑے گی۔ ان منعلق غیر الفہم ہوگا پڑھانے والے کا معنی سمجھ میں نہ آئیے گی۔

آب درباریدن اور

آب درباریدن "بمنے" خراب بنیاد" قیامی ہے۔  
اساتذہ کے کلام میں میں نے نہیں دیکھا اگر آپ پوچھتے

ہے۔ ان ”باب رسا“ میں بتا کہ بظاہر آب درباریدن “کا مقصد منہی ہے۔

اسلے یہ شعر میرا نہیں مروجہ کام دوا صاحب کے ہنرمیں بجا کا گھائل ہے۔ مرزا صاحب نے اس کے معنی  
بمکھانے میں غلطی اور اس پر اعتراض دار و کرنے میں زیادتی کی ہے "کلام ادق" سے یہاں یہ مطلب ہے  
ہر جہت سے باعتبار لفظ کلام بہت سہل مگر بجا معنی بہت دقیق اور باریک ہے۔ اور یہی وجہ سے اس کی نقل  
غیر بری بہت مشکل ہے وہ غیر الفہم نہیں بلکہ غیر النقل ہے۔ اور حقیقی تعریف سہل معنی کی ہے۔ "سین یاد ہونے" سے  
یعنی مطلب ہرگز نہیں کہ کلام کا حفظ نہ کرنا بلکہ ہر سہل پڑھنے اور یاد رکھنے کے بعد جو کچھ اس کی نقل شمار

بلعنا کے کلام میں آیا ہے لیکن افسدہ میں سے ہے، یعنی ”دیرانی بنا“ مستعمل  
 اور ہم معنی ”استحکام بنا“ اگر اسکا لازم ڈھونڈتے تو ”ریدن بنا بہ آب“  
 ہے نہ ”ریدن آب در بنا“ جیسا کہ نعمت شان علی کہتا ہے  
 نیرت حکم گر رسد بنیاد دنیا تا آب چون حباب این خانه بے بنیاد میانییم ما  
 اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”ریدن بنا تا آب“ موجب استحکام ہے اور شاعر باوجود  
 دلیل استحکام بنا کو نامستوار جانتا ہے صاحب کہتا ہے  
 چگونہ شمع بجلی ز رشک نگدازد کُخ تو خانه آئینہ را آب رساند  
 حاجی محمد بان قدسی

گو شش عطایش رساند این خطاب کہ بنیاد کاں را رساند آب  
 یہ دونوں شعر مفید معنی دیرانی ہیں قصہ مختصر آب ریدن بنا ”خوابی خانه و“ آب  
 رساندن ”متعدی اک۔ و“ ریدن آب بنا ”اسمع میں بھی بیمار ہوں اور بیمار کے  
 واسطے انجام کو غسل صحت یا غسل بیت السلام ۱۲ ۱ بنام خواجہ غلام غوث غیر

نمبر ۱۲

خاص صاحب ایشان مران سلیمان صاحب کہ فقیر غالب کا سلام نظم و  
 دیکھ کر دل بہت خوش ہوا آج اس فن میں تم کیا ہو خدا کو سلامت سکھے۔  
 ”جفا“ کی تذکرہ دانست بھائی ”جفا“ کے مونث ہونے میں اہل دہلی و لکھنؤ کو تاہم  
 اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگال میں جہاں بولتے ہیں کہ  
 جھنی آیا اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں ورنہ ستم و ظلم مذکر اور بیداد و جفا مونث  
 ہے بے شبہ دشک و السلام و الاکرام ۱۱ بنام مراد سلیمان رعنا

## نمبر ۳۸

خانا صاحب شفق عالی شان کو میرا سلام کل مہارا عنایت نامہ پوچھا رامپور کا لٹافہ کی  
 صلاح شعر [رامپور کو روانہ ہوگا۔ کاغذ اشعار میں نے دیکھ لیا کہ میں صلاح کی حاجت تھی۔  
 گزرا ہی مرا مالہ و نہ چرخ کس سے تھاروچ کا ہندو پھر اچکے وطن سے  
 "مالہ دل" بنا دیا۔ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھتے ہیں فارسی غزل کے بے فائدہ لکھی۔  
 دیکھ صاحب تم نے اپنے مسکن کا پتہ لکھا سو پتہ دو سرون تہا رخ خط کا جواب انہ کیا  
 منشی نوکشور کے متعلق [منشی نوکشور صاحب ہین کے تھے مجھے یہ بہت ہی بصورت اور  
 مرزا کی رائے خوش سیرت سعادتمند اور مقبول پسند آدمی ہیں وہ تہا رخ مداح اور  
 میں انکا شاہان رخدا نکو اور انکو سلامت رکھے۔ (بنام مردان علیخان رعنا)

## نمبر ۳۹

بخدمت شفیق مکرئی مزاجیم بیک صاحب اللہ قلبہ بالاسرار و عینہ بالانوار سخنے چند گفتہ می شود  
 نہ در منطق پارسی و درسی ہیں ہندی سادہ و سرسری  
 جس طرح تو حمید میں نفی ماسوے اللہ دستور ہے۔ مجھکو تحریر میں حذف زوائد  
 منظور ہے۔ عزم مقابلہ نہیں۔ قصد مجاہدہ نہیں۔ سرتاسر دوستانہ حکایت ہے۔  
 خاتمہ میں ایک شکایت ہے شکوہ دردمندانہ منافی شیوہ ادب نہیں  
 معہذا اظہار درد دل مراد ہے کوئی بات جواب طلب نہیں۔ احسان مندوں  
 آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی کی طرح آدھا نام میرا نہ لکھا۔ اُن کے  
 حسن ظن کے مطابق مجھکو معشوق میرے استاد کا نہ لکھا۔ اور اگر ایک جگہ  
 یہ الفاظ کہ "بقول غالب (بالکدام خوس در جوال شد و ام)" بہم کیے۔ اور  
 دو چار جگہ کہ تو ہیں رقم کیے۔ میں نے اپنے لطف طبع اور حسن عقیدہ سے

پے فقیر کا مفہوم یوں اپنے دل شیش کیا۔ کہ حضرت نے محمد حسین دکنی  
جامع برہان کو موافق میرے قول کے خوس یقین کیا۔ باخوس درجہ اول شد  
عبارت ہے صحبت سے خواہی مدافعت کے واسطے ہو خواہی محبت سے  
مجھ کو اسکا قرب بیل آویزش ہے۔ تم کو اسکا قرب از روئے آمیزش ہے۔  
دوسرے فقرے کے معنی یہ تھے کہ ہر ملک بے تکلف میرے ضمیر میں آئے  
کہ خوس کی مدد دینے سے کوفت حاصل ہوئی۔ اور وہ کوفت باعث درد دل  
ہوئی۔ شدت درد میں آدمی چیتا ہے، چلا تا ہے، ہائے والے کرتا ہے غل  
چتا ہے، جیسا کہ سعدی کی بوستاں کی اس حکایت میں جکا پہلا مصرعہ ہے  
رع شبے زیت فکرت ہی سو ختم ہر ناما ہر ع کرنا چار فریاد خیز دزد درد۔

برہان قاطع کے متعلق جناب مرزا صاحب کیا تم نہیں جانتے۔ کیونکہ نہیں  
جانتے۔ بے شبہہ جانتے ہو گے۔ کہ اکابر اُمرت کو اُمور دینی میں کیا کیا  
منادعتیں باہم واقع ہوئی ہیں کہ فبت تکلیف یکدیگر پہونچی ہے۔ اگر فن  
لفت میں ایک شخص دوسرے کا معتقد نہوا یہاں تک کہ اسکی تحقیق بھی کی  
تو اور مدعیان علم و عقل اس مسکین کے جگر تشنہ خون کیوں ہو جائیں۔  
اور جب تک نفس ہستی اسکا صفو دہر سے نہ مشائیں آرام نہ پائیں۔ ظلم تو یہ  
ہے کہ جو کچھ میں نے قاطع برہان میں لکھا ہے نہ اسکو سمجھتے ہیں، اور نہ کچھ  
آپ لکھتے ہیں نہ اسکے معنی سمجھتے ہیں۔ سوال دیگر جواب دیگر ہے  
مدار ہے۔ خارج از بحث اقوال تکرار ہے برہان قاطع والے کی محبت سے  
دل بیقرار ہے۔ فرط غیظ و غضب بدن رعشہ دار ہے۔ منشی سادات علی

نہ ناظم ہے نہ نثار ہے۔ بلو جب اس مصرعہ کے س "مقتضائے طبیعتش  
 اینست" ناچار تکو معرض تحریر میں تھل اور تامل چاہیے۔ سخن پروری و  
 جانب داری میں تو غل چاہیے۔ بحسب اختلاف طبائع ماؤیانہ مانو بکر  
 فرہنگ نویسن یہ تو جانو کہ غالب سوزتہ اختر کا فرہنگ نویسن کے باب میں  
 کے متعلق مرزا کا عقیدہ کیا عقیدہ ہے اگرچہ قاطع برہاں میں جا بجا لکھتا آیا ہوں مگر  
 اب ہندی کی چند ہی کر کے لکھتا ہوں کہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ فرہنگ لکھنے والے  
 جتنے گزرے ہیں سب ہندی زاد ہیں اہل علم صرف و نحو عربی میں بقدر  
 تفصیل ستم اور استاد ہیں۔ علم صرف و نحو کی کتب درسی موجود ہیں جسے  
 چاہے اُس نے استاد سے اُن کتب کو پڑھ لیا ہے۔ فارسی کی جو فرہنگیں  
 حضرت نے لکھی ہیں مطالب مندرجہ کس اصول پر منضبط کیے ہیں اور  
 اُس کا علم کس استاد سے حاصل کیا ہے۔ آخر مقاصد صرف و نحو عربی بھی  
 تو صرف مطالعہ کتب سے نہیں نکالے ہیں۔ پہلے تعلیم تلم ہے پھر کتب  
 قواعد کے جا بجا والے ہیں۔ قواعد فارسی کا رسالہ اہل زبان میں سے کس نے  
 لکھا ہے۔ اور ان ہوس پشیہ فرہنگ لکھنے والوں نے وہ رسالہ کس ضل  
 عجم سے پڑا ہے۔ شیدائے ہندی سکروی نے حاجی محمد جان قدسی علیہ الرحمۃ  
 کے ایک شعر پر اعتراض کیا ہے مرزا جلالاے طباطبائی علیہ الرحمۃ  
 نے شیدائے کو خط لکھا ہے سر آغاز خط کا ایک قطعہ جس میں صحرا و دریا قافیہ  
 اور برساند رو لیت۔ شعر اخیر کا مصرع ثانی یاد رہ گیا ع یعنی بہاد یو مقوی  
 برساند خلاصہ مضمون خط یہ کہ نہ تو صاحب نے بان ہونہ زباں اہل ہے۔



یعنی مقلد اور کاسہ لیس اہل ایران ہے۔ حاجی محمد جان کے کلام کو سند پکڑ۔  
 تجھے کہنے کہا ہے کہ اُس سے لڑ۔ کیا تو نے سنا نہیں جو عربی و فیضی میں گفتگو  
 ہوئی ہے۔ اور مؤمن الدو کہ شیخ ابو الفضل کے روبرو ہوئی ہے۔ لغات فارسی  
 اور ترکیب الفاظ میں کلام تھا۔ مولانا جمال الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا  
 کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ اور نطق آہستہ بنا ہو گیا ہوں اپنے گھر کی  
 بڑھیوں سے لغات فارسی اور یہی ترکیبیں سنتا ہوں فیضی بولا کہ جو کچھ  
 تم نے گھر کی بڑھیوں سے سیکھا ہے وہ ہم نے خاقانی و انوری سے اخذ کیا اور  
 حضرت عربی نے فرمایا کہ تقصیر معاف خاقانی و انوری کا ماخذ بھی تو منطق  
 گھر کی پیرزادوں کا ہے۔ اے اہل تمیز کہاں سے لاؤں جو دیکھیں کہ حال  
 قلم و ہند کے صاحب کمال کا ہو قیاس مع الفارق کی بہار دیکھو۔ مجر و تقدم زمانہ کا  
 اعتبار دیکھو۔ مانا کہ عربی تحصیل علوم عربیہ میں اُن سے کتر ہو جیسا حبیبیان اور ایرانی ہونے  
 میں برابر ہے۔ کیا عربی کیا انوری کیا خاقانی۔ ایک شیرازی ایک خاوری  
 ایک شروانی۔ اگر غصے کوئی کہے کہ غالب تیرا بھی مولد ہندوستان ہے۔  
 میری طرف سے جواب یہ ہے کہ بندہ ہندی مولد و پاریسی زبان ہے وہ  
 ہر جہ از دست کہ پارسی نچا بردند تا بنالم ہم از اس جملہ زبانم دادند  
 زبان وانی فارسی میری از لی دستگاہ اور یہ عطیہ خاص منجانب اللہ ہے  
 مرزا کو فارسی کا خدا داد ملک فارسی زبان کا ملکہ مجھ کو خدا نے دیا ہے۔ مشق کمال  
 میں نے استاد سے چل کیا ہے۔ ہند کے شاعروں میں اچھے اچھے خوشگو  
 اور معنی یاب ہیں لیکن یہ کون احق کہے گا کہ یہ لوگ دعویٰ زبانہ انی کے

بابین رہے فرہنگ لکھنے والے۔ خدا ان کے پیچ سے نکالے۔ اشعار قدما کے  
 دھریے اور اپنے قیاس کے مطابق چل دیے۔ وہ بھی نہ کوئی ہم قدم نہ ہمراہ، بلکہ  
 گویا پراگندہ و تباہ۔ رہنا ہو تو راہ بتاے۔ استاد ہو تو شعر کے معنی سمجھائے  
 نہ آپ شیرازی نہ استاد رمضان۔ نہ ہے رگ گردن و نہ دعویٰ زبانزدانی  
 میرا یہ قول خاص ہے نہ عام ہے۔ مجموعہ فرہنگ نگاروں کے محقق ہونے میں  
 کلام ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ جامع برہان کا ماضی فرہنگ رشیدی و ہانگیری  
 ہے۔ عبدالرشید کی کیا شیخی اور میاں انجمن کی پیری ہے۔ قطب شاہ و ہانگیر  
 کے عہد میں ہونا اگر نشانے برتری ہے۔ تو بیچارہ جعفر نڈی بھی فرخ سیڑھی ہے۔  
لیکن ایک لطیفہ لکھتا ہوں اگر خفا نہ ہو جائے تو خط اٹھا دے۔ جتنی  
 فرہنگیں اور جتنے فرہنگ طراز ہیں۔ یہ سب کتابیں اور یہ سب جامع  
 مانند پیرا نہیں۔ تو تبادر لباس در لباس۔ وہم در وہم اور قیاس در قیاس  
 بیان کے چھٹکے جس قدر اُٹارتے جاؤ گے چھٹکوں کا دھیر لگ جائیگا بغیر نہ  
 پاؤ گے۔ فرہنگ لکھنے والوں کے پردے کھولتے چلے جائے لباس ہی لباس  
 دیکھو گے شخص معدوم۔ فرہنگوں کی ورق گردانی کرتے رہو ورق ہی ورق نظر  
 آئیے گے معنی موبہوم۔ طرافت پر مادیقین نہیں ہے۔ آپ کے خاطر نشین  
 کرتا ہوں جو میرے دل نشین ہے۔ فرہنگ نویسون کا قیاس معنی لغات  
 فارسی میں نہ سراسر غلط ہے۔ البتہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے۔

جامع برہان قاری کی نسبت لئے خصوصاً کوئی تو عجیب جالانہ ہے۔ لہذا یہ پرتوجہ  
 ہے یا گل ہے ویرانہ ہے۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا کہ یا سے پھلی کیا ہے یا پورے

یائے زائدہ کیا ہے۔ حیران ہوں کہ اسکی جانب داری میں فائدہ کیا ہے  
خدا جانتا ہے کہ میں یک رنگ ہوں۔ مگر دکنی کے جانب داروں کا  
چورنگ ہوں۔ مجھے جو چاہو سو کو اور دس سے تم کیوں لڑتے ہو۔ کہیں جامع  
و د لطائف غیبی "کو برا کہتے ہو کہیں نگارندہ" "دافع ہزیان" سے جھگڑنے  
ہو جانتا ہوں کہ دکنی کی عبارت کی خامی، اُس کی رائے کی کجی، اُسکے  
میاں کی غلطی، اگر نہ سب جگہ بلکہ بعض جگہ سچ جانتے ہو۔ مگر یہ میں نہیں  
جانتا کہ اتنی محبت کرنی اور اُسکے رفع تخلیہ کے واسطے توجہات بارہ  
ڈھونڈھنی کس واسطے ایسا اُسکو کیا مانتے ہو۔ مجھ پر جدا منہ آتے ہو۔

مولوی بخت علی اور میاں داد خاں سے جدا ہو گئے۔ بھائی صاحب  
منزل بچہ پن پر آگئے گو مار لڑتے ہو۔ سچ ہے غالب آگندہ گوش ہے کسی  
تہیں سننا۔ اسی سے آپ کے مقرر کئے ہوئے قاعدے کے موافق جلف  
کہتا ہوں کہ قاطع برہان و دافع ہزیان و لطائف غیبی کو ہرگز نہیں دیکھا۔

آویزہ و افسوس کے بیانی میں مجھے دہ سو ہوا  
ہے کہ مجھے اُسکا اقرار اور میرا دوست میاں داد خاں شرمسار ہے۔ جو  
کچھ اُس مصنف نے اس باب میں لکھا وہ قول مفصل اور کافی ہے یا نہیں  
یا نہ مائیں ناظرین کو اختیار ہے۔

گہری [کاف فارسی کسور بوزن اکری لغت ہندی الاصل۔ اسکی  
شرح میں جداگانہ ایک فصل۔ کاف فارسی کسور کی جگہ کاف عربی  
مفتوح اعراب بوزن تشری مضموع۔ مجھے اور میرے دوست سیف الحق

کو دوسو طمی پر استغذار۔ ہوا خواہ ان بوہرہ دکنی کو اغلاط متواتر کے جواز پر اصرار۔  
 فاعترفاً ادا لی الا بصار۔ خربے داو یعنی نور اور خورہ مع الواو یعنی جزام۔ ایک زہ  
 یعنی پاک اور آویرہ یعنی ناپاک۔ ایک یا دہ ہزار ایسے اغلاط مند اور مقبول اول  
 منظور۔ گو یا مصرع جو حمد میں جس عکنہ سرخچہ ہر حکم نیت۔ اسکی شان میں صادق  
 سمجھ لیا ہے چشم بدور۔ اب چاہیے کہ اس کے پوجنے والے اس کے نام کے  
 بعد ”جل جلالہ“ لکھیں۔ اور اگر اتنی جرات نہ کریں تو نظر بافادہ واستفادہ ”عم نولہ“  
 لکھیں۔ ستر برس کی عمر کا نوں سے پہر جمعیت کم تفرقہ زیاد اور پھر خود داری اور  
 کس نفس اور ستغنا خدا داد۔ ہیودہ بکنے میں اوقات کیوں صرف کروں۔  
 پاسخ نگاری کیوں لفظ بلفظ و حرف بحرف کروں۔ آپ کو اپنی ہنود اور شہرت  
 منظور ہے خمرہ گیری و عیب جوئی سے ٹھک کو نفرت ہے اور حیا آتی ہے زیادہ  
 گوئی سے۔ آپ کے حسن نکات طبابت سے قطع نظر کر کے ناظرین منصف  
 کے وجدان پر چھوڑ دیتا ہوں اور شکایت موعودہ سے پہلے تین امر ضروری  
 لکھ لیستما ہوں۔

”صیمہ“ یعنی آواز اسب زینہار نیت) اسکے سچ ہونے میں کیا کلام ہے  
 ”صیمہ“ جو ”صیمہ“ سے آواز اسب مراد لکھے وہ ناقص ہے اور خام ہے۔  
 کیا عرفی کا شعر عرفی کے خط سے لکھا ہوا کسی کو نظر پڑا کہ ناظر سے منکر تھا را ذہن  
 وقاد نقاد وہاں جالڑ لغت کسی باطن کے اندھے کے ہاتھ سے لکھا جائے اور  
 پھر عرفی جیسا شاعر دیدہ و زبان پر میں پکڑا جائے۔ تھا را محبوب بوہرہ دکنی  
 شین منقوط مع التعمانی کے بیان میں ”مشیمہ“ کو گھوٹے کے ہنہانے کی

”صہیل“ فارسی بتاتا ہے۔ عربی میں گھوڑے کے ہنٹانے کو ”صہیل“ بوزن  
 دلیل کہتے ہیں۔ ”صیحہ“ بوزن بیضہ عموماً بیٹے ہر صد سے ہولناک مہیب بتا رہی  
 میں کہو نکر فرہنگ نگاروں کے اور ان کے مددگاروں کے قیاس کو دیکھیں۔  
 اور کیونکر کاہنوں کے املا کو مصحف مجید کی طرح سر پر دھروں۔ یہ تو عجیب سکتا  
 ہے کہ میں اپنے کو چاد اور نبات فرض کروں۔ جرم و خطا سے بلوغ برگردن نہ جاؤں  
 جناب است“ میں آپ کو مخاطب بالفتح ٹھہر کر یہی فقرہ پڑھ کر چپ ہو رہتا ہوں۔  
 بعد اسکے تبدیل حیم بیائے تختانی کو نامعلوم کہتا ہوں۔ یعقوب کو بغیر لہجہ گریزی  
 زبان میں جا کو ب کہتے ہیں۔ کہاں مبدل منہ کہاں تغیر لہجہ، حضرت آپ جو  
 کہتے ہیں خوب کہتے ہیں۔ گو دک کو ترجمہ طفل نہیں مانتے اور پھر خاتمہ میں بیگانہ  
 بصینہ جمع لکھواتے ہو۔ واقعی یوں ہے کہ جو کچھ لکھواتے ہو بہ نیر دے بصر نہیں کہہ  
 اذ روئے سمع لکھواتے ہو۔

خط تمام ہو اب تنفیث کی عرضی کی سماعت ہو۔ لیکن سماعت اذ روئے  
 انصاف بالائے طاعت ہو۔ عرضی گذرانے سے پہلے مستفیث پوچھتا ہے کہ  
 آپ کے حکم عالیہ کا سرشتہ دار دیانت دار ہے یا نہیں؟ سخن فہم و ہوشیاء  
 ہے یا نہیں؟ میں تو گمان کرتا ہوں کہ امین نہ ہو۔ دلیل سن لیجئے اگر یقین نہ ہو۔  
 دھیمہ یعنی آواز سپ زہار نیست، اسکے ماقبل اور بھی عبارت ہے ہنٹانے  
 والے نے پڑھی ہو کتنا بے ہوش ہے۔ کس واسطے کہ اس عبارت کے مفہوم کو ٹوٹا نہ کھٹا  
 اور محمد اکرم پنجابی کا شعر تو قابل التفات نہیں مگر لانا جال الدین عرفی  
 شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر بہ تنبیہ کا تب غلط لکھوا دینا تم سے (ایسا بے ہوش)

انشاء میں ناسخوں کی تحریف کو مانتے ہو۔ اہل میں کاتبوں کی غلطی کے کیوں نہ  
 قائل ہو۔ انشاء و اطلاق و لفظ و معنی میں تقلید چھوڑ کر تحقیق کے کیوں نہ مائل ہو۔  
 تقصیر معاف یہ نہ استناد بکلام عرفی عالی مراتب ہے بلکہ پیروی خامہ بکفر قار  
 کاتب ہے۔ کہ چکا ہوں کہ نہ مجھ کو مناظرہ کا داغ۔ نہ ہجوم امراض جسمانی و آلام  
 روحانی سے فراغ۔ آگے جو ہمت نہیں ہادی تھی اور غیب سے توقع بڑگاری  
 تھی۔ تو یہ اپنا شعرا و دویسے کرد زبان اس نہج سے میں زمرہ منہ سنج فہماں  
 رہتا تھا۔

رات دن گردش میں ہیں سات آسمان ہور ہیکا کچھ نہ کچھ گھبرا ئیں کیسا  
 اب جو صلیح حال و حصول مطالب سے دل مایوس ہے۔ تو طبیعت ہی غزل  
 کی اس بیت کے ترنم سے مافوس ہے۔

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھے دکھلا ئیں کیسا  
 کوئی یہ نہ سمجھے کہ بڑا دنا رزق کا ہے جب معاش مقرر ہو تو پھر غم کیا ہے۔ نا  
 صاحب یہ باتیں جانوروں کی ہیں کہ کچھ کھالیا پانی پی لیا اور چین سے سو گیا  
 آدمی عموماً اور صاحبان تنگ و ناموس خصوصاً باوجود فراغ معاش ایسی  
 جاگداز بلاؤں میں مبتلا ہیں کہ کوئی کیا کہے۔ یہ حال تو یا صاحب اقمہ جانے  
 یا خدا جانے۔ دوسرے سے یہ کار افتادہ کیوں کہے اور بغیر کہے دوسرا کیسا  
 جانے۔ مناظرہ کا تو ہرگز ارادہ نہیں۔ اگر مردہ دل نہ تو باتیں کتنا زیادہ  
 نہیں وہ بھی از روئے بحث و تکرار نہ باندا استفار۔ اظہار سے مقصود  
 نفس اظہار۔ یہ جو آپ نے مولوی امام بخش کو امام المحققین خطاب دیا ہے کتنے

تحقیقین نے آپ کو اپنا امام بن لیا۔ جب تک نہ اجماع تحقیقین کا ہو گا یہ خطاب باجماع اہل عقل ناجائز و ناروا ہو گا۔ وہ فرماں ردائے عہد شاہنشاہ کھلائے گا کسی بادشاہ جس کے فرماں پذیر ہو جائیں گے۔ ایک سید نے اپنے لڑکے کا نام شیرشاہ رکھ لیا یہ میر شہنشاہ صاحب کیونکر شاہجہاں اہا نگیر ہو جائیں گے۔ اگر حضرت بفتحہ قاف ثانی بصیغہ رشتہ امام تحقیقین کہتے تو ایک ماموم آپ ہوئے اور نرائن داس تنہولی دوسرا ہوتا۔

سالم برہان کے تیرھویں صفحہ کی نویں سطریں آپ لکھتے ہیں (دو ہمچنین برا فراط و تفریط تو ضیع را کار بند نہ اند کہ بدال حرف گیری تو اند کرد) "تواند" تو استن کے مضارع کی بحث میں سے صیغہ واحد غائب ہے فاعل چاہتا ہے خواہی معرفہ جیسے احمد محمود خواہی نکوہ جیسے بھال کے یا ششمے مردے یا زانے اور اگر فاعل مذکور نہ ہو تو اس صورت میں "تواں کرد" چاہیے کہ تواں مالم سیم فاعل ہے۔ کرامت تو مجھے حاصل نہیں ہاں اذروے حق عقیدت کشا ہوں کہ یا آپ نے یوں لکھا ہے کہ (کے بدال حرف گیری تو اند کرد) یا "تواند" کی جگہ "تواں" رقم فرمایا ہے۔ دیکھیے آپ نے بیل کے جوئے کا بوجھ میری گردن پر رکھ دیا۔ اور میں نے ایک بیل کا بوجھ پشت مبارک سے اڑھال لیا۔ اور اسم اللہ دادخواہ جلد آ اور اپنی عرضی لایا۔ حضرت آیا اور عرضی لایا۔ پہلے پانچ کاغذوں کی نقلیں علی الترتیب پڑھی جاویں پھر سررشتہ دار صاحب بیکال امانت و دیانت عرضی سناویں۔

نقل عبارت برہان قاطعاً "آب وہ دست" بکسر دال ابجد دہاے ہوز اشارہ

حضرت رسول صلوات الله علیه است خصوصاً و شخصه را نیز گویند که بزرگ مجلس بود و اگر اشیش صدر و زینت از او باشد عموماً.

نقل عبارت قانع برهان از خامی عبارت چشم می پوشم و می خروشم که  
 «آب ده دست» مرکب از آب و ده که صیغه امر است از دادن و دست  
 که با وجود معنای دیگر مستند را نیز گویند. معنی ترکیبی رونق و هنده مند.  
 هر آینه تا مستند را بطرف نبوت یا رسالت یا هدایت مضاف نگردانند  
 بمقام لغت فرد نیارند بلکه در مداح اکابر و صدور نیز بے اضافه لفظ امر است  
 و شوکت و امثال اینها نگارند که تنها «آب ده دست» افاده معنی شویانده است  
 میکند و آن خود امانت است قبیح. بپاره و نظم و شریعت «آب ده دست»  
 دین است و نیمه مضمون را لغت اندیشیده.

نقل عبارت قانع برهان «آب ده دست» خدا نکند که این اعتراض از جانب  
 مرزا سمن باشد. که بود سمن گفته باشد. بخاطر داشت آن درج کتا  
 کرد و در آن کتایه قابل اعتراض نیست. چه «آب ده دست» جمله ترکیبی است  
 دست که در عربی و فارسی معنی مستند است مضاف و مضاف الیه معنی مضاف  
 باید دانست بلکه کلامیت مستقل بر ادب بالادست مضاف و مضاف الیه  
 که معنی صدر و مند و بزرگ قوم باشد. صاحب مؤید الفضل در لغت فارسی  
 این لغت را بلند و کتاب که آداب و قیته باشد پس صورت و صحت  
 بهمین کجاست. و در مدار نیز صاحب شیدی آورده که «آب ده دست»  
 معنی بزرگ مجلس و معنی ترکیبی آن رونق و صدر و مند و بپاره و نظم و شریعت



نعت آب ده دست رسالت دیده و نیمه مضمون را لغت اندیشیده انتی اقول  
جامع این کنایه را در نظم و شرح اضافه رسالت دیده است و همچنان در رشته تحریر  
کشیده است خاقانی گوید سه

دست آب ده مجاورش از زن ده برج که تراش  
بمصره پس گردان جناب اگر فراموش نه کنند شرح "ماهی چشمه خضر" در باب  
ایم جویند که می گویند که "آب ده دست" استعاره برای آنحضرت لغاتانی  
خالی از کاکت نیست. وای برین عقیدت که او را به پیمبری برداشتند و بانه  
در شبیه کاکت سرنگون انداختند.

نقل عبارت برهان قانع "ماهوچی شمه" خضر کنایه از زبان و دهن مشوق است.

قانع برهان یارب "ماهوچی شمه خضر" که نام نعت است من در کتاب منطبعه بدین  
صورت دیده ام سع قلند هر چه گوید دیده گوید در ضمیری گذرد که "ماهی چشمه خضر"  
ماهی چشمه خضر خواهد بود و آن خود مضمون نیست بطریق استعاره با کنایه که بخود  
بسا خون جگر خورده باشد تا در نظم و شرح خویش آورده باشد سپس هر که این را در گفتار  
خویش آورد سرقه خواهد بود از لغات مستقلة و کنایه های مشهوره نیست که بکار  
ویران روزگار آید.

شیر شزه غاب بیشتر خدا که ترجمه اسم الله است گوئی یکی از نامهای جناب  
و لایست پناه است صد هزار کس در کلام خویش آورده باشد و سرقه نیست.  
و کنی در بحث شین مع الیا "شیر شزه غاب" اسم حضرت امیر علیه السلام است  
آن مضمون است که خاقانی در قصیده تقسیمه بهم رسانده "شیر شزه" خود صفتیت

عام کہ برہم و شجاع و سرمنگ جنگی اطلاق تو اس کرد "غاب" بمعنی بیشہ  
 نیتاں است۔ ہر سہینہ اس صفت نہ سزاوارشان اسلام الہی باشد۔ خاقانی  
 خود بطریق تنزیل گفتہ است۔ این چنین صفت اسم کہے کہ بعد از خدا و رسول او  
 بہ بزرگی تو اس ستودہ و بگو نہ روا تواند بود۔ همچنین "آب وہ درست" در باب الف  
 مودہ اسم حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ علیہ قرار دادہ است۔ و این لفظیست  
 در غایت رکاکت صفت لفظ۔ (پس غالب منع کرتا ہے۔ برہان و کنی کو کہ  
 لفظ رکیک آنحضرت کے حق میں صرف نہ کرے) چنانکہ ہمدان فصل مفصل و شریف  
 مقصود ما اینست کہ این چنین مضامین لغت مستقل و کنایہ مقبول چرا قرار یابد  
 جز در شرح اشعارے کہ حاوی اس کلمات باشد چرا نگارش پذیرد۔ اعوذ باللہ  
 من الشیطان الرجیم۔

اب ترجمہ "ماہ کا ہندی" جسکی پانی اور معنی رونق و لطیف بھی آتا ہے اور اسلمہ کی  
 تیزی اور جواہر کی صفائی کو بھی کہتے ہیں۔ درست ترجمہ یہ ہے جس کی ہندی ہاتھ  
 اور معنی تم و فرع اور معنی مند بھی مستقل ہے۔ ہم کو اس مقام میں "آب" بمعنی  
 "پانی" اور "درست" بمعنی "ہاتھ" اور اس کی ترکیب یعنی "آب درست" اور اسکی  
 مقلوب یعنی "درست آب" کے باب میں کلام ہو "آب درست" بحرکت و  
 سکون مودہ عموماً ترجمہ "غسل" یہ ہے اور خصوصاً وضو کہتے ہیں تمیم کی سند  
 استاد کا شعر

بے تکلف و ساقی کن اگر دل خستہ کا بدست و شفا بخش ہمہ بیمار کات

یہ سطر اردو کی دو فارسی عبارتوں کے درمیان کتاب مطبوعہ عیسوی طبع ہو اسکا ربط کچھ میں نہیں آتا ۱۲

تخصیص کی سند نام حق کی بیت سے۔

آب دست و نماز بایدا کرد دل مصفا گداز بایدا کرد  
عرفت میں آب دست کس عضو کے غسائے کو کہتے ہیں ہم تو اتنا پوچھ کر چپ ہو رہتے  
ہیں "پس آب دہ دست" اور دست آب دہ کے معنی وضو کرانے والا اور ہاتھ  
دھولانے والا "آب" بمعنی رونق اور "دست" بمعنی "مسند" کا یہاں ادخال  
عض جہل اور صرف اہمال یہ تو میرا قول ہے کہ آب دہ دست رسالت رسول  
کو کہہ سکتے ہیں۔ ایک بے ادب فقط "آب دہ دست" کہتا ہے اور ہم منہ نہ کھتے  
ہیں۔ منشی سعادت علی کو نہ علم نہ فہم اس نے اس قباحت کو نہ جانا۔ مرزا رحیم بیگ  
صاحب انوس کی بات ہے تم نے اس بیان خاص میں برہان قاطع دالے کے  
قول کو کیوں مانا ہے۔ سر اس پر پردہ اشرف الانبیاء علیہ وآلہ السلام کی تذلیل  
اور توہین ہے اور جو پیر کو ایسا کہے وہ مجموع اہل اسلام کے نزدیک مرتد و مردود  
بے دین ہے۔ بلکہ مخالفین بھی جو مسلمان اپنے پیر کو برا کہے اُسکو برا جانیں گے  
یقین ہے۔ پس پیر کا "آب دہ دست" نام رکھنے والا مورد لعنت اللہ الملکۃ  
والناس جمعین ہے۔

خاقانی کے شعر کے لکھنے سے آپ کی کیا مراد ہے شیعوں نے نبی اور اس کا پہلا شعر جھکویا  
پہلے پوچھتا ہوں کہ "دست آبدہ" کا فاعل اور مفعول کا مبعث تم نے کس کو ٹھہرایا اور  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان سین بطریق مذکور یا مقرر کہاں پایا جب اس مصرع  
کی رود سے دست آبدہ مجاورش "دست آبدہ" پیر کا نام قرار پایا تو دوسرے مصرع کے  
مطابق رع از دن برج کو ترش "از دن" وہ کا خطاب بھی حضرت یحیٰی دقانی یا سبحان اللہ مصطفیٰ و

مجتبیٰ و رحمۃ للعالمین و خاتم المرسلین آپ کے القاب ہیں وہاں ”آبِ دہ دست“  
 بھی آپ کا لقب ٹھہرا۔ مرزا جی میں ترکِ جابل ہوں بجائے اگر مجھ کو گالیاں اڑ  
 عتاب دے گے۔ خدا کی واسطے پمیر کو کیا جواب دے گے۔ بندہ پرور خاقانی کا شعر  
 قطعہ بند ہے اور اس شعر کا پہلا شعر یہ ہے۔

روح از پے آبرو سے خود را      خلد از پے رنگ و بو سے خود را  
 دست آبِ دہ مجاورانش      اوزن دہ بر منج کو ترانشہ  
 اوپر کے دونوں مصرعوں میں ”را“ کا لفظ زائد پہلا مصرع تیسرے مصرع سے اور  
 دوسرے مصرع چوتھے مصرع سے متعلق۔ نثر اس کی فارسی میں یوں ہوتی ہے ”روح  
 از پے آبرو سے خود دست آبِ دہ مجاورانِ اوست و خلد از پے رنگ و بو سے  
 خود اوزن دہ مجاورانِ اوست“ یہ دونوں شعر کعبہ مضطرکہ کی تعریف میں اور دونوں  
 شینوں کی ضمیر بطرف کعبہ راجع۔ اس اظہار کی تصدیق تحفۃ العراقرین سے  
 کیجئے اور ہندی کی چند ہی غالب سے سن لیجئے۔ روح اپنی افزائش آبرو کے  
 واسطے وضو کا پانی دیتی ہے کعبہ کے مجاوروں کو اور خلد اخذ رنگ و بو کی واسطے

یہ قطعہ نصف و شعر مرتب ہے۔ اگرچہ بظاہر خاقانی کے یہ اشعار کعبہ مضطرکہ کی  
 تعریف میں ہیں اور دونوں شینوں کی ضمیر اسی کعبہ کی طرف راجع ہے۔ مگر یہ دونوں شعر  
 تحفۃ العراقرین میں کعبہ کی تعریف میں بطریق استعارہ لکھے گئے ہیں جس کا عنوان بیان یہ ہے ”در  
 صفت عالم گل یعنی کعبہ دل“ اور ابتدائی شعر یہ ہیں۔ ”ہے آن کعبہ کہ از سکون معاف است ہا  
 اور آخری شعر کہ ”خود طراوت است“ آن کعبہ کہ خائے قدم و دوا آن وقت کہ وقت در عدم بود نے ہر سرا ہوش  
 اُمّ غملاں ہا نے گرد و رش سپاہ فیلاں۔ وادیش ہزار سال را ہست و لیک ازہ عشق نیم گاہ ہست۔

وانہ کھلاتا ہے کہ بہت سے کبوتروں کو۔ وضو کا پانی دینا اور کبوتروں کو دانہ کھلانا ادنیٰ خدمت ہے۔ خدا کی واسطے خدمت کو حادوم کہنا مدح ہے یا مذمت ہے۔ مہمدا خاقانی کے اس مصرع سے ”دست آبدہ“ پیغمبر کو سمجھنا۔ یہ اعتنائی اور غفلت ہے خاقانی نے روح کو ”دست آبدہ“ کا فاعل مانا۔ تم نے پیغمبر کو مآس فعل کا فاعل اور ایک فعل کا دو فاعل سے متعلق ہونا کیونکر جائز جانا۔

”قافلہ شد“ یعنی قافلہ رفت یعنی قافلہ سالار رفت یعنی رسول مقبول رحلت کر دے۔ یہ قاف مع الالف میں کلام اسی سہری رسول کا ہے۔ ”دست آبدہ“ کی شرح میں تحفیر اور قافلہ شد میں استہزا ہے۔ برہان قاطع والا اگر یہ قباحتیں نہیں سمجھتا تو احمق ہے اور اگر سمجھ کر لکھتا ہے تو کافر مطلق ہے۔ اب میسر غونا بہ حسن نظم کی روانی اور قلم کی غونا بہ نشانی دیکھئے۔

**تبصرہ** مندرجہ حاشیہ ساطع برہان کے حق میں کیا فرماتے ہو اور اس فقرہ اخیر کو ”باز در شیب کاکت سترگوں انداختند“ کس کا لکھا بتاتے ہو۔ سنو فخر لفظ خدا و ختم لعل امیر الدولہ مولوی محمد فضل حق رحمۃ اللہ علیہ نے رد عقائد و ہامیہ میں بزبان فارسی ایک سالہ لکھا ہے اور اس عہد کے علماء کی اسپر ہری ہیں۔ اُس رسالہ میں جناب مولوی صاحبے حرم لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ حضرت کو قوت، جماعت، بہت تھی۔ حالانکہ یہ امر واقعی ہے یا یہ کہے کہ آپ کی رد امیلی تھی اگرچہ اس وقت میں ہو لیکن چونکہ ایک گونہ سوادب اور امانت ہے حاکم اہل اسلام کو چاہیے کہ اس قول کے قائل کو سزا دے اور اگر حاکم سزا نہ دے تو اہل شہر پر عزل حاکم واجب ہے اور اگر اہل شہر ایسا نہ کریں تو وہ شہر



بے افزائش لفظ امارت لکھو۔ انہی خصوصاً تید المرسلین مند پر کب بیٹھے تھے  
 اُن کے غلاموں کو امارت ننگ ہے اور زمزمہ "الحق فری" بلند آہنگ ہے  
 میرے خداوند کا فرش حصیر نہ گلیم ردائے صحابہ سلخ خاک۔ میں مومن مجرم  
 اپنے اُس خداوند کو جس کی شان میں مصرع اگرچہ مرجع ہے "ع" بعد از خلا  
 بزرگ توئی قصہ مختصر" لیکن قول فیصل ہو آج ہ دست و زینت بخش مند  
 کیونکر سمجھوں۔ بلکہ مجموع اہل اسلام بشرط فہم صحیح طبع سلیم گوارا نہ کرینگے کہ وہ  
 صفت عام جو دنیا داروں کے واسطے ہے قبلہ دین و دنیا پر صادق آئے۔  
 وکنی اور اُسکے فضلہ خوار قابض خطابین۔ ایہا الاخ الکرم "فضایہ غوار"  
 جواب ہے "پس گردان" جناب کا یہ کلمہ مستوجب عتاب نہیں یقین کہ اپنے  
 اب کو از روئے دلالت لفظ و معنی جان لیا ہوگا اور اس فقیر حقیر کو نظر تہ تو  
 ترک و پیشہ آبائی سپاہ گری "عسس المحققین" خطاب دیا ہوگا۔ جانتا اس  
 امر کا کہ "آب ہ دست" میں اگر آب سے پانی اور دست سے ہاتھ مراد ہیں  
 تو اس کو ہم پیچیدہ سمجھنا کتنی بے ادبی ہے۔ اور اگر "آب" کو معنی رونق اور "دست"  
 کو معنی مند مانیں تو بے الحاق لفظ نبوت ہدایت حضرت کو اس ترکیب کا  
 مشار الیہ سمجھنا کیسی بوجہی ہے "آب ہ دست" رونق بخش مند صفت ہے  
 عموماً منعمان مالدار کی۔ یہاں تک کہ مصطلح سے تعریف کر سکتے ہیں صرفاً  
 و ما ہو کا دان بلا دو مصداق کی۔

میں اب قطع کلام کرتا ہوں اور آپ کو بکمال تعظیم سلام کرتا ہوں پیغمبر کی  
 تحقیر کو مسلم نہ کہتے ہو تم جانو اور سید ابرار۔ خاقانی پر ہتھان کرتے ہو۔ تم جانو

اور وہ میدان مہمانی کا شہسوار چھکومتی نے جھک کر لکھایا کوئی اور لکھ رہا ہے اگرچہ  
وہ سب لغو اور جھوٹ ہے معقول اور راست نہیں۔ لیکن واللہ جھک کر عرصہ عشر  
میں اسکی باز خواست نہیں ہے  
زمین عشق کو بنین صلح کل کر دیم  
وہ خصم بکشمش و زما دوستی تماشکن  
(بنام مرزا جیم بیگ مصنف بلوچ برہان)

## نمبر ۲۹

صلح کا طریقہ۔ مرشار "یعنی لہریز" تو عالم سود "یعنی رند یہ نام و ننگ  
مخدوم مکرم منظر لطیف و کرم جناب مولوی صاحب شرف الوکلا۔ درویش  
گوشت نشین غالب حزمین کا سلام۔ آپ کے عنایت نامہ کے درود سے میں  
آپ کا احسان مند ہوا اور دل سے آپ کو دعائیں دیں۔ کیوں حضرت آپ  
حیران ہوئے ہو گئے کہ یہ شخص اتنا فضول اور لغو کیوں ہے۔ خط کے پہنچنے  
سے اظہار منت پذیری اگر گزاف نہیں تو کیسا ہے۔ اب اس خوشی اور  
دعائیں دینے کی وجہ سے یہ یعنی آپ کے بدبے میں نے اپنے والا برادر  
ازجان عزیز تر۔ بدل نزدیک از دیدہ دور۔ ناہر ہاں بخود مغرور۔ میر قاسم علیخان  
کا رقبہ اپنے نام کا پایا۔ اللہ اللہ اگر آپ باعث نہوتے تو بھائی صاحب کا  
لے "اشرف الوکلا" اسوجہ سے لکھا کہ ادن کی وکالت یعنی کوشش سے میر قاسم علیخان نے  
جنھوں نے مرزا سے خط و کتابت چھوڑ دی تھی مرزا کو خط لکھا۔



کلمے کو جھکو خط لکھتے۔ انہیں سے پوچھئے کہ کبھی تم نے اس کو خط لکھا ہے۔ پس بعد اس توضیح کے آپ کی تحریر کا جواب لکھتا ہوں۔

**اصلح کا طریقہ** | آپ کا واسطے اصلح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب نیش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب ہوتا ہے انکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اس کی وجہ خاطر نشان کر دیتا ہوں تاکہ آئندہ صاحب کلام اس قسم کے کلام میں خود اپنے کلام کا مصلح رہے۔

**اصلح** | مطلع کا یہ مصرع "سرخوش و شرار مستم لیلے" سان فارسی میں "شرار" صفت ہے "پیلے" کی معنی لفظی اسکے لبریز ہے۔ پس شراب کو لبریز "شرار" کہتے لبریز | کیونکہ کہیں گے۔ اور یہ جو اردو مست و شرار مترادف المعنی استقامت میں آتے ہیں اور جدا گانہ ہے۔ فارسی میں تتبع اردو کا ناجائز

زند عالم سوز کہنے "زند عالم سوز" شعریٰ جسم میں معنی "زند بے نام و تنگ" زند بے نام و تنگ | آیا ہے جیسا کہ اشتاد کہتا جو ع زند عالم سوز را با مصلحت

بینی چہ کار چس من مطلع مست تھا "میرسد بر بان از" بر شیشہ یہاں نہ ب ہے۔ "از لحد چوں خاک جسم" خاک کو جستن سے کیا علاقہ؟ نقد جاں را بہترم لیلے "تغید معنوی ہے۔" طالب عہد الستم "یعنی عہد الست" کس سے مانگتا ہے؟ ہاں "سرخوش عہد الست" مجمل و مبوق " (بنام مولوی عبدالرزاق شاہ)

ملہ۔ از گلاب یک جاں سستی صوبی گردہ ایم آفتاب صبح شتر سائے شرمنا۔ (غائب)

## نمبر ۳۱

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا۔ بقائے کلام کی دعا واسید

جناب مولوی صاحب مخدوم مولوی محمد عبدالرزاق صاحب شاکر کی خدمتیں  
بعد سلام یہ التماس ہے کہ مولوی صاحب عالیشان مولوی مفتی اسد اللہ خاں بہاؤ  
کی خدمت میں فقیر کا سلام پہنچائیے۔ میں تو آپ سے عرض کرتا ہوں مگر آپ  
مفتی صاحب سے کیسے کہجھکوا باوجود شدت نسیان آپ کا تشریف لانا یاد ہے  
چھاپے کے اجراء اٹھا کریں نے آپ کے سامنے ایک غزل اپنی پڑھی تھی جس  
کے دو شعر قطعہ بند یہ ہیں قطعہ سہ

ارزندہ گوہر چو من اندر زمانہ نیست خود را بنجاک ز بگزد حیدر سنگم  
منصور فرقتہ علی التبت الی منم آوازہ انا اسد اللہ در سنگم  
خدا کرے حضرت کو بھی یہ واقعہ یاد ہو اتحاد اسی لیل مودت روحانی ہے۔۔۔

آخر عمر میں فارسی میں خط لکھنا موقوف کر دیا تھا  
پھر حضرت مکتوب الیہ سے کلام ہے۔ اشعار بعد مکاتیب اصلاح  
کے پہنچتے ہیں یہ رتبہ میری ارزش کے فوق ہے کہ

میں آپ کے کلام میں دخل و تصرف کروں۔ بندہ نواز زبان فارسی میں خطوں  
کا لکھنا پہلے سے متر و کسے۔ پیرانہ سری و ضعف کے صدقوں سے محنت پڑی  
و جگر کا دی کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارت عزیز کی کو زوال ہے اور یہ حال ہے

سہ مکن ہے اسی اتحاد اسی کی وجہ سے یہ شعر یاد آگئے ہوں کہ انکا نام بھی اسد اللہ تھا ۱۲

سے مشغول ہو گئے قوی غالب وہ عناصر میں اعتدال کہاں۔

کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سبب و سنتوں کو جن سے کتابت رہتی ہے اردو ہی میں نیاز نامہ لکھا کرتا ہوں۔ جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے اُن میں جو صاحب الی الا فی عیادت و موجود ہیں ان سے بھی عند الضرورت اسی زبان و فوج میں مکاتیب مرسلت کا اتفاق ہو کر رہا ہے۔ پارسی مکتوبوں اور رسالوں و نسخوں و کتابوں کے مجموع شیرازہ بستہ چھاپا ہو کر اطراف و اقصائے عجم میں پھیل گئے۔ حال کی نشر و کو کون فراہم کرنے جائے جاں کنی کے خیالات نے مجھ کو ان کی تحریر و تعلق و بار سے درست بردار و آزاد و سبکدش کر دیا۔

بے شکام کی دعا و امید جو نشر میں کہ مجبور و کجا ہو کر کہاں جہان منتشر ہو گئی ہیں اور زبیر دہ ہوں انھیں کو جناب احدیت جلت عظمتہ مقبول قلوب اہل سخن و مطبوع طبایع ار باب فن فرمائے۔ اور میں اب انتہائے عمر ناپائدار کو پہونچ کر آفتاب لب بام اور ہجوم امراض جسمانی و آلام روحانی سے زندہ و درگاہ ہوں۔ کچھ یاد خدا بھی چاہیے۔ نظم و نثر کی فکر و کا انتظام ایزد دانا و توانا کی عنایت و امانت سے خوب ہو چکا۔ اگر اُس نے چاہا تو قیامت تک میرا نام و نشان باقی و قائم رہیگا۔ پس اُمیدوار ہوں کہ آپ انھیں زندہ و محقرہ یعنی تحریرات روزمرہ اردو سے سادہ و سرسری کو تا امکان غنیمت جان کر قبول فرمائے ہیں اور درویش دلریش و فردمان کشکش معاصی کے خاتمہ بخیر ہونے کی دعا مانگیں۔ اللہ بس ماسوے ہوس۔

تعمید منوی کو حضور خود جانتے ہونگے اس کی توضیح و تفصیل میں تفصیل چل  
و تطویل لا طائل کی صورت نظر آتی ہے لہذا خامہ سنساری بڑے کار نہیں آئی  
بنام مولوی عبدالرزاق شاگر

### نمبر ۳۱

حضرت مطالب علمی و شعری کا لکھنا موقوف سوال پر ہے جب حضور  
کی طرف سے کوئی سوال آئے گا بقدر اپنے معلوم کے جواب لکھا جائے گا  
[مسلح] ۵ ہیں اپنے گنہ مزیل مٹید ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے  
اس شعر میں قصداً چھاپے مگر بیان ناقص ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ صرف خوف  
اصل ایمان نہیں رہا کا بھی شمول چاہیے اور یہ بات اس تقریر میں نکلتی نہیں  
(بنام مولوی عبدالرزاق شاگر)

### نمبر ۳۲

ظلمت کدہ میں میرے شب غم کا جوش ہم [پُر مشدع اک شمع ہے دلیل سحر و نموش ہے]  
اک شمع ہے دلیل سحر و نموش [یہ خبر وہ پہلا صرصر ع ظلمت کدہ میں میرے]

۱۔ اس شعر کے متعلق دیکھو خط نمبر ۳۲ مضمون ظلمت اس شعر میں بھی اس قسم کا ہے۔  
بیان کس سے ظلمت گسری میر تیان کی ۲۔ شب مدہو جو رکھ دین پنبہ دیوار دن کے روزن میں ۳۔

شب غم کا جوش ہے۔ یہ مبتدا ہے۔ شب غم کا جوش یعنی اندھیرا ہی اندھیرا  
ظلمت غلیظہ۔ سحرنا پیدا گو یا خلق ہی نہیں ہوئی۔ ہاں دلیل صبح کی نور پر ہے۔  
بجھی ہوئی شمع اس راہ سے کہ شمع و سپر صبح کو بجھ جایا کرتے ہیں۔ لطف اس  
مضمون کا یہ ہے کہ جس شے کو دلیل صبح ٹھہرایا وہ خود ایک سبب ہے منجملہ  
اسباب تاریکی کے۔ پس دیکھا چاہیے کہ جس گھر میں علامت صبح و ظلمت  
ہوگی وہ گھر کتنا تاریک ہوگا۔

مقابل ہے مقابل <sup>بیرا</sup> ۵ مقابل ہے مقابل میرا روگ گیا دیکھ روانی میری  
تقابل و تصاد کو کون نہ جانے گا۔ نور و ظلمت شادی و عین  
راحت و بیخ و جود و عدم لفظ "مقابل" اس مصرع میں یعنی مرجع ہے جیسے حرف  
کہ بمعنی دوست کے بھی متصل ہے مفہوم شعر یہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے  
خوش و عادت ضد ہمدگر ہیں وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رک گیا۔  
غزل بعد اصلاح کے پہنچتی ہے آپ اپنی طرف سے اسکو مستصلح سمجھتے  
ہیں اور میں اُس کو اپنی جانب سے استفادہ جانتا ہوں والسلام  
(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

### مبشر

فقیر اسد اللہ نے اس کاقد کے لفافہ پر مرسلہ محمد عبدالرزاق جعفری الحیدری  
اور ٹکٹ پر "شاکر" دیکھ کر دیر تک غور کی کہ یہ وصاحب ہیں بعد مل یا د آیا  
۱۲

کہ مولوی عبدالرزاق صاحب شیشہ اور شاکر قلم ہے۔ غور کیجئے کہ زبان کا کیا عالم ہے واللہ اگر ٹھکرا دہو کہ سابق میں کوئی غزل آپ کی آئی ہے۔ یہ لفظ لکھا ہوا یکم اگست سال حال کا کل میں نے ڈاک سے پایا۔ آج غزل کو دیکھا۔ کل یہ لفظ ردانہ کر دنگا۔

**صلاح** سے کوئی آتا نہیں آگے ترسے ہوتا ہو کر آئینہ جب نظر آتا ہو تو اندھا ہو کر بیٹھتا ہے۔ مگر اتنا امل ہے کہ آئینہ نہ کو اندھا کرنا چاہیے یا نہیں۔  
 سے مردم چشم سے جب نظر آتا ہے ترا بیٹھ جاتا ہو مرے دل میں سویدا ہو کر مردم بینی آنکھ کی پتلی نذر نہیں مشتوق کی قید کیا ضرور دعویٰ حسن پرستی ہے عموماً یہ غریب ہے۔

نظر آتی ہے جہاں مردم کے چشم سیاہ بیٹھ جاتی ہے مرے دل میں سویدا ہو کر جوتی کیسی بیٹھتا ہے انکا جیسے کم ریش قاضی کی رہے پسند نہ کیا ہو کر شیشہ بے لطف ہو گیا اس واسطے کہ جوتی قاضی کی ریش کی تو وہ بہام "ریش قاضی" کستان رہا ہے

کارگا دہتی میں لالہ داغ سامان جو کارگا دہتی میں "لالہ" داغ سامان "مثل" انجمن  
 برق خرم راحت خون گرم مقامی انجمن "وہ شخص کہ داغ جس کا سراپا وہ سامان  
 ہو موجودیت لالہ کی منحصر نمائش داغ پر ہے ورنہ رنگ تو اور پھولوں کا بھی لال ہوتا ہے۔ بعد اس کے یسبیر لیجئے کہ پھول کے دخت یا قلعہ جو کچھ بوجھا جاتا ہے وہقان کو بولنے جوتے پانی دینے میں مشغول کرنی پڑتی ہے اور ریاضت  
 نہ ریش قاضی "اوس جانی" کہتے ہیں جو شیشہ پر اندھی جانی کی دانت جو بل میں لگائی جاتی ہے۔

میں لہو گرم ہو جاتا ہے۔ مقصود شاعر کا یہ ہے کہ وجود برق محض رنج و غنا ہے مزاج کا۔ وہ لہو جو کشت و کار میں گرم ہوا ہے وہی لالہ کی راحت کے خرمین کا برق ہے۔ حاصل موجودیت دلغ اور داغ مخالف راحت اور صورت رنج۔

غنیہ الم کلی جب نئی نیکلے بصورت قلب صنوبری  
نظر آئے اور جب تک پھول بنے برگ نبات

غنیہ الم کشتنا، برگ عافیت معلوم  
بادورد مجبی، خواب گل پریشان

معلوم۔ یہاں "معلوم" بمعنی معدوم ہوا اور "برگ عافیت" بمعنی مایہ آرام رخ برگ عیشے بگور خویش فرست "برگ" اور "سرور برگ" بمعنی ساز و سامان ہے۔ "خواب گل" شخصیت گل؛ باعتبار خموشی و برجا ماندگی؛ پریشانی ظاہر ہے یعنی شگفتگی۔ وہی پھول کی پنکھڑیوں کا بکھرا ہوا ہونا غنیہ بصورت دل جمع ہے، بصفت جمیعت دل گل کو خواب پریشاں نصیب ہے۔

ہم سے رنج بنائی، کس طرح اٹھایا جلتے  
برق پشت، دست بحر، شلہ خس بدنمان

ہم سے رنج الم، پشت دست صورت  
بحر اور "خس بدنمان و کاہ بدنمان

گرفتہ۔ بھی اظہار عجیب ہے۔ پس حس عالم میں کہ داغ نے پشت دست زمین پر رکھ دی ہو اور شعلہ نے تنہا دانوں میں لیا ہو ہم سے رنج و اضطراب کا تحمل کس طرح ہوئے۔

مرزا کا ابتدائی طرز اور اس کی تبدیلی  
قبضہ۔ ابتداءے فکر سخن میں بیدل و تیسر و لکھوت

تمام دوادین غالب بن بجائے "ما شگفتہا" سے "ما" کی تہ لکھا گیا ہو حالانکہ مرزا صاحب نے یہاں جو منشی بھیاییمین اور "ما" بتائے وقایہ صبح معلوم ہوئے اور دوسری صورت میں منشی کو مقابلہ کر دے مرزا میرین ضمیر کے صورت بنائی کی یک ہیوں برق خرمین ہو خون گرم دہقان کا لہو برائے سعدی کا یہ ہے برگ عیشے بگور خویش فرست؛ کس نیار دز پس تو پیش دست

کے طرز پر ریختہ لکھتا تھا۔ چنانچہ ایک غزل کا مقطع یہ تھا۔  
 طرز بیدل میں رنجیت لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے  
 پندرہ برس کی عمر ۲۵ برس کی عمر تک مضامین خیالی لکھا کیا۔ دس برس  
 میں بڑا دیوان جمع ہو گیا۔ آخر سے جب تمیز آئی تو اس دیوان کو دور کیا۔ اوراق  
 یکاں تک چاک کیے دس پندرہ شعر واسطے نمونہ کے دیوان حال میں رہنے کے  
 بندہ پروردگار اصلاح نثری کی ضرورت نہیں آپ کی انشا کی یہ روش  
 خاص دیکھ سپا در بے عیب ہے اس وضع کو نہ چھوڑیے اور جو میرا تتبع اور  
 جھپٹہ تو جسے منظور ہو تو نسخہ آہنگ وغیرہ میری مصنفات کو باعبار نظر و ضبط  
 ہمت ملاحظہ فرمائیے اور شوق بڑھائیے۔ چشم بدور طبیعت حضور کی نہایت  
 عالی اور مناسب اس فن کے ہے۔ میں آپ کی رسائی ذہن اور قوت قلم  
 سے سہید قوی رکھتا ہوں کہ عنقریب بہت خوب لکھیے گا۔ میرے اور تمام  
 دوستوں کے خزانہ دشمنوں کے رشک ہو جائیے گا۔ ان خدا لامن بزرگوار  
 یامولانا و الفضل و الکمال اولانا ۱۲ (بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

## نمبر ۳۳

قبلہ پہلے منہ ابیا پہلے منہ سینے۔

نقش فریادی الم ایران میں رسم ہے کہ داؤد خواہ

نقش فریادی ہے کی شونی خور کا

کاغذی ہے پیر بہر پیکر تصویر کا

کاغذ کے کپڑے ہیں کر حاکم کے سامنے جاتا ہے۔ جیسے شمل دن کو جلانا یا خون آلودہ



کپڑا بانس پر لٹکا کر بیجانا۔ پس شاعر خیال کرتا ہے کہ نقش کس کی شوخی تحریر کا فزادی ہے کہ جو صورت تصویر ہے اسکا پیرچہ کاغذی ہے یعنی ہستی اگرچہ مثل تصاویر اعتبار محض ہو مگر حجب رنج و ملال آزار ہے۔

شوق ہر رنگ رقیب ہر سامان نکلا

قیس تصویر کے پردے میں بھی عیاں نکلا

شوق ہر رنگ الم رقیب یعنی مخالف یعنی شوق ہر سامان کا دشمن ہے۔ دلیل یہ ہے کہ قیس جو زندگی میں رنگا پڑا پھرتا تھا تصویر کے پردے میں بھی رنگا ہی الم لطف یہ ہے کہ جنون کی تصویر باتن عریاں ہی کھینچتی ہے۔ جہاں کھینچتی ہے۔

زخم نے داد دی تنگی دل کی باریب

زخم نے داد دی یہ ایک بات میں نے اپنی طبیعت سے نئی نکالی ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں

نہیں ذریعہ راحت جرح تہ پیکار

یعنی زخم تیر کی توہین بسبب ایک زخم ہونے کے اور تلوار کے زخم کی تحسین بسبب

ایک طاق سا کھل جانے کے۔ "زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یعنی زائل نہ

کیا تنگی کو" پرفشاں "یعنی قیاب اور یہ لفظ تیس کے مناسبات۔ معنی

یہ کہ تیس تنگی دل کی داد کیا دیا وہ تو خود ضیق مقام سے گھر کر پرفشاں اور

سراسیمہ کھل گیا۔

نامنہ لب کا مکتوب الیہ رحیم بیگ نامے میرٹھ کا رہنے والا ہے

دس برس سے اندھا ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا سن لیتا ہے عبارت

لکھ نہیں سکتا لکھو ادیتا ہے۔ بلکہ اسکے ہوطن ایرماکتے ہیں کہ وہ قوت علی

بھی نہیں رکھتا اور دوس سے بدولیتا ہے۔ اہل دم ملی گتے ہیں کہ مولوی

امام خورشید صہبائی سے اُس کو تلمذ نہیں ہے۔ اپنا اعتبار بڑھانے کو اپنے کو اُن کا شاگرد بتاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ واسے اُس بیچ و پوچ جس کو صہبائی کا تلمذ ہو جب غزو قارہوار سالہ اُس کا "ساطع برہان" دلی پہونچ کر ڈھونڈھونگا اگر مل گیا تو خدمت میں پہونچے گا۔

**صہبائی** "سیلابِ چین" ایک لفظ ہے۔ ہندیان فارسی داں کا۔ اصل لغت "چلی" اور یہ لغت ترکی ہے۔ مہندا "حباب آسمان" جب تک کہ آسمان کو بھریا دریا نہ کہیں "حباب آسمان" نہ مقبول نہ مسموع "ذات" مسموع ہے۔ اگر فتمہ الف کا ایش بلع جائز ہو درنہ "ذات پروردی" کی جگہ "ادنی پروردی" بہتر ہے۔ بلکہ ذات یا ذاتِ بحسبِ صفت ہے۔ پرورش موصوف کی چاہیے نہ صفت کی والسلام۔

"بنام مولوی عبدالرزاق شاکر"

### نمبر ۳

ابنہ آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جنوری کو فقیر دلی پہونچا۔ تھکا ماندہ خستہ رنجور ہنوز افاقہ کلی نہیں پائی۔ آج صبح دم ہوا بند ہے۔ دھوپ تیز ہے۔ پشت بافتاب تکیہ کے سہارے سے بیٹھا ہوا یہ سطرین لکھ رہا ہوں۔ غزل پہونچتی ہے۔ گوندیں لٹھر کر ایک ٹکڑا کا غذا کا الگ ہو گیا ہے۔ حضرت باجی طا اسکو لفافہ سے نکالیں۔

لے کر آگے کے خط سے متعلق ہے اُسی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

ہے تمہارا آفتابہ آفتاب آسمان دیکھو اپنی چلچلی میں حباب آسمان  
اگر پسند آئے تو اس مطلع کو رہنے دیجئے۔

مولوی نظامی گنجوی علیہ الرحمۃ کا ایک شعر طالب علموں کے ہاتھ پڑا  
انھوں نے از روئے قواعد نحو انھیں کلام کرنا شروع کیا۔ مولوی کے پاس  
جب وہ کلمات پوچھنے تو فرمایا کہ "یاراں شعر مرا بھروسہ کہ برد" جو صاحب یہ  
فرماتے ہیں کہ مجبور پہلا مصرع مبتدا نہیں ہو سکتا اُن سے پوچھا چاہیے کہ  
کیا آپ اُسی پہلے مصرعہ میں سے "ظلمت کدرے میں میسیر" اسکو مبتدا  
اور (شب غم کا جوش ہے) اسکو خبر ٹھہرتے ہیں پس اگر یوں ہے تو بھی مذعا  
حاصل ہے دو مصرعہ دو سری خبر سی۔ خسریہ بھی تو مسلمات فن نحو میں  
سے ہے کہ ایک مبتدا کی دو بلکہ زیادہ خبر ہو سکتی ہیں۔ ہاں ایک قاعدہ اور  
ہے۔ یعنی جملہ فعلیہ کے ماقبل جو عبارت ہوتی ہے اُس کو مبتدا نہیں  
کہتے۔ اس مطلع کا مصرعہ ثانی جملہ اسمیہ ہے اپنے ماقبل مبتدا کو قبول کرتا ہو  
اگر ہم نے نظر اس دستور پر مضرعہ اول کو مبتدا کہا تو بھی قباحت لازم نہیں  
آتی بہر حال جو وہ صاحب سی پہلے مصرعہ کو قرار دیں وہ مجھے قبول ہے  
مگر شعر میرا اہل نہیں۔ (نام مولوی عبدالرزاق شاکر)

سلف قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالرزاق شاکر نے اس شعر میں "سیلابِ بین"  
لکھا تھا جس کو مرزا نے بدل کر "چلچلی" رکھا۔  
سلف اس شعر کے معنی کے متعلق دیکھو خط نمبر ۲۳

## تیسرا باب

صہلح کی واسطے ہائیں | مخدوم و مکرم و منظم جناب مولوی عبد المجید صاحب  
کی خدمت میں بعد ابلاغ سلام سنون الاسلام کے عرض کیا جاتا ہے کہ آپ  
کی ادا ت میرا ذریعہ فر وسادات ہے۔ دو عنایت نامے آپ کے اوقات  
مختلف میں پہونچے۔ پہلے خط کے حاشیہ اور پشت پر اشار لکھے ہوئے ہیں سا ہی  
اسطرح کی پھینکی کہ حرف بھی طرح ٹپٹے نہیں جاتے۔ اگرچہ بنانی میری بھی ہوا تریں  
مینک کا محتاج نہیں لیکن بائیمہ اُسکے پڑھنے میں بہت تکلیف کرنی پڑتی  
ہے۔ علاوہ اسکے جگہ صہلح کی باقی نہیں۔ چنانچہ اس خط کو آپ کی خدمت  
میں واپس بھیجتا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط بھار کر پھینک دیا ہوگا اور  
مہذا میرا اندیشہ آپ کو بھی ہو جائے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ اس میں صہلح کہاں کیجا  
واسطے صہلح کے جو غزل بھیجے تھے ان میں بن افراد وہیں مصرعاً فاصلاً زیادہ چھوڑ  
آپ کی خط میں جو کاغذ اشار کا ہے حروف اُسکے روشن ہیں مگر بن اسطور  
مفقود اور صہلح کی جگہ معدوم۔ آپ کی خاطر سے کچھ کتابت اٹھاتا ہوں اور ان  
دونوں غزلوں کو بعد صہلح لکھتا جاتا ہوں۔ مسودہ تو آپ کے پاس ہوگا اوستے  
مقابلہ کر کے معلوم کر لیجئے گا کہ کس شعر پر صہلح ہوئی اور کیا صہلح ہوئی اور کونسی  
بیت موقوفہ ہوئی۔

مشاعرہ یہاں شہر میں کہیں نہیں ہوتا۔ قلعہ میں  
شہزادگان تیموریہ جمع ہو کر کچھ غزل خوانی کر لیتے ہیں

قلعہ میں مشاعرہ میں  
مرزا صاحب کبھی کبھی جاتے ہیں

وہاں کے مصرعہ طرحی کو کیا کیجئے گا اور اُس پر غزل لکھ کر کہاں پڑھیے گا۔  
 میں کبھی اُس محفل میں جاتا ہوں اور کبھی نہیں جاتا۔ اور یہ صحبت خود  
 چند روزہ ہے اسکو دوام کہاں۔ کیا معلوم ہے ابھی نہو اب کی ہوتو اسینہ  
 نہو۔ والسلام مع الاکرام (بنام تاضی عبداللہ)

### نمبر ۳۷

”طرح“ بسکون و حرکت را دو باتیں سنیے طسج بسکون رائے قرشت یعنی  
 قریب ہے۔ لیکن اردو میں یہ لفظ مستعمل نہیں وہ دوسرا لفظ ہے طسرج  
 بحر گتہ رائے قرشت بروزں فرج۔ اسکو بسکون رائے مملہ بولنا عوام کا  
 منطق ہے۔ ہاں غزل کی طرح، زمین کی طرح، یہ بسکون اور مبنی روش و طرز  
 طرح ہے لفظ تین۔ طرح باریق مہسنے نمونہ اور مہسنے قریب ہے لیکن طرح تین  
 اور چہرہ ہے۔

مولوی غیاث الدین راہپوری میں ایک ملائے مکتبی تھانہ اقل  
 راہپوری کی نسبت لئے ناعاقل جس کا ماخذ اور مستند علیہ تیسل کا کلام ہوگا  
 اُس کا فن لغت میں کیا فرجام ہوگا۔

”کیتم من کہ تا ابد بزیم“ لاجل و لا قوۃ میصرع میر نہیں ”تا ابد بزیم“ یہ  
 فارسی لاء تیسل کی ہے میرا قطعہ یہ ہے  
 کیتم من کہ جاوداں بشم چون نظیری نماند طالب مرد

ورگویند در کد این سال مرد غالب بگو کہ غالب مرد  
 یہ ہمارا تاریخ از دسے بخم نہیں بلکہ از دسے کشف ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون  
 (نام قاضی عبدالمیل)

### نمبر ۳۸

بعض اشعار سے ابا پیر و مرشد، کشتہ ریا ہوتا ہے کہ اور کی غزل میرے نام  
 پر لوگ پڑھ دیتے ہیں چنانچہ انھیں دنوں میں ایک صاحب نے مجھے  
 آگرہ سے لکھا کہ یہ غزل بھیجتے ہو "اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں" میں نے  
 کہا لا حول ولا قوۃ اگر یہ میرا کلام ہو تو مجھ پر لعنت سیطرح زمانہ سابق میں ایک  
 صاحب نے میرے سامنے یہ مطلع پڑھا ہے

اسد اس جفا پر تہوں سے وفا کی مرے غیر شاہش رحمت خدا کی  
 میں نے منکر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مطلع ہے اس پر بقول اُسکے  
 رحمت خدا کی اور اگر میرا ہو تو مجھ پر لعنت۔ اسد اور شیر اور بت اور خدا اور  
 جفا اور وفا میری طرز گفتار نہیں ہے۔ (نام قاضی عبدالمیل)

### نمبر ۳۹

قبلہ، حضرت کا نوازش نامہ آیا میں نے اوسکے  
 حوزہ بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میں سکر واسطے شریف  
 شوقیہ خط۔ فارسی کاشون اور  
 اسے ساتھ اپنی طبعی مناسبت

عروہ افخار ہے۔ فقیر اُمیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی نہ سرسری بلکہ سرسرد دکھایا جا  
 نہ پیش نظر دہرا ہے بلکہ کشتہ دکھایا جائے۔ میں نے جو نسخہ وہاں بھیجا یا ہے  
 گویا کسوٹی پر سونا چڑھایا ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی تیج  
 ہے۔ دیباچہ و خاتمہ میں جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے کلام کی حقیقت کی داد  
 جدا چاہتا ہوں طرز عبارت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے  
 خالی نہوگی۔ گزارش لطافت سے خالی نہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں۔  
 لیکن بچپن برس سے جو سخن گزاری ہوں۔ مبرا فیاض کا فہم پر احسان عظیم ہے  
 ماخذ میر صمیم اور طبع میر سیلیم ہے۔ فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی و  
 سرمدی لایا ہوں۔ مطابق اہل پارس کے منطق کا بھی مزہ ابدی لایا ہوں۔  
 مناسبت خداداد و تربیت استاد سے صن و قح ترکیب پہچاننے لگا۔ فارسی  
 کے غوامض جاننے لگا۔ بعد اپنی تکمیل کے تلامذہ کی تہذیب کا خیال آیا۔  
 قاطع برہان کا لکھنا کیا ہے گویا باسی کرڑھی میں اُبال آیا۔ لکھنا کیا تھا کہ سہام  
 ملامت کا ہدف ہوا۔ ہے یہ تنک مایہ معارض اکا بر سلف ہوا۔ ایکسا  
 صاحب فرماتے ہیں کہ قاطع برہان کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرتا ہوں کہ  
 حضرت برہان قاطع و قاطع برہان ایک نسط ہے۔ برہان قاطع نے کیا لکھا  
 نینو بن سکھ قطع کیا ہے جو آپ نے اسکو قاطع لقب دیا ہے۔ برہان صہبک  
 غیر کی کسی برہان کو قطع نہ کرے گی کیونکہ برہان قاطع نام پائے گی۔ برہان قاطع  
 کی صحت میں صحتی تقریر کیجیگا وہ قاطع برہان کی صحت کے ثبوت کے کام آئیگی۔  
 قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے گویا یہ کتاب معشوق اور یہ قطعہ کا کہنا ہے

جناب ذاب صاحب کا نیاز مند اور بندہ فرمانبردار ہوں۔ بعد عرض سلام  
 شکر کے پسند آنے کا شکر گزار ہوں۔ آپ کے علم و فضل اور فہم و ادراک کی  
 جو تعریف کی جائے وہ حق ہے لیکن میرے شعر کی تعریف صرف خریدار ٹی گان  
 بے رونی ہے۔ (بنام مفتی میر عباس)

### منبر

قبلہ، فقیر ہمیشہ مورد اعتراضات رہا ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوا ہے کہ بعد  
 دو چار دن کے معترض صاحب کا خط آتا ہے۔ لغت و ترکیب معترض نہ  
 کی سند کے اشعار حضرت نے اُس خط میں درج کئے ہیں۔ اللہ اللہ جو کلکتہ  
 جوئے از عالم واد ہمسلم بنیم میں نور نشور اٹھا تھا۔ میر شمسہ جزوے  
 پچو موسے کہ تباں باز میاں بر خیزد از عالم واد ہمسلم بنیم پچو موسے کہ تباں  
 راز میاں بر خیزد۔ ختمہ جراحتمائے اعتراض ہو لے؛ فشار اعتراض یہ کہ  
 "عالم" مفرد ہے اور سکار بظہمہ کے ساتھ بحسب جہاد قتل منفع ہے۔ تضار  
 اوس زمانہ میں شاہزادہ کا مران درانی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا۔  
 کفایت خاں اوسکا نام تھا اُس تک یہ قصہ پہنچا اُس نے اساتذہ کے  
 پان ساکشی ایسے پڑے جس میں "ہمسلم" و "ہمسہ روز" و "ہمسہ جا" مرقوم  
 تھا اور وہ اشعار قاطع برہان میں مندرج ہیں۔

درفش کا دیانی ہاں صاحب ساطع برہان میں اور مطالب بڑھائے اور



ایک دیباچہ دوسرا لکھا ہے اور درفش کا دیانی اوسکا نام رکھا اور اوسکو بھیچوایا  
ایک جلد اسکا کج اس خط کے ساتھ ڈاک میں بھیجتا ہوں بعد پہنچنے کے  
اسکو دیکھئے گا اور کثرت وقت فرصت پیش نظر رکھئے گا۔ اور جلد میں پہنچنے میں  
رہید لکھئے گا اور اگر اد صاحب اس کے طالب اور خریدار ہوں تو مجھ کو لکھئے گا دس پانچ  
دو چار جلد بھیج دوں گا۔ یہ نسخہ میری طرف سے آپ کی نذر غزل بھیجیو گا۔  
(بنام مولوی عبدالرزاق شاکر)

## نمبر ۴۱

واہ کیا خوبی قسمت ہے میری۔ بہت سے دہیا لگا ہوا تھا کہ اب منشی جی کا  
خط آتا ہے اور انکی خیر و عافیت معلوم ہوتی ہے۔ خط آیا اور خیر و عافیت معلوم ہوئی  
یعنی معلوم ہوا کہ خیر نہیں ہے اور پاؤں میں چوٹ لگی ہے.....  
نظر گفتن اور گوش گفتن نظر گفتن اور گوش گفتن ہم نہیں جانتے۔ اگرچہ  
منشی ہر گاہ پال تفتہ اور مولانا ذوالدین تلواری نے لکھا ہے  
نظارہ از خون در لم گل در استین خوش گو۔ گو کہ از چشم چمن چکید  
از چشم چمن چکید یہ سمجھنا کہ چمن از چشم چکید نظر گفتن گوش گفتن کی مانند غزل  
رکھتا ہے یہ غونفشی چشم کا استعارہ ہے اور غونفشی صفت چشم ہوتی ہے  
اگر نظر کا خوش ہونا اور کان کا شاد ہونا جائز ہوتا تو ہم اسکا استعارہ شگفتگی کر لیتے  
خوش ہونا جب صفت چشم و گوش نہ تو ہم کیا کریں۔ یاد ہے، یہ نکات سوا  
تمہارے اور کو میں نہیں بتاتا۔ میری بات کو غور کر کے سمجھ لیا کرو۔ میں پوچھنے سے

اور تکرار سے ناخوش نہیں ہوتا بلکہ خوش ہوتا ہوں۔ مگر اہاں ایسی تکرار جیسی بیش  
اور بیشیر کے باب میں کی تھی ناگوار گزرتی ہے کہ وہ سیرج تہمت تھی مجھ پر جو میں آپ  
لکھو نگام کو اس کے لکھنے کو کیوں منع کر دینگا

بے صد ہزار از نہاں الدیں سخن      گرم سخن توئی نگشت کم سخن مبہا  
ہر چہ بانفس خود کم ز بدی      نیکیش نام نمی تو انعم کرد

یہ دونوں شعر بے سقم ہیں رہنے دو

[صلح] سزا کا میم سلامت باد      کام و اکام می تو انعم کرد  
میں نہیں سمجھا کہ اسکے منے کیا ہیں کام کو کام سب کر سکتے ہیں اس میں لطف کیا ہے  
نترکتا ز می آں نازنین سوار ہنوز      زبیرہ میدد انگشت زینہ سار ہنوز

[مطلع خزین پرچہ چینی] خزین کے اس مطلع میں واقعی ایک ہنوز زائد اور بیہودہ  
ہے۔ قبیح کیواسطے سند نہیں ہو سکتا یہ غلط محض ہے یہ سقم ہے۔ یہ عیب ہے۔  
اسکی کون پیروی کر لگا۔ خزین تو آدمی تھا یہ مطلع اگر جبریل کا ہوتا تو اسکو نہ  
نہ جانو اور اسکی پیروی نہ کرو۔

[صلح] بہائی ہمارا مصرعہ اس قبیل سے نہیں ہے۔ اس میں تو مکیندہ تمام معنی  
ہے مکیندہ زائد نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ فارسی رہنے دو تو۔ اور اگر ہندی کرو  
تو مصرعہ محل اور بے معنی ہے۔ چہ گل چہ لالہ چہ نسرین چہ نسرین مکیندہ  
کیا گلاب کا پھول کیا لالہ کیا متیا کیا چمپا نہ کر ڈھنار نہ کر یعنی کیا نہ کرو۔ اب جب  
تہیں کہو کہ صاحب نے گونہ کر دتہ کوئی جانے در نہ کہی جانا نہیں جاتا کہ ذکر  
نہ کرو۔ اے تم نے کیا بھی کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ ذکر نہ کرو حضرت ذکر رضا

کیونکہ ہر سکتا ہے۔ گل ولالہ و نسرن و نترن کی طرف کہ گے ذکر کا لفظ نہیں  
بیان کا لفظ اوپر کے مصرعہ میں ہے۔ وہ بیان کا لفظ رتوں سے اور زنجیروں  
سے ان چاروں لفظوں سے ربط نہیں پاتا۔ مطلع لکھو قطعہ لکھو۔ ترجیع بند لکھو۔  
یہ مصرع معنی دینے ہی کا نہیں اصل محض ہے۔ والکلام (بنام غشی ہر گاہ پال تفتہ)

## نمبر ۴۲

بندہ پرورد "میش از بیش کم از کم" یہ ترکیب بہت فصیح ہے اسکو کوں  
و کم از کم منع کرتا ہے اور جلال اسیر کی یہ بیت بہت پاکیزہ اور خوب ہے  
اسکے معنی ہی ہیں کہ در زمان من ہر بیش از بیش شد و نہ مان و فاکم از کم شد اسکا کیا کیا گئیں  
تو تین ٹکڑے کا لفظ نشر ہے من اور تو اور وہ و فاکم۔ بیش از بیش اور کم از کم۔ یاد رہے کہ بیشتر  
بیش و کمتر از کم اگرچہ سبب معنی جائز ہے لیکن فصاحت میں کم ہو بیش از بیش کم از کم  
فصح ہے وہ شعر تمام لاغوی ہے اور ہمارا دیکھا ہوا ہے۔

قیس از تو نہ ایم کم و سے صبر  
بیش ست ترا کم ست مارا  
لیکن اس پہلے مصرعہ میں اگر کمتر ہوتا تو اور اچھا تھا۔ بہر حال اتنا خیال رہے کہ  
اسی جگہ ترکا لفظ آصح ہے چنانچہ میر انصاری ہے  
جلوہ کن منت نہ از درہ کمتر تم حسن باین تابناکی آفتاب بیش نیست

لے نصیبی گیلانی کا بھی ایک شعرا سی مضمون کا بہت خوب ہے۔

زہد و بیش جہاں بد نصیبی مجنون بیش از این عشق گراں ہمد شاہ زبڈ

رع ورنہ چشم قلم چہ از روزن دیوار کم است۔ یہاں بہت ہی اوپر ہی معلوم ہوتا ہے۔ اور زراہندی کا ترجمہ رہ جاتا ہے فارسیست نہیں رہتی۔

**ع** صلاح سہل شمار زندگی ہا۔ کچھ کو یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس مطلع کو یوں درست کر دیا ہے۔

راگان ست زندگی ہا می توان کرد جانفشان ہا  
اور اس صورت میں مطلع ایسا ہو گیا تھا کہ میرے دل میں آئی تھی کہ تم کو نہ دیا  
اور خود اس زمین میں غزل لکھوں مگر پھر میں نے سخت نہ کی اور تم کو دیدیا۔  
حضرت نے ملاحظہ نہیں کیا۔ یہ خط جو مجھے آپ نے لکھا ہے شراب کے  
نشہ میں لکھا ہے اور وہ صلاحی اور اقی بھی اسی عالم میں ملاحظہ فرمائے ہیں  
اب رع گلہ تاکہ زندگی ہا۔ اس کو موقوف کیجئے اور وہ مطلع رہنے دیجئے کہ  
وہ بہت خوب ہے۔ بعینہ مولانا طورسی کا معارف ہوتا ہے بھائی ہمارے اور اقی  
صلاحی کو غور سے دیکھا کرو ہمارے محنت و ضلوع نہ جائے۔

**ایسے چند** ایسے چند جمع ایسی کھلی ہوئی نہیں ہے۔ بلکہ فیکر کے نزدیک جمع الجمع  
ہی نہیں ہے۔ مثلاً معانی چند اور احکام چند اور اسرار چند یہ آونی لکھ سکتا ہے  
مگر ہاں آمال ہا یہ کھلی سورتھ ہے رع خطائے بزرگاں گرفتار خطاست۔ ہم کو  
اپنی تہذیب سے کام ہے اغلاط میں نہ کیوں ڈھونڈتے پھریں مثلاً حضرت  
حافظ نے لکھا ہے۔

صلاح کار کجا دمن خراب کجا بہ بنی تفاوت سے از کجاست تا کجا  
میری جان ایسے موقع میں یہ چاہئے کہ بزرگوں کے کلام کو ہم مورد اعتراض نہ کریں  
(بنام شہی ہر گول آئے)

## مذہب ۴۳

مزا آفتہ پیر شود بیاوز تم خوش گو اور زود گو مقرر ہو۔ لیکن جس کو تم تحقیقاً کہتے ہو وہ محض توہمات اور تخیلات ہیں۔ قیاس دو ٹوٹے ہوئے قیاس کہیں بظاہر واقع ہوتا ہے۔ کہیں خلاف عرفی کہتا ہے۔

**ناشتا** رخ را ناشا فرستادی یعنی رخ کو تو نے بہو کا بھیجا۔ ناشا اوسکو کہتے ہیں جسے کچھ کھایا ہو ہندی اوسکی ہمارا منہ۔ تم لگتے ہو رخ بے عجب ناشا فرستادی۔ یعنی غدا صبح جیسا کہ ہندی میں مشہور ہے اُسے ناشتہ بھی کیا ہے یا نہیں واقف کہتا ہے۔

سے محرم قفس نہ چہ ام آشتنا شدیم نفیر کفیم ساعت پر داؤ خویش را  
واقعہ پراعتراض یہ بھی ہندی کی فارسی ہے بڑی گھڑی اور سب گھڑی۔  
اہل زبان اے موقع پر طالع لگتے ہیں۔ رخ نفیر کفیم طالع پر داؤ خویش را۔

**قتیل پراعتراض** قتل کہتا ہے۔  
یک جب جگہ کے تو زخون پاک ہو کشتہ بر کشتہ تپان بود در خاک بود  
یہاں پر تیغ ہو د کا قتل ہے۔ ہندی میں کچھ نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں  
صاحب بران قاطع یہ صاحب بران قاطع کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو ہر وقت کو  
پراعتراض تین حرکتوں سے لگتا ہے۔ زیر زیر پیش کا تفرقہ منظور نہیں  
رکھتا ہے۔ لگتا ہے کہ یوں بھی آیا ہے اور یوں بھی دیکھا ہے جس لغت کو

کاف عربی سے لکھیگا۔ کاف فارسی سے بھی بیان کر گیا جس لفظ کو طے چلی  
سے لائیگا تا سے قرشت سے بھی ظہور لکھیگا۔ فضلاء کلکتہ کے حاشیہ دیکھو  
کہ وہ اسکی کیا تحقیق کرتے ہیں۔

بعض ہندی ناموں نبیا نبوت کے مشتقات میں سے ہرگز نہیں۔ امام  
کی تحقیق کے مشتقات میں سے زہار نہیں۔ بنی بخش کا مخفف نبیا

اور امام کا متعلق اگر مذکور ہے تو امامی اور اگر موش ہے تو امامی۔ طغرانی  
ہندی لغت کے لائیکا التزام کیا ہے ع وقت آں آء کہ مینار آگ ہندی  
سرکند۔ اور اساتذہ کو اسکا التزام منظور نہیں۔ مگر کیا کریں۔ گڑ گاؤں نام ہے  
ایک گاؤں کا اُس کو کیونکو بدلیں۔ ہاں گڑ بہ رب قرشت کیسنگ۔ لکھنؤ نام ہی  
ایک شہر کا وہ لکھنؤ بغیر اے غلوٹ کے کیسنگ، فی زمانہ چھاپے کو چاپ بولتے  
ہیں عربی جھکڑ کو جکر بولتا ہے ع آں باد کہ در ہند گرایہ جکر آید۔ رار اقبیلہ  
اسے غلوٹ۔ تشدید۔ یتینوں ثقالتیں مٹادیں صاحب بران قاطع اس  
لفظ کو فارسی بتاتا ہے۔ اور زبان علمی اہل ہند میں بھی اسکو مشترک جانتا ہے  
اپنے کو روا اور خلق کو گراہ کرتا ہے۔

ہرزہ مشتائے جادہ شناساں بزار۔ اسے کہ در راہ سخن چوں تو ہزار آمد و رفت  
خرواد فیضی اہل ہند میں سوائے خسرو دہلوی کے کوئی مسلم لثبوت نہیں۔ میا  
فیضی کی بھی کہیں ٹیک نکلی جاتی ہے "فرہنگ لکھنے والوں کا مدار قیاس  
پر ہے۔ جو اپنے نزدیک صحیح سمجھا وہ لکھ دیا۔ نظامی و سعدی وغیرہ کی لکھی ہوئی  
فرہنگ تو ہم کو نہیں ہند یوں کو کیونکر مسلم لثبوت جائیں۔ گائے کا بچہ

بزدل سحر آدمی کی طرح کلام کرنے لگا۔ بنی اسرائیل اس کو خدا سمجھ، یہ جھگڑے قہقہے جانی  
 [ارغنون] دو باتیں سنو۔ ایک تو یہ کہ ارغنون کو بغین مضموم میں نے سہو سے لکھا۔  
 دراصل ارغنون بغین مفتوح اور مخفص اسکا ارغن اور مبدل منہ ارگن ہے۔  
 [اوا] دوسرے یہ کہ جب موسیٰ خاں نے ایولے کو ایوا لکھا تو اُس لفظ کی  
 صورت میں کچھ تامل نہ رہا۔ نجات کا طالب غالب یکشنبہ ۱۴ مئی ۱۹۵۷ء  
 (بنام فنی ہرگوبال تفتہ)

## نمبر ۴۴

بھائی میصرع جو تم کو ہم پہنچا ہے فن تاریخ گوئی میں اسکو کرامت اور  
 اعجاز کہتے ہیں۔ میصرع سلمان سادگی و ظہیر کا سا ہے۔ چار لفظ اور چار دن وقفہ  
 کے مناسب۔ میصرع اکرا اور میصرع کی فکر کرنی کو اسطے واہ واہ سبحان اللہ،  
 اور یہ جو کو فکر کے لفظ میں تردد ہوا اور ایک سوکھا سہا شعر ٹھوری کا لکھا بڑا خوب  
 فر اور فر [فر] ہے یہ لفظ میرے ہاں پنج آہنگ میں دس ہزار جگہ آیا ہو گا۔ فر اور  
 فرہ لفظ فارسی مراد ہے جاہ کے پس جاہ کو اور اسکو کہنے کہا ہے کہ بغیر ترکیب  
 دیے نہ لکھے۔ عالیجاہ اور سکندر جاہ مظہر فر اور فریدوں فریوں بھی درست ہے۔  
 اور صرف جاہ اور فریوں بھی درست۔

اور ایک بات تم کو معلوم ہے کہ اس پورے خطاب کو خطاب بہادری  
 [مراتب خطاب] کہنا بہت سبب ہے۔ سنو خطاب کے مراتب میں پہلے تو خانی کا خطاب

ہے۔ اور یہ بہت ضعیف ہے اور بہت کم ہے۔ مثلاً ایک شخص کا نام ہے محمد علی  
یا محمد علی بیگ اور اسکو خاندانی بھی خانی نہیں حاصل پس جب اسکو بادشاہ  
وقت محمد علی خاں کہارے تو گویا اسکو خانی کا خطاب ملا۔ اور جو شخص کہ اس کا  
نام اہلی محمد علی خاں ہے یا وہ قوم افغان ہے یا خانی اسکی خاندانی ہے۔ بادشاہ  
نے اسکو محمد علی خاں بہادر کہا پس یہ خطاب بہادری کا ہوا اسکو بہادری کا خطاب  
کہتے ہیں اس سے بڑھ کر خطاب دو گلی کا ہے یعنی مثلاً محمد علی خاں بہادر اسکو  
منیر الدولہ محمد علی خاں بہادر کہا اب یہ خطاب دو گلی کا ہوا اسکو بہادری کا خطاب  
نہیں کہتے۔ اب اس خطاب پر افزائش جنگ کی ہوتی ہے۔ منیر الدولہ محمد علی  
خاں بہادر شوکت جنگ بھی خطاب پورا نہیں۔ پورا جب ہوگا کہ جب ملک  
بھی ہو۔ پس پورے خطاب کو خطاب بہادری لکھنا غلط ہے۔ یہ واسطے تھا کہ  
معلوم رہنے کے لکھا گیا ہے۔ اب آپ اس سات بیت کے قطعہ کو اپنے دیوان  
میں داخل و شامل کر لیجئے یعنی قطعوں میں لکھ دیجئے۔ جب تمہارا دیوان چھاپا  
جا دیگا قطعہ بھی چھپ جائیگا۔ مگر ایں منشی صاحب کے سامنے اسکو پڑھیے اور  
اُن سے استدعا کیجئے کہ اسکو اگر بھجوبین تاکہ چھاپا ہو جائے۔ اسعد الاخبار میں  
اور زبدۃ الاخبار میں یقین ہے کہ وہ تمہارے کہنے سے عمل میں لاوینگے  
مجھ کو کیا ضرور ہے کہ میں لکھوں میں نے یہاں صداق الاخبار میں چھپوادیہو۔  
(نام منشی ہر گوال تفتہ)



## نمبر ۲۵

صاحب ادوزبانوں سے مرکب ہے یہ فارسی شعارف۔ ایک فارسی  
ایک عربی ہر چند اس منطق میں لغات ترکی بھی آجاتے ہیں مگر کستر۔ میں عربی کا  
عالم نہیں۔ مگر زاجاہل بھی نہیں۔ بس اتنی بات ہے کہ اس زبان کے لغات کا  
مرزا کی عربی اور فارسی قابلیت میں ہوں۔ ہمارے پوچھنے کا محتاج اور نہ کا طلبگار رہتا  
ہوں۔ فارسی میں مبداء فیاض سے مجھے وہ دستگاہ ملی ہے کہ

اس زبان کے قواعد و ضوابط میری ضمیر میں اس طرح جاگزیں ہیں جیسے فولاد  
مرزا اور اہل فارس میں جو ہر اہل فارس میں اور مجھ میں دو طرح کے تفادست ہیں  
ایک تو یہ کہ ان کا مولد ایران اور میرا مولد ہندوستان۔ دوسرے

یہ کہ وہ لوگ آگے پیچھے سود و سوچاؤ۔ آٹھ سو برس پہلے پیدا ہوئے ہیں۔  
جو دلت عربی ہے یعنی بخشش جو آدھینہ ہے صفت شبہ کا ہے۔

اس وزن پر صیغہ فاعل میری سماعت میں جو نہیں آیا تو میں اس کو خود  
نہ لکھو گا۔ مگر جب کہ نظیری شعر میں لایا اور وہ فارسی کا مالک اور عربی کا عالم تھا  
تو میں نے مانا۔ کیا ہنسی آتی ہے کہ تم مانند اور شاعروں کے مجھ کو بھی یہ سمجھے  
کہ اُستاد کی غزل یا قصیدہ سامنے رکھ لیا یا اوسکے قوافی گھلیے اور اُن قافیوں پر

مرزا نے ریختہ کب کہنا لفظ جوڑنے لگے ملاحول و لا قوۃ الا باللہ بچپن میں جب  
شروع کیا اور اُسکے میں ریختہ کہنے لگا ہوں۔ یعنی ہو مجھ پر اگر میں نے کوئی ریختہ  
کہنے کا طریقہ یا اُسکے قوافی پیش نظر رکھ لیے ہوں صرف بحر اور رد و قافی

دیکھ لیا۔ اور اُس زمین میں غزل قصیدہ لکھنے لگا۔ تم کہتے ہو۔ نظیری کا دیوان  
وقت تحریر قصیدہ پیش نظر ہوگا اور جو اُسکے قافیہ کا شعر دیکھا ہوگا اُسپر لکھا ہوگا۔  
واللہ اگر تمہاری اس زمین میں نظیری کا قصیدہ بھی ہے چہ جائے آنکہ وہ شعر  
بھائی شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ پائی نہیں ہے۔

**زمان** زمان لفظ عربی ازمنہ جمیع۔ دونوں طرح فارسی میں مستعمل۔ زمانے۔ یک زمان  
ہر زمان۔ زمان زمان دریں زمان۔ دران زمان صبح اور فصیح۔ جو اسکو غلط  
کہے وہ گدھا۔ بلکہ اہل فارس نے مثل صبح و موحیہ بیان بھی ہے "پڑھا کر  
زمان استعمال کیا ہو۔ یک ماں کو میں نے کبھی غلط نہ کہا ہوگا۔ سعدی کے  
شعر لکھنے کی کیا حاجت۔

سُومیاں میرے ہوطن یعنی ہندی لُج و لُوئی فارسی دانی میں دم مارتے  
ہیں وہ اپنے قیاس کو دخل دیکر ضوابط ایجاد کرتے ہیں۔ جیسا وہ گھسا گس  
عبدالواسع **اور قتل کے القاب** اُو عبد الواسع ہانوسی لفظ نامزد کو غلط کہتا ہے۔ اور یہ اُو کا پٹھا  
قتیل صفو نگہ و شفق نگہ و نشر نگہ کو۔ اور ہمہ عالم دہمہ جاو غلط کہتا  
ہو۔ کیا میں بھی ویسا ہی ہوں جو یک زمان کو غلط کہو نگا۔ فارسی  
کی میزان یعنی ترازو میرے ہاتھ میں ہو۔ اللہ اللہ و اللہ الشکر و قومہ چہار شنبہ  
۲۶ ماہ اگست ۱۸۶۲ء (بنام منشی ہرگیاں تفتہ)

نمبر ۲۶

میاں تمہارے انتقالات ذہن نے مارا۔ میں نے کب کہا تھا کہ تمہارا

کلام اچھا نہیں میں نے کب کہا تھا کہ دنیا میں کوئی سخن فہم و قدر دان نہ ہوگا۔ مگر  
 بات یہ ہے کہ تم مشق سخن کر رہے ہو اور میں مشق فنائیں مستغرق ہوں۔ بڑی سنی  
 کے علم کو اور نظیری کے شعر کو ضائع اور بے فائدہ اور موبوم جانتا ہوں۔ زلیت  
 بسر کرنے کو کچھ تھوڑی سی راحت درکار ہے اور باقی حکمت اور سلطنت اور  
 دنیا کی چیزوں شاعری اور ساعری، سب خرافات ہے۔ ہندوؤں میں اگر کوئی  
 سے بے زاری اوتار ہوا تو کیا۔ اور سلاؤں میں بنی بنا تو کیا۔ دنیا میں نام آدم  
 ہوئے تو کیا اور گم نام جئے تو کیا۔ کچھ وجہ معاشن ہو اور کچھ صحت جسمانی۔ باقی سب ہم  
 ہے لے یا رجانی۔ ہر سچہ وہ بھی دہم ہے مگر میں ابھی اسی پایہ پر ہوں۔ شاید آگے  
 بڑھ کر یہ پردہ بھی اٹھ جائے اور وجہ نیست اور صحت و راحت سے بھی گزر جاؤں۔  
 عالم بزرگی میں گزر پاؤں جس سناٹے میں ہوں وہاں تمام عالم بلکہ دونوں عالم کا  
 پتہ نہیں ہر کسی کا جواب مطابق سوال کے شے جاتا ہوں! اور جس جیسے معاملہ  
 ہے اس کو دیکھا ہی برت رہا ہوں لیکن سب کو دہم جانتا ہوں یہ دیکھا نہیں  
 ہے سب اب ہے۔ ہستی نہیں ہے پندار ہے۔ ہم تم دونوں لہجے خاصے شاعر ہیں۔  
 مانا کہ سعدی و حافظ کے برابر مشورہ میں گئے۔ ان کو شہرت سے کیا حاصل ہوا کہ  
 ہو کہ تم کو ہوگا۔

قطعات تاریخ اگرہ کیونکر بھیجوں۔ پھر تمہارے پاس بھیجتا ہوں خالق معنی  
 یعنی معنی آخرین صحیح اور مسلم اور جائز۔ لیکن جصل اللہ میں مشد دلام کو دو لام  
 کے قائم مقام قرار دیا ہے کہ اور الکی میں الف مدوہ کو دو سر الف کیونکر بھیجوں۔  
 قیاس کام نہیں آتا۔ اتفاق سلف شرط ہے جب اور کسی نے الکی میں الف و الف

نہیں ماسے تو ہم کیونکر مانیں۔ دویم بروزن جو ہم غلط۔ دوم ہے بغیر تختانی۔ بالآخر  
 دوم اور دومی تختانی بھی لکھیں گے تو دویم پڑھینگے۔ اگر جب لکھیں گے دویم واوکا  
 اعلان نکال باہر ہے۔ ہاں دومی درست ہے۔ گرنہ بہ حرف تختانی مثل مین  
 نہ بہ حذف فون بلکہ بطریق قلب بعض۔ دوم کا دومی ہو گیا۔ کنویں کی تائینخ کو  
 بے تا مل بھیج دو۔ اور تائینخ وفات کا اور مادہ سوچو۔ کس واسطے کہ جب اسکی میں  
 سے ایک الف لیا تو ایک عدد کم ہو جائیگا۔ والدعا۔ از غالب۔ روز و روزنامہ  
 بلکہ قریب و نامہ بعد خواندن نوشتہ شد۔ یکشنبہ (بنام منشی ہرگوبال قشتہ)

## نمبر ۲۶

بھائی تمہارے ذہن نے خوب انتقال کیا میں نے جو وقت یہ شعر  
 پڑھا ہے ہند آمدند سے زایراں دیار۔ آمدند کی جگہ آمدند سے بصیغہ استمرار  
 نکال باہر معلوم ہوا ہے رسیدند در ہند زایراں دیار۔ اسکی جگہ لکھ دیا۔ وقتی  
 پوسٹین کا پینا راہ میں واقع ہوا۔ پھر رسیدند در ہند بجایا۔ تمہارا تصرف مستحسن۔  
 جس طرح تم نے لکھا ہے اسی طرح کہنے دو۔ صاحب اسبناستان سے  
 کیوں گھبراتے ہو۔ میں تمہارے گھبرانے سے گھبرانا ہوں۔ منخ کو گل زلف  
 کو سنبھل فرض کرتے ہیں سبناستان میں کیا عیب ہے اور اگر نہیں پسند تو  
 یہ قصہ ہی جانے دو۔ (بنام منشی ہرگوبال قشتہ)

## نمبر ۳۸

انگشتری اور خاتم دونوں ایک ہیں تم نے خاتم معنی نگیں باندھا غلط۔  
 ”جنس وفا کے کس خمر“ کیا ترکیب ہے جنس کس خمر وفا البتہ درست ہے نظر  
 اول میں بسبب نگر جو اس اور کثرت درد و رمپا کے میں نے خیال نہ کیا ہوگا۔  
 سبحان اللہ ع دیگر تو اس گفت خاص را کہ علم است ایں“ اسکا وزن  
 کب درست ہے کیا فرماتے ہو غور کرو بعد غور کے اس کی ناموزنی کا خود

ساغر کشیدن اقرار کر دے۔ شرف قزوینی کے مطلع میں ساغر غم در کشیدہ ایم۔  
 اور ہم کشیدن دو دم در کشیدہ ایم۔ دوسرے شعر میں پہلا نہاے زہرستم در کشیدہ ایم  
 در کشیدن کو ربط پیمانہ کے ساتھ ہے یا زہر کے ساتھ۔ اگر زہر در کشیدن جا بڑ  
 ہوتا تو وہ کسے قافیہ کو کیوں چھوڑتا۔ تیسرے شعر میں قلم در کشیدن ہے چوتھے  
 شعر میں آب در کشیدن ہے پانچویں شعر میں سر در کشیدن ہے۔ کیا زہر پانی  
 ہے۔ اگر مثل زہر آب ہوتا تو رواتھا۔ سبحان اللہ یہ عبارت ”جائیکہ شرف  
 قزوینی ساغر و پیمانہ و زہر در کشیدہ“ اسے برادر شرف زہر کجا در کشیدہ۔ بلکہ پیمانہ زہر  
 در کشیدہ۔ شما ہم ساغر ہم در کشیدہ۔ ہم در کشیدن کجا و پیمانہ غم در کشیدن کجا۔  
 ہم نے تو تم کو اجازت دی ہے۔ خیر یہ ہے دو۔ ہند میں اس کو کون سمجھے گا  
 چاہو یوں کر دوسے

دانی من دل اپنے ہم در کشیدہ ایم در یک نفس دو ساغر ہم در کشیدہ ایم  
 سبحان اللہ تم جانتے ہو کہ میں اب دو صرع موزوں کرنے پر قادر ہوں

لوگو! اور شرف زہر کجا در کشیدہ۔ اصل ہمارا مصلحت ہمیں نہیں آتا۔

۵۵ دیکھو خط نمبر ۵۲ صفحہ ۱۱۳

جو مجھے مطلع مانگتے ہوں

گمانِ زلیست جو برمنٹ بید دی بدستِ مرگ لے بدتر از گمانِ تو نیست  
خیر شرفِ قزوینی کی سند پر وہ مطلع رہنے دو۔

میں ایسا جانتا ہوں کہ دراعہ بہ تشدید ہے اور وہ دس بوزن ذرع اور  
لغت ہے صاحب! یہ قصیدہ تم نے ایسا لکھا ہے کہ میرا دل جانتا ہے۔ کیا کہنا  
تقصیص ہے۔ ایک خیال رکھا کرو کہ شعر اخیر میں کوئی بات ایسی آجائے کہ جس  
خست تمام کے معنی پیدا ہوا کریں۔

دراعہ کو یہ نہ کہو کہ تشدید نہیں ہے۔ اصل لغت مشدد ہے۔ شعر اسکو مخفف بھی  
باندھتے ہیں۔ سعدی کے مصرعہ سے اتنا مقصود حاصل ہوا کہ دراعہ بے تشدید  
بھی جائز ہے۔ یاد رہے جادہ اور دراعہ دونوں عربی لغت ہیں وہ وال  
کی تشدید سے اور یہ بے تشدید سے مگر خیر جادہ دراعہ بھی لکھتے ہیں۔  
یہ نہ کہو کہ دراعہ ہرگز نہیں ہے یہ کہو کہ دراعہ بے تشدید بھی جائز ہے غالب ۱۲  
(بنام نشی ہر گز بال تفتہ)

## نمبر ۳۹

”دیدست“ یہ لفظ نیا بنایا ہے مقصود تمہارا تو میں نے سمجھ لیا مگر زہار  
اور کوئی نہ سمجھ گیا ”لغنی فی بطن القائل“ کے یہی معنی ہیں چنان پر خمار و شامان  
بیجا۔ ان دونوں ترکیبوں میں سے ایک لکھ لو۔ ان سب اشعار میں عیب  
نہ لطف۔ دیکھو صاحب خط میں تم پھر وہی ”میش و شبیر“ کا قصہ لائے۔ چچہ جرم

وچسبب وچہ گناہ پر جو بدلتے ہوئے عشق است و صد ہزار تمنائیں مرا چہ جرم  
اس کی حاجت کیا ہے۔ "جاناں مددے" "یا لیاں مددے" یہ تمام غزل اس طرح  
کی ہو اگر یہ ترکیب درست نہ ہوتی تو میں ساری غزل کیوں نہ کاٹ ڈالتا  
دیکھو رفیع السنہ اکٹھا ہے۔  
نہ ضرر کفر نہ دین کہ کوئی نقصان تھجہ باعث دشمنی لے گبر و مسلمان تھجہ  
غالب اکٹھا ہے۔

تھجہ تاک گباں کی بزم میں آتا تھا دورم ساتی نے کچھ ملانہ دیا ہوشیار میں  
یعنی اب جو دور تھجہ تاک آیا ہے تو میں ڈرتا ہوں۔ یہ جگہ سارا مقدر  
اور جیسے ہے۔ میرا فارسی کا دیوان جو دیکھے گا وہ جانے گا کہ جملہ مقدر  
چھوڑ جاتا ہوں مگر ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد۔ یہ فرق البتہ وجدانی  
ہے بیانی نہیں۔

اگر دریافتی برداشت ہے دگر غافل شدی فوس ہے  
از اسد اللہ روز جمعہ ۱۳ جنوری ۱۸۵۲ء (بنام منشی ہرگوبال تفتہ)

## نمبر ۵

بھائی ریمیا وہیمیا خرافات ہے۔ اگر انکی کچھ اصل ہوتی تو ارسطو اور افلاطون  
اور بوعلی یہ بھی کچھ اس باب میں لکھتے کہیمیا اوریمیا دو علم شریف ہیں  
جو اشیاء کی تائیس سے تعلق رکھتے وہ کہیمیا اور جو ہمارے تعلق ہو وہ  
کہیمیا اور سیمیا

سیاسہ

جہاں نسیم سیا خور دگے دل سوئے کیمیا نیا و روم  
 مزا کو رائے تقلید شرابا معنی ہو گیا۔ یہ نہ سمجھا کر دکھ اگلے جو کچھ گئے ہیں وہ حق  
 کو منع کرتے ہیں ہے کیا آپ کے آدمی الحق پیدا نہیں ہوتے تھے۔ زمانہ در زمانہ کو  
 میں پاگل ہوں جو غلط کہوں گا۔ ہزار جگہ میں نے نظم و نثر میں زمانہ زمانہ لکھا  
 ہو گا۔ وہ شعر کس واسطے کا لکھا۔ سمجھو پہلا مصرع لغو۔ دوسرے مصرع میں نبرد کا  
 فاعل معدوم حلقہ زاکا کی نسبت پر نقطہ نہ تھا میں نے غصہ میں لکھا کہ نہ حلقہ را  
 درست نہ حلقہ زار درست۔ مگر یہ فارسی بے دلانہ ہے خیر رہنے دو۔ مزا ہوں  
 مجھے سمجھاتے ہو کہ صدر جاد کلام اہل زبان خواہند یافت۔ مگر میں بانی  
 صلاح کلام اہل زبان نہیں سمجھتا کہ گوش چرخ استخوان سائید اس سے یہ  
 بہتر ہے سمجھو شد استخوان ز گوش چرخ۔ باقی اور مصرع سب اچھے  
 بنائے ہیں۔ غائب (بنام شمس مرگ پال قشتہ)

### نمبر ۵

مزا صاحب کے حضرت پر سوں صبح کو تمہارے سب کو اخذ ایک لفافہ میں بند  
 کر کے ڈاک گھر بھجوا دیے سمجھا کہ اب چند روز کو جان بچی  
 اُس دن شام کو ایک خط آپکا اور پوچھا اسکو بھی روانہ کرنا ہوں۔ اپنا حال پر سوں  
 کے خط میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ ادنی بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھتا ہوں وہ لیسے لیسے



لکھتا ہوں۔ مرثیہ کی بات ہے کہ میر لکھا ہوا میرا حال باور نہیں۔ اور کسی نے جو کہہ دیا کہ غالب کے پاؤں کا درم اچھا ہو گیا اور اب وہ شراب دن کو بھی پیتا ہے تو حضور نے ان باتوں کو یقین جانا۔ میں برس آگے یہ بات تھی کہ ابرو بارہاں میں یا پیش از طعام چاشت یا قریب شام تین گلاس پی لیتا تھا **دن کی شراب** اور شراب شبانہ معمولی بن جبرائیل لیتا تھا۔ اس پیش برس میں پیش چھوڑ دی برساتیں ہوئیں بڑے بڑے مینہ برسے پنا ایک طرف دل میں بھی خیال نہ گزرا۔ بلکہ رات کی شراب کی مقدار کم ہو گئی تھی چکا وجود تین یہاں ہیں اُن کی رائے کے مطابق کل سے نیب کا بھڑنا بند ہو گیا وہ کچا لائیگاتب اُسکے چھوڑنے کی تدبیر کھجائے گی۔ تلوار زخمی۔ پنڈلی زخمی۔ اگر وہ نامرد میدد جھوٹا ہے تو اُسپر ہزار لعنت۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر سو ہزار لعنت۔

(بنام منشی ہرگز بال قفٹہ)

## نمبر ۵۲

**ع** مرزا قفٹہ یہ غلطی تھا کہ کلام میں کبھی نہیں دیکھی تھی کہ شعر ناموزن ہو۔ بڑی قباحیت یہ ہو کہ اعم بر تشدید لفظ عربی ہے ع دیگر نتوان گفت نہیں کہ اعم است۔ مگر بحر اور ہو جاتی ہے مانا کہ فارسی نویسان عجم نے یوں بھی لکھا ہوگا کے سقاط کی کیا توجیہ کر دے اور پھر اس صورت میں بھی تو بحر بدل جاتی ہے ناچار اس شعر کو نکال ڈالو۔ ہمیں نے ہمیں قصائد لکھنے کو کہا تھا۔ اب ہم

منع کرتے ہیں کہ عاشقانہ قصائد نہ لکھا کر دوح بشرط ضرورت لکھو مگر یہ فکر وغور  
 غالب ۱۶ جولائی ۱۸۶۳ء (بنام مرزا قفنتہ)

## نمبر ۵۲

برکشیدن اور صاحب کشیدن کی جگہ درکشیدن و برکشیدن بلکہ برکشیدن کی  
 درکشیدن جگہ درکشیدن چاہیے۔ برکشیدن و درکشیدن کا استعمال بعض متاخرین  
 نے عام کر دیا، یعنی درآید سے برآید کے معنی لیے ہیں لیکن درکشیدن اور ہے۔  
 اور کشیدن اور میں قریب ہر گ ہوں پاؤں کے درم سے اور ہاتھ کے پھوٹے  
 نے مار ڈالا ہے۔ یاد کرنا اور میرے سب آدمی بلکہ بعض دوست جو روز آتے  
 ہیں وہ بھی گواہ ہیں کہ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک پڑا ہوتا  
 ہوں۔ خطوط کی تحریر لیٹے لیٹے ہوتی ہے۔ اشارہ صلح کو بہت جگہ سے آتے  
 تھے سب کو منع کر دیا۔ ایک رئیس لاہور اور ایک تم ان کی صلح رہ گئی۔  
 (بنام مرزا قفنتہ)

## نمبر ۵۳

حضرت اس قصیدہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے کیا کیا شعر کمالے ہیں  
 لیکن افسوس کہ بے عقل اور بیجا ہے۔ اس طرح اور اس محدث کا بعینہ وہی  
 حال ہے کہ ایک مزملہ پر سید کا یا بھی کار خست آگ جائے خدا تم کو  
 یہ قصیدہ غالباً مرزا قفنتہ نے خود مرزا صاحب کی طرح میں لکھ کر بھیجا تھا ۱۲

سلامت رکھے دوکان بے رونق کے خریدار ہو۔ ۱۲ (بنام مرزا تقی)

## نمبر ۵۴

صاحب تم نے تن تن کا ذکر کیا۔ میں نے اس باب میں کچھ لکھا تھا  
تن تن اور تننا اصولات ہیں تاکہ۔ ہندی فارسی میں مشترک بنیا اور سامان کے لکھنے  
کو میں منع ہو رہا نہیں کیا شوق سے لکھو یہ تم کو سمجھایا تھا کہ بنیا محض بنی بخش اور مان  
متعلق ہے مشتقات میں سے اس کو تصدیق کرو قاعدہ و انشتقاق تم پر ہندو  
(بنام مرزا تقی)

## نمبر ۵۵

شعر سے بیزاری لا حول و لا قوہ کس ملعون نے بسبب ذوق شعرا شعار  
کی صلاح منظور رکھی۔ اگر میں شعر سے بیزار ہوں تو میرا خدا مجھے بیزار میں  
نے تو بطریق قدر و دیش بجان درویش لکھا تھا جیسے اچھی جو روئے خاوند  
کے ساتھ مزنا بھرنا اختیار کرتی ہے میرا تھارے ساتھ وہی معاملہ ہے۔  
(بنام مرزا تقی)

## نمبر ۵۶

ایوانے اور ایوانے کے جتنے شعر تم نے لکھے ہیں سب مانع ہیں ایوانے کے

اور سند اپوائے کی۔ موسوی خاں نے بحسب ضرورت شعرا پر لکھا ہے۔ تہمتن  
 ہر وزن قلمزن ہے۔ فردوسی نے سو جگہ شہنامہ میں تہمتن بکون ہائے ہوز  
 لکھا ہے۔ پس کیا اس لغت کی دو صورتیں قرار پاگیں۔ لاجول والا قوۃ۔  
 لغت وہی بحرکت ہائے ہوز ہے میں نے کس قدر کلام کو طویل و یا صائب کے  
 شعر کی حقیقت شرح و بسط سے لکھی تم نے ہرگز اعتنا نہ کیا۔ ایو اکو الگ سمجھ  
 مصیبتاہ کو جدا سمجھ۔ بھلا میسر قول کو گوز شعر سمجھتے ہو نہ مصیبتا  
 و حسرتا اور مصیبتا یا حسرتا برہان قاطع میں یا ہیا رجم میں ہم کو دکھا دو۔ وہی واسے  
 ہے کہ جب اس کے بعد مصیبتا یا حسرتا یا بلا آتا ہے تو تحتانی کو حذف کر کے  
 وا دیلا وغیرہ لکھتے ہیں۔ چاہو اسے وا دیلا لکھو چاہو وا دیلا لکھو۔ چاہے خس میں  
 ہائے ہوز لکھو۔ جیسا کہ و مصیبتاہ۔ چاہو نئے ہائے ہوز و مصیبتا  
 اور یہی حال ہو حسرت و درد و اسف و دروغ کا جہاں اسے کے ساتھ و مصیبتا  
 پاؤ۔ وہاں اسے کو حرف ندا اور منادی یعنی تہمتن میں اور ہمد کو مقدر سمجھو۔  
 فرہنگ لکھنے والوں نے اشعار قدما میں ترکیبیں دکھیں اپنا قیاس دوڑا کر  
 اسکی حقیقت ٹھہرائی۔ کہیں ان کا قیاس غلط کہیں صحیح۔ سو ان میں یہ دکنی  
 ایسا کہ فہم ہے کہ اسکا قیاس مولغت میں شاید دس جگہ صحیح ہو میں نے  
 توصاف لکھ دیا تھا کہ موسوی خاں کے شعر کی سند پر ایو اکو رہنے دو۔ مگر صائب  
 کے شعر میں ایو اکو الگ اور مصیبتاہ کو جدا سمجھو۔ تمہارے قیاس نے  
 پھر تمہیں کہیں کا کہیں پھینکا۔ اور تم نے بھی کہا کہ صائب نے ایو اکھا ہے  
 نجات کا طالب غالب ۱۲۔

(بنام روز گفتہ)

## نمبر ۵۶

صاحب قصیدہ پر قصیدہ لکھا اور خوب لکھا آفریں ہے پھر استاد  
کے شعر تفسیر میں کیوں کرتے ہوں اسکی کچھ حاجت نہ اُس میں کوئی افزائشِ حسن  
تہا می۔ ایک شعر کو ایک شعر کے بعد رکھ دیتا ہے تاکہ مقطع کلام ہو جائے۔ پہلا  
قصیدہ تمنا ابرو دم در آورم کی ردیف کا مست ہے اُسکو ہم نے نامنظر کیا۔  
مگر نظر ثانی میں جو شعر قابلِ رکھنے کے ہوئے وہ لکھ کر تم کو بھیج دینگے۔ بالفعل  
ایک شعر کی قباحیت یہ ظاہر کرتے ہیں تاکہ آئندہ اس پانچویں سے احتراز کرو  
مصرع اور سادات از جہ قاصد مچکد۔ یہ کیا ترکیب ہے جبہ بروزن چشمہ ہے  
یعنی دُکھ ہے ہوز میں جبہ قاصد ایک ہائے ہوز کہاں گئی مصرع ہر کجا چشمہ  
بود شیرین۔ چشمہ کی جگہ چشمہ لکھتے ہو۔ یہ بات ہمیشہ کو یاد رہے اتنے بڑے مشاق  
سے ایسی غلطی بہت تعجب کی بات ہے۔ میاں مصرع برگ دینا سازو  
نیش بود۔ یہ کوئی لغت نہیں ایک لفظ نہیں کہ کسی فرہنگ میں سے نکل آئے  
یہ طرزِ تحریر ہی کس کو یاد ہے کہ اس کا نظیر کہاں موجود ہے۔ اس امر سے قطع نظر  
وہ شخص ایسا کہاں کا فارسی داں اور عالم ہے کہ میں لڑکوں کی طرح بیت بخشی  
کروں۔ دو جوتیاں آپ لگا دیں ایک جوتی تم سے لگوادی۔ اب قطع نظر کرو اور  
سکوت اختیار فرمادے میں برہان کا خاکہ اڑا ہوں۔ چار شریعت اور غیاث اللغات  
کو حیض کا لہجہ سمجھتا ہوں ایسے گناہ چھو کروں سے کیا مقابلہ کروں گاہر برہان  
قطع کی اغلاط بہت نکالی ہیں دہلی جزو کا ایک سالہ لکھا ہے اُس کا نام

قاطع برہان کھا ہے۔ اب اسکے چھاپے کی فکر ہے۔ اگر یہ مدعا حاصل ہو گیا تو ایک جلد چھاپے کی تم کو بھیج دوں گا۔ ورنہ کاتب سے نقل کروا کر قلمی ایک جلد بھیج دوں گا۔ بہت سود مند نسخہ ہے۔ غالب جمعہ ۴۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء۔

(بنام مرزا قفٹہ)

## نمبر ۵۸

صاحب قفٹی سدا ب کا ذکر کتب پٹی میں بھی ہے اور عرفی کے ہاں بھی ہے۔ تمہارے ہاں اچھا نہیں بندھا تھا اس واسطے کاٹ دیا۔ قراب کونا لفظ غریب ہے جس کو اس طرح پوچھتے ہو۔ خاقانی کے کلام میں اور اساتذہ کے کلام میں ہزار جگہ آیا ہے۔ قراب اور سدا ب دونوں لغت عربی الاصل صحیح ہیں۔ غالب ۱۲۔

(بنام مرزا قفٹہ)

## نمبر ۵۹

دل بسے داغدار بود نامہ در نظر ما بہار بود نامہ  
اگر بود کے آگے واہ موقوف اور محذوف کر دو گے تو ہمارے نزدیک کلام  
سراسر تبلیغ ہو جائیگا۔ میری جان جو خجالت کہ مجھ کو تم سے ہے شاید بسبب  
عبادت نہ کرنے کے قیامت میں خدا سے بھی نہ ہوگی۔ اور بسبب خلاف

شرع کرنے کے پھیرے بھی ہوگی مگر خدا ہی جانتا ہے جو میرا حال ہے۔  
مرگ ناگاہ کا طالب غالب۔ (بنام مرزا تقی)

## نمبر ۶۰

مرزا تقی صاحب اس قصیدہ کے باب میں بہت باتیں آپ کی  
خدمت میں عرض کرتی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ خجندا گوہر کو تم نے از قسم متاخر  
سمجھا۔ اور اُس پر اشعار اساتذہ سند لائے۔ یہ خدمت نہیں پیدا ہوتا مگر  
لڑکوں اور مبتدیوں کے دل میں ہے۔

شرفیستل خواہد گیر ساغرا چہ کہ اعتیاج شکریت شیر مادر دا (دیلیم)  
یہ غزل شاہجہاں کے عہد کی طرحی ہے۔ صائب قدسی و شعرا سے ہند نے  
اس پر غزلیں لکھی ہیں دوسرے یہ کہ محمد روح کا پورا نام ہے تکلف آئے ہوئے  
خالی کیوں اڑا دو ضیاء الدین احمد خاں نام ہے۔ ہندی میں رخشاں  
تخلص فارسی میں رخسار ہے ہاں انیر رخشاں ضیاء الدین احمد خاں۔  
دیکھو تو کیا پاکیزہ مصرعہ ہے۔ یہ نہ کہنا کہ شعر احمد روح کا نام نہ لکھ جاتے ہیں  
وہ بحسب ضرورت شعر ہے جس بحر میں پورا نام نہ آئے اس میں شوق سے  
لکھ جائز رواستحسن بحر میں نام مروج کا درست آئے اس میں فروگزاشت  
کیوں کرو۔ دو شنبہ ہجری ۱۲۸۶

(بنام مرزا تقی)

## نمبر ۶۱

میں تم کو خط بھیج چکا ہوں پہونچا ہوگا ..... تمہارے  
 شہر میں جو تردد تھا اُس کا جواب میں نے یہ لکھا ہے۔ تم کو بھی معلوم رہے۔  
 رفتہ رفتہ پنچہ بہ منصور شنید ہی تو میں ہم اے دل سخن ہست نگہدار زبان را  
 تردد یہ کہ پنچہ بہ منصور رفت نہیں دیکھا۔ پنچہ بہ منصور رفت درست ہے۔ جواب۔  
 بام موصدہ علی کے معنی بھی دیتی ہے۔ پس جو کچھ پرستے مراد تھی وہ بام موصدہ سے  
 حاصل ہو گئی اور اگر بام موصدہ کے معنی معیت کے ہیں تو بھی درست ہے  
 نظیری کہتا ہے

شادی کہ غبن میکشی دوم فیئرنی در شہر اس معاملہ باہر گدا رو د  
 اگر کوئی یہ کہے کہ یہاں معاملہ ہے اور اُس شہر میں معاملہ کا لفظ نہیں۔ جواب  
 اس کا یہ ہے کہ سر اسر دونوں شعروں کی صورت ایک ہے۔ نظیری کے ہاں  
 معاملہ مذکور ہے اور تفتہ کے ہاں مقدر ہے۔ رفت کا اصلہ اور تعد یہ بار موصدہ  
 کے ساتھ دونوں جگہ ہے۔ والسلام۔ اسد اللہ (بنام مرقا تفتہ)

## نمبر ۶۲

صاحب دیکھو پھر تم دنگا کرتے ہو وہی پیش و پیش کا قصہ نکالا غلطی  
 میں جہور کی بیرونی کیا فرض ہے۔



انعام یاے | یاد رکھو یاے تختانی تین طرح پر ہے ۱۔ جو دکلہ رع ہمارے برسر  
تختانی | مرغان ازان شرف دارد رع لے سبز نامہ نام تو عقل گر کشائے یا  
یہ ساری غزل اور مثل اس کے جہاں یاے تختانی ہے جو دکلہ ہے۔ اُس پر ہمزہ  
لکھنا گو یا عقل کو گالی دینا ہے۔

۲۔ تختانی مضاف ہو۔ صرف اضافت کا کسر ہے۔ ہمزہ وہاں بھی  
فل ہے۔ جیسے اسپیلے حسین یا آشنائے قدیم۔ توصیفی اضافی بیانی  
کسی طرح کا کسر ہو ہمزہ نہیں چاہتا۔ فدا لے تو شوم رہنا لے تو شوم یہ بھی سی  
قبیل سے ہے۔

۳۔ تیسرے دو طرح پر ہے یاے مصدری اور وہ معروف ہوگی۔  
دوسری توحید و تنکیر۔ وہ مہول ہوگی۔ مثلاً مصدری آشنائی یہاں ہمزہ  
ضرور بلکہ ہمزہ نہ لکھنا عقل کا قصور۔ توحید آشنائے یعنی ایک آشنا  
یا کوئی آشنا۔ یہاں جب تک ہمزہ نہ لکھو گے دانائے کہاؤ گے۔

نیم گناہ و نیم نگاہ و نیم ناز۔ یہ روزمرہ اہل زبان ہے۔ نیم یعنی اندک  
ورنہ گناہ کا آکھا اور نگاہ کی ادھواڑ اور ناز آدھا۔ یہ ہملات میں ہے۔ ان  
چیزوں کا مناصفہ کیا اگر تم کو نیم گناہ پسند نہیں تازہ گناہ بہتے دو۔

خستہ۔ بستہ۔ تازہ۔ غاذہ۔ خانہ۔ دانہ۔ آوارہ۔ بیچارہ۔ روزہ۔ روزہ۔  
ہزار لفظ ہیں کہ ان کے آگے جب یاے توحید آتی ہے تو اس کی علامت  
کے واسطے ہمزہ لکھ دیتے ہیں۔ زرہ۔ گرہ۔ کلاہ۔ شاہ۔ آگاہ۔ آگہ۔ صبحگاہ۔ صبحگہ  
ایسے الفاظ کے آگے اگر تختانی آتی ہے۔ تو زرہ ہے۔ گرہ ہے۔ کلاہ ہے۔ شاہ ہے۔

آگے آگے گاہے گاہے لکھتے ہیں ۱۲ غالب (بہارِ مرزا فتنہ)

### نمبر ۶۳

صاحبِ دودسرا پارسل جس کو تم نے بہ تکلف خط بنا کر بھیجا ہے پوچھا  
نہ صلاح کی جگہ نہ تحریرِ دستور کا پیچ و تاب سمجھ میں آتا ہے۔ تم نے الگ الگ درجے  
پر کیوں نہ لکھا اور پھر راجھدرا کیوں نہ لکھا۔ ایک آدمہ درجہ زیادہ ہو جاتا تو ہو جاتا  
بہر حال اب مجھے چتے پڑے ہیں سوالات۔ اگر کوئی سوال میری نظر نہ چڑھے اور  
رہ جاوے تو دستور کی موڑ توڑ کا گناہ سمجھنا میرا قصور نہ جاننا۔

بلاد باے اس میں تامل کیا ہے لفظِ صحیح اور پورا تو یہی ہے۔ رُبا اسکا  
خفیف ہے سحرِ خار باد در ہش افشائیم کہ چوں خواہ شدن۔ بہت خوب  
اور معقول۔ میں اسوقت خدا جاننے کس خیال میں تھا چوں خواہ شدن و  
کنوں خواہ شدن ردیف و قافیہ سمجھا تھا۔ لفظ "بے پیر" تورانی پچھ ہائے  
ہندی نثر اور کاتر شاہو ہے۔ جب میں اشعار اردو میں اپنے شاگردوں کو  
نہیں بانڈھنے دیتا تو تم کو شعر فارسی میں کیونکر اجازت دوں گا۔ میرزا جلال پیر  
علیہ الرحمۃ مختار ہیں اور انکا کلام سند ہے۔ میری کیا مجال ہے کہ ان کے ہاتھ  
ہوئے لفظ کو غلط کہوں لیکن تعجب ہے اور بہت تعجب ہے کہ امیر زادہ ایران  
ایسا لفظ لکھے بیشست بستن جب تلوری کے اس ہے تو بانڈھئے یہ ڈھڑ  
ہے۔ اور ہم روزمرہ میں دن کے پیر دیں۔ شبے پیر ایک لفظ نکال باہر

درد صاحب نہاں ہونے میں اسیر بھی زخوری سے کم نہیں ۵  
 زہرا ایں سخت ہرزہ گفتی چہ شدی حق غفور ست گنا ہے شدام تاجہ شود  
 پہلے زہرا سے یہ سوال غلط کہ چہ شدی چہ شدی سوال ہو سکتا ہو۔ پھر گنا ہو شدہ ام یہ  
 جواب حل۔ گنا ہے کردہ ام جواب ہو سکتا ہے۔ یہاں تم کو گے کہ ہمہ تن گناہ یا  
 سر پا گناہ یا سر اسر گناہ شدہ ام۔ یہ جواب اُس جواب سے سر اسر پیر لگا  
 جب تک ہمہ تن گناہ نہ ہو معنی نہیں بنتے۔ ہرگز ہرگز جہلِ ثانیے ہوئے شعر  
 میں مضمون تمہارا ہی رہا اور کمال کے موافق ہو گیا عجب ہے تم سے کہ صرف شدام  
 اور تاجہ شود کے پیوند میں الگ کر حقیقت معنی سے غافل رہے ۵

باز آدل خود از چنین کار آزار چہ میکنی دلم را  
 اہلی نے زبردستی کی ہے۔ مگر ہاں اُس نے ایک وجہ ٹھہرائی ہے۔ یعنی آزدن  
 مصدر اور آزار و مضارع اور آزار امر۔ امر یعنی اسم جامد آتا ہے اور اسم جامد کر د  
 کے ساتھ پیوند پاتا ہے۔ خیر نہ ہنہ دو۔

ع کند آں آہوے دخی ز بزم فزادیم ۱۵ یہ شعر مویہ میر کے کلام کا ہے  
 ۱۵ غالباً مرزا آفتہ کسی غزل میں بردارم۔ سردارم قافیہ رکھ کر۔ کسی شعر میں الف مؤدے لے  
 ہیں جبکہ مرزا نے قلم رکھ دیا ہے۔ آفتہ نے اسکی سند میں یہ مصرع پیش کیا ہے اُس کو مرزا صاحب  
 نے اپنودھ سے کاٹ لیا پھر آگے اس واسطے کہ اس میں قافیہ مسمولہ ہے اور وہ مدود کا ثبوت نہیں  
 ہو سکتا اس کے بعد مرزا آفتہ نے مصنف یا مقلبان کا یہ سر مظلہ پیش کیا ہے ۵

ما مست چہ جان کوے دلداریم رنج بہ دنیا و دیں نمی آکر ہم  
 جسکا مرزا نے یہ جواب دیا کہ مصنف یا مقلبان تصوف میں مستند ہیں مگر قواعد شاعری میں

بردارم وزردارم و سردارم و فردا۔ دم یہ سب الفاظ ایک طرح کے ہیں البتہ وہ  
کہیں نہیں۔ ہاں بودار دے رو دار و فرودار و تمہارے عقیدے کی تائید کرتا  
ہے مگر یہ شعر استاد کا نہیں مشائخ میں سے ایک بزرگ تھے مولانا علاء الدین  
سے مایقمان کے دلداریم۔ یہ جمع بند انھیں کہ ہے ان کو فقر و فاقہ و سیر  
سلوک میں مستند سمجھنا چاہیے۔ نہ انداز کلام میں۔

ع پر مورست شمشیر کہ برہمے میاں دارد۔ بھائی غذا کی قسم یہ مصرع  
تلوار کی ناز کی سند نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ایک مضمون ہے کہ مور و تلوار پر مور  
و جھبہ علاقہ پر مور با مور مانند علاقہ شمشیر با میان نزاکت و جہ تشبیہ  
(بقیہ صفحہ گزشتہ) قابل ہند و نہیں ہیں۔

ہمارے خیال میں فیصلہ مختلف فیہ ہے جس میں تفتہ کے کوئین بھی ملتے ہیں مثلاً  
مورخان کی یزول۔ پیار آجائے۔ یار آجائے اور مقطع ہے۔

حسن انجام کاموں کے بلے پر خیال یعنی کہتا ہو وہ کا فر کہ تو مارا جلتے

۱۰ شاید اپنے کسی شعر میں مرزا تفتہ نے تلوار کو نازک باندھا ہوگا۔ مرزا نے اس شعر کو نظر

کر دیا ہوگا کہ تلوار کی صفت تیزی ہے نہ کہ نزاکت۔ مرزا تفتہ نے سنداً یہ مصرع پیش کیا

مرزا نے اس مصرع کے مندرجہ خط سنی سمجھائے یعنی کہ تم شاید سمجھتے ہو کہ جس طرح معشوق کی کمر کو

بال سے تشبیہ دی ہے اسی طرح اوسکی تلوار کو چوٹی کا پر شمار کیا ہو یعنی اوسکی تلوار اتنی تپلی

اور نازک ہے جیسے چوٹی کا پر۔ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ شعر کا یہ مطلب ہے کہ چو نسبت تلوار کو کمر

کیسا تھ ہے مہی نسبت چوٹی کے پر کو چوٹی کے ساتھ ہے یعنی معشوق کی تلوار مثل پر مور

کے صحیح نہیں۔ بلکہ پر مور شمشیر ہے۔ یعنی چوٹی کے پر اسی تلوار ہیں۔ (۱۰ باقی صفحہ ۱۲۴ پر)

کبھی نہیں۔ انصاف شرط ہو۔ تلوار کی خوبی تیزی ہے یا نازکی؟ یہ دھوکا نہ کھاؤ  
اور تلوار کو نازک نہ بانڈھو۔ یوں اور تلوار میں مناسبت نہیں پائی جاتی جائید  
شعر سے ہاتھ اٹھاؤ۔

میاں حمیدین بھی صحیح اور حمیدین بھی صحیح۔ اس میں کس کو تردد ہے۔  
مگر لغت اور محاورہ اور اصطلاح میں قیاس پیش نہیں جاتا۔ ہندوستان کے  
باتنی لوگوں کو خم و چم بولنے مناسب ہے آج تک کسی نظم و شرفاری میں یہ لفظ نہیں  
دیکھا۔ لفظ پیارا اچھکو بھی پسند مگر کیا کروں جو اپنے پیشواؤں سے نہ سنا ہو اس کو  
کیونکر صحیح جانوں۔ حمید صیغہ ماضی کا ہے حمیدین سے اور حمیدین ایک مصدر  
ہے صحیح اور سلم۔ چچہ مضارع چہ سلم۔ اس میں کیا گفتگو ہے۔ کلام خم و چم  
میں ہے۔

سوالات ڈھونڈ ڈھونڈ کر اٹکا جواب لکھ دیا۔ اب اشعار کو دیکھتا ہوں  
خدا کرے مجھے کوئی سوال باقی نہ رہ گیا ہو اور تم بھی جب ان اور ان طلبہ کی کو دیکھو  
تو کوئی اصلاح کا اشارہ تم سے باقی نہ رہ جائے۔ غرض یہ ہے کہ اب پھر اس طرح  
کبھی نہ لکھنا میں بہت گھبراتا ہوں۔

حمید دست و رید دست میں "نرینی دست" یہ قافیہ درست ہے مگر  
است کا الف سب جگہ آزادو۔ اور یاد رہے کہ صرف سین تے کافی ہے۔  
الف ضرور نہیں۔ ۱۲ غالب (بنام مراد فتنہ)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) افسوس ہو کہ مرزا نے دوسرا مصرعہ نہیں لکھا۔ لیکن ہے اس سے یہ معنی بھی  
نکلے کہ چوٹی کے جب پر نکلتے ہیں تو وہ اُسکے جان کے لیے شمشیر ہیں۔

## نمبر ۶۴

حضرت اس غزل میں پردانہ و پیمانہ و محبت خانہ تین قافیے صلی ہیں  
دیوانہ چونکہ علم قرار پا کر ایک لغت جداگانہ شخص ہو گیا ہے۔ اُس کو بھی قافیہ  
صلی سمجھ لیجئے۔ باقی غلامانہ و مستانہ و مردانہ و ترکانہ و دلیرانہ و شکرانہ۔ سب جائز  
و نامحسن البطینا۔ اور ایطابھی قلیح۔ مٹھے بہت تعجب ہے کہ انھیں قافیوں میں  
ایطاب کا حال تم کو لکھ چکا ہوں۔ اور پھر تم نے غزل مبنی انھیں توانی پر رکھی کاشانہ  
و شانہ و آفانہ و جانانہ و فرزانہ یہ قافیے کیوں ترک کئے۔ یاد رہے ساری غزل  
میں مردانہ یا ستانہ یا اُن کے نظائر میں سے ایک جگہ آوے دوسری بیت  
میں نہمار نہ آوے۔ یہ غزل نظری ہو گئی اور غزل لکھ کر بھیجنا اصلاح دیجائے<sup>۱۲</sup>  
عفو کا طالب غالب

(بنام مرثیہ)

## نمبر ۶۵

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریبان بجا  
پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ آئینہ عبارت فولاد کے آئینہ سے ہے  
و نہ سلی آئینوں میں جو ہر کہاں اور ان کو صیقل کون کرتا ہے۔ فولاد کی جس چیز کو  
صیقل کرو گے بے شبہ پہلے ایک گیر نپنگی اسکو الف صیقل کہتے ہیں جب  
یہ مقدمہ معلوم تو اب اس مفہوم کو سمجھئے ع چاک کرتا ہوں میں جب کہ گریبان بجا

یعنی تبدیلے سن تیسرے شق جنوں ہے۔ ابتک کمال فن حاصل نہیں ہوا۔ کہنہ  
 تمام صاف نہیں ہو گیا۔ بس ہی ایک لکیر صقل کی جو ہے سو ہے چاک کی صورت  
 الف کی سی ہوتی ہے۔ اور چاک حبیب آثار جنوں میں سے ہے ۱۲ غالب  
 (بنام ماسٹر پیارے لال۔ آستوب)

LYTTON LIBRARY

Date

LIGARIH.

نمبر ۶۶

بندہ پرورد آپ کا ہر بانی نامہ پوچھا۔ تمہاری اور صاحبزادے کی تفریق  
 معلوم ہوئے دل خوش ہوا۔ جو آپ کی عبارت سے سمجھ گیا ہوں اسکا جواب لیجئے  
 اور جو نہیں وہ مطابق میری التماس مجھے سمجھا دیجئے۔ عباد عمارت شرعے قدیم میں  
 سے ہے اسی کے پان سات بیت کی ایک غزل ہے جسکا مطلع یہ ہے  
 پے ستر نشو درآہ تو رفتن نتوان جز بہ جاروب مرثہ کوئے تو رفتن نتوان  
 پہلے مصرع میں نے مفتوح اور دوسرے مصرع میں مضموم۔ باقی اشعار میں گفتن و  
 مفتن وغیرہ قلمے ہیں۔ استاد دو مصرعوں میں حرکت ماقبل رومی مختلف  
 لایا۔ اگر میں نے پچاس شعر کے قصیدے میں ایک شعر لکھا تو کیا غضب ہوا۔  
 آیا معترض صاحب تنہا و مثل نظیر کو نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں جانتے  
 یہ دستور میرا نکالا ہوا نہیں قدیم سے ہے۔ بندہ نوا میں نے لکھا کہ مؤید برہان  
 میرے پاس آگئی ہے اور میں اس کے اعتراضات کے جواب بہ نشان صفوہ  
 سطر ایک تحفہ کا خذ پر کمر رہا ہوں۔ بعد تمام نگارش تمہارے پاس اس مراد

بھی چونکا کہ تم ازراہ عنایت تُوید کا جواب لکھو۔ میری نگارش جو پہنچے اسے اس کو بھی  
جا بجا درج کر دو۔ تم نے اس درخواست کا جواب ہاں۔ نا۔ کچھ نہ لکھا۔ اب عنایت  
فرما کر ان تینوں باتوں کا جواب لکھئے اور ضرور لکھئے۔ ۱۸ مارچ ۱۸۶۶ء  
(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

### نمبر ۶۶

اے عنایت بہ عنایت کل۔ آپ کا خط حاوی حل شہادت جس دن پہنچا  
میں نے دوسرے دن جواب لکھ کر بھیج دیا۔ دو مصرعوں میں دو لفظ بدلے گئے  
دو شعروں کے باب میں کچھ تقریر درج ہوئی۔ دو تین شعروں میں تمہاری  
راے سلم رہی۔ باوجود فقدان حافظہ و استیلائے نسیان ایک مصرع کا بدلا  
ہوا لفظ یاد ہے۔ چہ غرہ غرہ پیشانی سمنہ عسر بدل ع چہ غرہ غرہ  
پیشانی بگا در عسر دوسرا تبدیل اسی قدر یاد رہ گیا ہے کہ شبکو گران  
رکاب۔ کچھ اسی طرح کے دو لفظ تھے۔ بے واؤ عاطفہ کچھ تقدم و تاخر ہو گیا ہو۔  
صبح شنبہ ۳۔ ذی الحجہ مطابق یکم مئی سال ۱۲ غالب۔  
(بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

### نمبر ۶۸

حضرت مولوی صاحب میں برس دن سے بیمار۔ اور تین مہینے سے



صاحب فراش ہوں۔ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت مفقود۔ پھوڑوں سے بدن لالہ زار۔  
 پوست سے ہڈیاں نمودار۔ پھوڑے ایسے جیسے انگارے سلگتے ہیں۔ اعضاء پر  
 دس جگہ پھائے لگتے ہیں ضعف و ناتوانی علاوہ سوز و غم ہائے نہانی علاوہ۔  
 صنعت سہل منتفع میں میں نے نواب مختار الملک کو قصیدہ بھیجا۔ کچھ قدر دانی  
 نہ فرمائی۔ رد فرقا دہا میں ایکسٹنومی جو سابق میں لکھی تھی وہ محی الدولہ کو  
 بھیجی رسید بھی نہ آئی۔ اب سنتا ہوں کہ مولوی غلام امام شہید شاگرد قتیل ہا  
 کو سانا و لاغیری بجا رہے ہیں اور سخن ناشناسوں کو اپنا زور طبع دکھا رہے ہیں  
 ایک کم ستر برس کی میری عسٹری سولے شہرت خشک کے فن شعر کا کچھ پھل  
 نہ پایا۔ فرزند ہان عصر مقتد ہوئے مگر کچھ بات نہ آیا۔ احسنت و مر حبا کا شور مچا  
 فرسا ہوا یہ خیر تائش کا حق تائش سے ادا ہوا۔ مختار الملک نے یہ بھی نہ کیا  
 نہ مرچ کی داد دی نہ مرچ کا صلہ دیا۔ حیران ہوں کہ نواب صاحب مجھے کیا  
 سمجھے۔ محی الدولہ سے اور کچھ نہیں کہتا مگر یہ کہ خدا سمجھے کل سے پلنگ پر  
 لیٹا لیٹا غزل کو دیکھ رہا ہوں ویسے ویسے یہ طیریں لکھتا ہوں ع۔ دیدیم  
 گل و لالہ چہا رنگ برآورد ہ فقیر کے نزدیک "دیدیم" زائد اگر یوں ہو تو بہتر۔  
 ہر ایک زگل و لالہ الزمہ

باشد شفقے کاں بلب لعل تو ماند گر چرخ بکام دل مارنگ برآورد  
 باشد غل معنی ہے اگر اس کی جگہ آرد ہو تو بہتر۔ مگر آرو صیغہ مستقبل کا اور آرد  
 ماضی کا۔ اور فاعل دونوں فعلوں کا چرخ ہر چند راستہ نے یوں بھی لکھا ہو  
 مگر فارسی گویان ہند نہ مانیں گے۔ پس اس شعر کو یوں لکھنا چاہیے

حاشا کہ شفق مثل لب لعل تو باشد کے چرخ بکام دل بازنگ برآورد  
 سے خوں شد دل غم دیدہ الخ یہ شعر ہمارے نہ صاد کے قابل نہ اصلاح کا  
 محتاج ۴۷ اور ۵۵ یہ دو شعر واہ کیا کہنا ہے اہل وسع الخ یہ بھی ہمارے نہ صاد  
 چاہتا ہے نہ اصلاح سے

گوئی کہ زبان در دہنم برگ خنابود تابوسہ ز دم آں کف پارنگ برآورد  
 مولوی صاحب یہ بات تو کچھ نہیں۔ زبان چاٹنے کا آکھ ہے نہ چومنے کا زبان  
 برگ خنابن گئی تو بوسہ سے کف پاک یوں خنابی ہو جائے  
 گوئی دہنم لب رگ برگ خنابوشت تابوسہ ز دم آں کف پارنگ آورد  
 مقطع اور اس کے اوپر کا شعر دونوں اچھے۔ روز چار شنبہ ۱۰۔ ربیع الاول ۱۲۶۹  
 مطابق ۲۶ اگست ۱۸۵۷ء (بنام منشی حبیب اللہ ذکا)

### نمبر ۶۹

صبح سے شنبہ ۱۳ صفر سال غفر۔ صاحب میں تم کو اخوان الصفا  
 میں گنتا ہوں اپنا نور نظر و نعت جگر جانتا ہوں۔ دیکھو تم پر مجھ کو کیا اعتماد ہے  
 کہ خود ضبط راز نہیں کر سکتا اور تم سے راز داری اور امانت میں استواری  
 چاہتا ہوں قیصدہ و غزل میں خیل و تحین بہ اقتضائے نعت و قسمت ہے  
 نہ بہ اندازہ ارزش کلام۔ موصی سخن فہم ہوتا تو مجھ کو متوسط کے تساہل کا وہم ہوتا

لہٰذا یعنی مستحکم مطابق ۲۷ اگست ۱۸۵۷ء

اغنیا کو نہ مذاق شعر سے نسبت نہ مطالعہ اشعار کی فرصت۔ متوسط نے بقدر  
 سلسلہ جنبانی کی لیکن مرجع نے قدروانی کی۔ مولوی غلام غوث خاں بخیر میر فشی  
 لفتنت گورنر مخلص خالص الاخلاص ہیں۔ ہرگز ان کو مدعی سے تلذذ نہیں البتہ  
 اُس کو خوش گو جانتے ہیں۔ اور کبھی نہوگا کہ میر متقابلہ کریں اور قاطع برہان کا  
 جواب لکھیں رعطل بل استانچہ مدعی گوید ہمدی اپنے زعم میں مجھ کو اپنا ہم  
 جان کر حد کرتا ہے۔ میں امیر علی شیر جیسا محتسب اور مولوی جامی جیسا مفتی  
 کہاں سے لاؤں جو نیا و کرے اور کاذب کو منزا دے۔ شکر ہے خدا کا کہ تم سخور  
 اور سمنداں ہو۔ اور یقین ہے کہ مست دہند میں اور بھی ایسے آدمی ہونگے کہ  
 میرے اور مدعی کے رتبہ کو میسر ہو سکیں گے۔ رع عیت بادہ شد فلک و سا  
 آفتاب بخالہ ما لہ فلک ظرف اور آفتاب مظروف ہے۔ یہ شخص ظرف  
 کو مظروف اور مظروف کو ظرف ٹھہراتا ہے۔ اس کو کون سلم رکے گا۔ اس سے  
 بڑھ کر ایک اور خدشہ ہے یعنی شبہ اور شبہ یہ میں وجہ شبہ شرط ہے آفتاب  
 و ساغریں تدویر و وجہ شبہ ہے۔ شراب اور فلک میں وجہ شبہ کہاں؟ میں  
 اپنے کو ایسا نہیں جانتا کہ تمہارے کلام کو صلاح دوں۔ قدروانی کیونکر کہوں  
 قدر افزائی کرتے ہو۔ دوستانہ نہ استمداد نہ جو خیال میں آئیگا کہا جائیگا  
 اگر اپنے اس روش کا میں نے متصلاح کا التزام کیا ہے تو جب تک کاغذ  
 اشعار میرے پاس پہنچا ہوا ہے یا اگر سے مکتب فیہ شہرت نہ پایا کرے۔ مجوہ  
 کلام سابق اگر بھیج دو گے میں بحال طیب خاطر اُس کو دیکھ کر بھیج دوں گا۔ یہاں  
 لے غالب مدعی سے غلام امام شہید مراد ہیں۔

کیا ضرور ۱۲ نجات کا طالب غالب (بنام نشتی حبیب اللہ ذکا)

## منبر

صاحب پہلے مطلع میں لطف نہیں۔ ہاں مضمون لطیف ہے وہ  
 فرد میں خوب آگیا ہے۔ مطلع ثانی بسبب تعقیدات کے مہمل رہ گیا۔ ورنہ کا  
 قافیہ اور شعر میں اور طرح سے بندہ گیا۔ تیسرا شعر الفاظ بدلنے سے بہت اچھا  
 ہو گیا۔ جو شعر بے تصرف بدستور رہا اس کا ذکر کچھ ضرور نہیں۔ ساقی ابھی چھنی  
 چھنی لفظ غریب سے اہل ہلی کے زباں زد نہ گوش زد غریب کو چھپانی کہتے ہیں جسکی  
 فارسی پڑین ہے۔ اور جس کپڑے میں سائکات کو چھپائیں فارسی اوس کی  
 لاسے پالا اور دو صافی ہے یہ بے معروف۔ برابر نہ ہوتا تھا یہ قافیہ دو طرح  
 سے درست ہوا ہے جھٹجھٹ چا ہو پھٹنے دو۔ رع مرنے کا مرے وقت مقرر نہ ہوا  
 تھا۔ تقر وقت مرگ کا انکار حشو بلکہ مہمل ہے۔ مگر ماں تقر کا وقت ازل  
 کو قرار دیا جائے۔ مقطع میری پسند نہیں۔ میرے سر کی قسم اسکو نہ رکھو  
 اور مقطع گھوڑا ۱۲ غالب شبنہ ۱۲۔ نومبر ۱۸۶۶ء۔ (بنام نشتی حبیب اللہ ذکا)

## منبر

نشتی صاحب سعادت و اقبال نشان صحت الخ میاں داد خاں

تیراج کو دعا۔ صاحب ہم اور چیز ہے اور احتیاط اور چیز ہے۔ کار پردازان  
 ڈاک میرے خطوط کے ٹکٹ کبھی نہ بائینگے۔ اور میرے خطوط کبھی نہ تلف  
 ہونگے۔ آدھ آنہ کی جگہ دوست کا ایک آنہ کیوں کھوؤں۔ گلشن بعض کے نزدیک  
 ٹونٹ اور بعض کے نزدیک مذکر ہے۔ قلم۔ دہی خلعت ان کا بھی یہی حال ہے  
 کوئی ٹونٹ کوئی مذکر بولتا ہے۔ میرے نزدیک ہی اور خلعت مذکر ہے۔  
 اور قلم مشترک چاہو مذکر چاہو ٹونٹ۔ گلشن بہت مذکر مناسب موم ہوتا  
 ہے۔ بھائی جہاں الف بتا ہے میرے کلچے میں ایک تیر لگتا ہے۔ رکھتا  
 ہے گلشن بھی۔ یہ الف دبتا ہوا دیکھیں نے "رکھتی ہے" بنا دیا۔ مگر گلشن  
 مذکر مناسب ہے۔ پھلکی یا پھلکا تنہا ہے محض ہے۔ ہلکی پھلکی ہلکا پھلکا یوں آئے  
 تو درست ورنہ نہ تو۔ اور یہ جو پھلکا پھلکی چپاتی کو کہتے ہیں یہ دوسرا الف ہے  
 پھلکے کبھی کوئی نہ بولے گا۔ پانی وانی حقہ و قہیوں کیسنگے۔ نرا وانی اور نرا وانی  
 نہ کیسنگے۔ ہلکا پھلکا۔ ہلکی پھلکی کیسنگے۔ جبک چیز کو نرا پھلکا یا نری پھلکی کہیں  
 تذکیر و تانیست کے باب میں مرزا رجب علی بیگ سے مشورہ لیا کرو۔ اور  
 دہتے ہوئے حروف بھی اُن سے پوچھ لیا کرو ۱۲۔ غالب۔

(بنام سیف الحق سیاح)

## مختصر

بھائی ہم نے تم کو یہ نہیں کہا کہ تم مرزا رجب علی بیگ کے شاگرد

ہو جاؤ۔ اور اپنا کلام اون کو دکھاؤ۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ تذکیر و تائید کو ہنسے  
 پوچھ لیا کرو۔ دھن بنگالے کے رہنے والوں کو اس امر خاص میں دلی لکھو  
 کے رہنے والوں کا تبع ضرور ہے۔ ایک قاعدہ تم کو معلوم رہے عین کا حرف  
 فارسی میں نہیں آتا۔ جس لغت میں عین ہوا اسکو سمجھنا کہ عربی ہے۔ بعد  
 معلوم ہونے اس قاعدہ کے یہ سمجھو کہ غریال غین نقطہ دار نکسور اور  
 لے قرشت اور بائے موحده اور لام یہ لغت فارسی ہے۔ ہندی اسکی  
 چھلنی اور مرادف اسکی پریزن یعنی فارسی میں چھلنی کو غریال اور پریزن  
 کہتے ہیں۔ اور چھلنی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کو کوئی نجاسے۔ رہا غریال یا  
 غریال عین سفعص اور بائے تختانی سے فصیح و غیر فصیح کیا بلکہ غلط محض  
 غلط ہے۔ ہاں اگر عربی میں چھلنی کو غریال کہتے ہوں تو فارسی غریال اور  
 عربی غریال۔ مگر میں ایسا گمان کرتا ہوں کہ غریال کا عربی میں کیا اور اسم ہوگا  
 غریال نہ کہتے ہونگے۔ اب تم سنو فن لغت میں ایک امر ہے کہ اسکو تصحیف  
 کہتے ہیں یعنی لفظ کی صورت ایک ہو اور لفظوں میں فرق جیسا کہ سعدی  
 بوستاں میں کہتا ہے۔

مرا بوسہ گفتا بہ تصحیف دہ کہ در ویش اوشہ از بوسہ بہ

توشہ و بوسہ توشہ یہ تین لفظ مصحف ہمد گریں۔ حال آنکہ معانی میں فرق  
 کہ جیسا زمین و آسمان میں۔ توشہ ترجمہ زاد کا۔ بوسہ ترجمہ قبلہ کا۔ توشہ سم  
 دہ لہا کا۔ صاحبان فرہنگ میں بہرمان قاطع والا تصحیف میں بہت متباد  
 ہے۔ گزر اور گزر خیزہ اور خیزہ؟ کہتا ہے کہ سدایہ سین سفعص لفظ

فارسی سے بمعنی آواز اور صدابہ صدائے غیر سے جو لغات تے میں لکھے ہیں  
 انھیں لغات کو طوے میں لکھتا ہے۔ حال آنکہ جس طرح عین فارسی میں نہیں  
 ہے طوے بھی نہیں ہے۔ مثلاً تشت لغت فارسی الاصل ہوا ملاکی طوے  
 سے غلط ہے۔ برہان قاطع والا اس کو تے سے بھی لایا ہے اور طوے سے  
 بھی محققین جانتے ہیں کہ صد بمعنی آواز لغت عربی الاصل ہے نہ عرب  
 اور سدا میں سے ہرگز فارسی میں آواز کو نہیں کہتے۔ ہاں اردو کے  
 محاورہ میں بمعنی ہمیشہ کے مستعمل ہے قصہ کوتاہ غریب بمعنی چھلنی کے لفظ  
 فارسی الاصل صحیح اور فصیح ہے۔ اور عربی ال اگر کسی اور فرہنگ عربی میں  
 مثل قاموس اور صراح وغیرہ کے بمعنی چھلنی کے نہ لکھتے تو اسکو مانور نہ  
 یہ برہان قاطع والے کی خرافات میں سے ہے۔ نجات کا طالب غالب  
 ۲۴ فروری۔ (بنام سیف الحق تبار)

### ممبر ۶۳

منشی صاحب تہا رہ خط پہنچنے کی تم کو اطلاع دیتا ہوں اور  
 مطالبہ فسخہ کا جواب لکھتا ہوں اور اپنے دوست و حافی مرزا حبیب علی  
 بیگ سرور کو سلام کہتا ہوں کہ دیکھئے گا بلکہ یہ رقم دکھا دیجئے گا۔ بعض لوگ  
 "آئن بان" کہتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک "آئن بان" صحیح ہے۔ اور یہی  
 لے لکھو میں آئن بان ہی کہتا ہوں۔ مگر عبارت مندرجہ خط سے معلوم ہوا کہ مرزا علی  
 (تقریباً ۱۳۵۵ھ)

فیض ہے۔ پر معنی لیکن لفظ مشہور ہے اور پہلے اس کا مخف ہے۔ اس میں شاید کسی کو کلام نہ ہو۔ کوئی اور لکھے یا نہ لکھے میرے اردو کے دیوان میں سود و سو جگہ یہ لفظ آیا ہوگا۔ مجھ کو بنگالے سے آئے ۳۲-۳۳ برس ہوئے بہت احباب مر گئے۔ بہت متفرق ہو گئے۔ اب ایسا دہان کوئی نہیں جس کا رسالہ سال

کی رسم راہ ہو۔ صاحب دہ شعر جس کو تم نے پوچھا ہے یہ ہے  
واعظانہ تم پیونہ کسی کو پلاسکو کیا بات ہے تمہاری شرب طوکی  
دو شعر اس غزل کے اور یاد آگئے ہیں وہ دوسرے صفحہ پر لکھتا ہوں  
کیا فرض ہے کہ سب کھانے ایک سبب جو آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی  
گوہاں نہیں پڑے اس کے نکالے ہوئے ہیں کعبہ سے ان تو کو بھی نسبت ہے دو کی  
دیکھ پر کا مخف ہے معنی لیکن۔ بنارس کا کیا کنا ہے ایسا شہر کہاں پیدا  
ہوتا ہے۔ اتنا ہے جو ان میں میرا دہاں جانا ہوا۔ اگر اُس موسم میں جوان ہوتا  
تو دہن رہ جاتا اور ادھر نہ آتا ہے

عبادت خانہ تاوسیہ است ہما اکبر ہندوستان  
جس بحر میں کوئی اسم یا کوئی لفظ نہ آسکے اُسکی تدبیر فردوسی اور خاقانی سے  
بھی نہوگی۔ یہ کیا کرونگا نام تیار آسکتا ہے لیکن الف و تبار ہوتا ہے۔ خدا  
کے واسطے اس کی تدبیر سرورہ صاحب سے بھی ضرور پوچھنا۔ نجات کا طالب  
غالب الف فردوسی است (بنام بیف الف سید علی)

اُن تین بھی بولتا تھا۔ اور ظہر ہے کہ اب بھی بعض لوگوں کی زبان پر جو ۱۱۰



## نمبر ۴۶

بھائی! تمہاری جان کی اور اپنے ایمان کی قسم کہ میں تین تیارخ کوئی دمعلمت  
 بیگانہ محض ہوں۔ اردو زبان میں کوئی تیارخ میری نہ سنی ہوگی۔ فارسی دیوان  
 میں دو چار تاریخیں ہیں انکا حال یہ ہے کہ مادہ اوروں کا ہے اور اشعار میرے  
 ہیں۔ تم سمجھ کہ میں کیا کہتا ہوں۔ حساب سے میرا جی گھبراتا ہے۔ اور مجھ کو  
 جوڑ لگانا نہیں آتا ہے جب کوئی مادہ بناؤنگا حساب درست نہ پاؤنگا۔ دو ایک  
 درست ایسے تھے کہ اگر حاجت ہوتی تو مادہ تیارخ وہ مجھے ڈھونڈ لائیے تو ان  
 میں کرتا۔ اور اگر آپ میں نے مادہ کی فکر کی ہے اور یہی حساب چل منظر دکھا  
 ہے تو ایسے ایسے تعبیر و تخریج آگئے ہیں کہ وہ تیارخ ہنسی کے قابل ہوگئی ہو  
 کلکتہ میں قاضی القضاۃ سراج الدین علی خاں مرحوم کی قبر پر مسجد بنی ہے  
 بھتیجے مولوی ولایت حسین خان نے اس عمارت تیارخ کی میں نے لکھی چنانچہ

وہ فارسی دیوان میں موجود ہے ۵

نفی عقل از پے تیارخ این بنا      ایما بسوی من زرد احترام کرد  
 گفتم بے بدیہ خوشا خانہ خدا      شد خستگین دے کہ نذر و کلام کرد  
 خاشاک کے فٹ دپائے ادب شکوہ رفت      ایہام را بہ تخریج معنی تمام کرد  
 واسطے خدا کے غور کرد خوشا خانہ خدا مادہ پھر اُس میں سے خاشاک کے حد  
 دور کرد و سو بائیں کی تخریج پھر بھی دو اور زیادہ رہے پائے ادب توڑا۔ بھلا  
 یہ کوئی تیارخ ہے مگر ہاں حساب کے قاعدہ سے باہر کچھ معنی سنائی کے طور پر

میرا بچا دسپہ اور وہ لطف رکھتا ہے۔ ایک شخص ۱۳۲۸ میں مراٹھ کی تاریخ  
میں نے لکھی ہے۔

ز سال واقعہ میرزا میتا بیگ مات راست شمار اندہ محبہ  
صحیفہ ہائے سادھی مہینہ ایشٹا حدیقہ ہائے ہشتی شخص از آحاد  
انہ بارہ یعنی بارہ پیر کتب سادھی چار دھاکے کے چار یعنی چالیس ہشت  
اکھ چالیس اور اکھ اٹا تالیس بارہ سواڑ تالیس دوسری تاریخ بارہ سوستر کی ہے  
از برج پسر جو ہے مات عشرات از کو اکب تیار

برج بارہ سات دھاکے ستر  
یہ جو لکھتے ہو کہ سید غلام بابا کسی بحر میں نہیں آتا کیوں نہیں آتا ہے  
جب کہ سید غلام بابا نے منہ عیش پر جبکہ پائی  
ایسی رونق ہوئی برات کی ات کہ کو اکب ہوئے تماشائی  
دوسری بحر سوس

ہزار شکر کہ سید غلام بابا نے فراز منہ عیش و طرب جگہ پائی  
ز میں پہ ایسا تماشہ ہوا برات کی ات کہ آسمان پہ کو اکب بنے تماشائی  
اس بحر میں سماتا ہوا کوئی مادہ ہم پہنچاؤ۔ تاریخ کہہ دو دوست جو مادہ ہونڈ  
دیتے تھے وہ جنت کو سدھا رہے۔ میں جیسا کہ اوپر لکھا آیا ہوں منہ در اور  
جبور ہوں۔ غالب ششہ ۱۱ محرم ۳۱۔ جولائی سال حال۔

(بنام پف اختر صلیح)

## نمبر ۷

پیر و مرشد سلامت۔ اعضا۔ فرسودہ اور پودے ہو گئے۔ روح اُن  
میں دوڑتی نہیں پھرتی۔ مگر ابھی مفارقت نہیں کر گئی۔ خدا جانے کس کہن  
میں ہے۔ اعضا نکمے ہو گئے۔ اب وہ کام جو اُن سے متعلق تھے بند ہو گئے  
آپ کا حکم ماننا اور آپ کی خدمت بجا لانی دل سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ لطیفہ  
غیبی یعنی روح کے کام ہیں جب تک وہ باقی ہے سر انجام پائے جائیں گے  
”خاکم بدہن“ واسطے اقوال کے ہے۔ جب کوئی کلمہ مکروہ طبع کہتے ہیں تو ”خاکم  
بدہن“ کہہ لیتے ہیں عس خیرام۔

بر خاک کی پختی بے ناب مرا      خاکم بدہن مگر تو مستی ربی  
اور خاکم بسر اور خاکم بفرق عام ہے جیسا کہ میں ایک شہزادہ کے مرثیہ  
میں کہتا ہوں۔

لے اہل شہر بدہن این دواں کجاست      خاکم بفرق خواب گہ خسرواں کجاست  
متاد۔

خاکم بسر کہ عاشق کا آرزو مودہ ام      وانم کہ باریب بخلوت چہارود  
آپ کے ہاں اور مولوی روم کے ہاں خاکم بدہن کا متوقع نہیں جیسا کہ  
مولوی معنوی نے نہیں لکھا حضرت بھی اپنے ہاں نہ لکھیں ع فرقت  
در میانہ کہ بیارنازک است۔ نجات کا طالب غالب ۱۱ (بنام شہزادہ بشیر الدین)

لے یہ شعر نواب مصطفیٰ خاں شیفہ کا ہے۔

## نمبر ۷۶

غالب کتابکار کہتا ہے کہ شہر کے ایران کلمہ اجمعین مسلم لہجہ  
ہیں اور انکا کلام سند ہے سخنوران ہند میں امیر خسرو دہلوی بھی ایسے ہی  
ہیں جیسے اہل ایران۔ اہل ہند میں امیر خسرو دہلوی نے اہل ایران میں  
رد کی و فردوسی سے لیکر جامی تک اور جامی سے صائب دیکلم تک کسی نے  
لغت کی کوئی کتاب لکھی ہو کوئی فرہنگ صحیح کی ہو تو ہمیں دکھاؤ۔ اس کو اگر  
میں نہ مانوں اور سند نہ جانوں تو میں گنگار جتنی فرہنگیں اب موجود ہیں نام  
ان کے کہیں تک ہوں مشہور و غیر مشہور کچھ کم سوار سارے ہونگے ان  
سب سالوں کے جامع ہند ہیں۔ کوئی اہل زبان نہیں ہے۔ اشعار  
اساتذہ ایران کو ماخذ ٹھہر کر جو لغات انکی نظم میں دیکھئے مناسبست مقام ان لغات  
کے معنے لکھ بیٹے استنباط معنے کا مدار قیاس پر یہ میں نہیں کہتا  
کہ قیاس انکا سرسری غلط میرا قول یہ ہے کہ کمتر صحیح اور بیشتر غلط ہے ان  
سب فرہنگ لکھنے والوں میں یہ دکن کا آدمی یعنی جامع برہان قاطع  
احق اور غلط فہم اور معوج الذہن ہے مگر قسمت کا اچھا ہے مسلمان اس کے  
قول کو آیت اور حدیث جانتے ہیں اور ہندو اس کے بیان کو مطالب  
مندرجہ بید کی برابر مانتے ہیں۔

گیا اور گیاہ بہ کاف فارسی مکسور سبز گھانس کو کہتے ہیں۔ گیا  
بہ کاف فارسی مفتوح کوئی لغت فارسی نہیں تو ہرگز نہیں ہے۔

مولوی روم اور حکیم سنائی کے مات کے لکھے ہوئے شعر کے دیکھ  
 ہیں کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کاف پر دو مرکز اور فتح بنا دیا ہو۔ فرہنگ  
 نویسوں کی رسلے کی تباہی اور قیاس کی غلطی ہے جو ایسا سمجھے ہیں۔  
 نہ گیا یعنی وہ ہے نہ گیا یعنی مقدم وہ ہے نہ گیا یعنی پہلوان ہے۔ نہ کار گیا  
 کوئی لفظ ہے نہ کوئی لغت ہے۔ کے بہ کاف عربی مفتوح بروزن سے  
 ایک لغت فارسی ہے ذومنین یعنی دو معنی دیتا ہے ایک تو  
 کب یعنی کس وقت اور دوسرے معنی اسکے ہیں حاکم اور مالک  
 کے الف جو اسکے آگے آتا ہے کثرت کے معنی دیتا ہے جیسے خوش  
 بہت خوش بڑا بہت بد۔ کیا بڑا حاکم

عشق آں بجز میں کہ جلا دلیا یافتند از عشق او کار کیا

یعنی بہ سبب عشق کار بزرگ یافتند

سرفرد بزرگ تبار سردار سرشیدم چاکری کردیم تا کار کیا فی قیسم  
 یہاں بھی وہ کار بزرگ یعنی بڑا کام۔ پس یہ تختانی اگر بھول ہے تو  
 تعظی ہے اگر معروف ہے تو مصدری ہے یعنی بزرگی کا کام حکومت کا کام  
 وہ کیا مضاف و مضاف الیہ مقلوب ہے یعنی کیا ہی وہ اور حاکم وہ  
 کلایکا "مشکل یعنی کیا ہے کار و مالک کار یہاں ماقبل اس کے رائے کسو  
 لائینگے وہاں کار موصوف اور کیا "صفت ہے۔ نہایت تحقیق و حقیقت  
 یہ ہے فقیر نے جہاں "کیا" کے لفظ پر خطِ مستطیل کھینچا، وہ علامتِ فتح ہے  
 دوسرا مرکز نہیں جو کاف فارسی سمجھا جائے۔ او کا طالب غالب رہا مٹی کیوں ام شیا

## منبر

فقیر اسد اللہ خباب مخدومی کرامت علی صاحب کیندیت  
میں عرض کرتا ہے کہ آپ کی تحریر کے دیکھنے سے پتا چلا کہ آپ میرے ہاں آئے  
ہیں اور میں نے آپ کی ملاقات سے حفا اٹھایا ہے۔ حل معنی شمار کی ضرورت  
ہے کہ ہندی کے شعر میں شعر نہیں شعر لکھتے ہیں کسی کے ہیں  
بلکہ اغلب ہے کہ نسخ کے ہوں۔ شمار فارسی بہت سیکھتے ہیں۔  
خوست کرنا نہ بخد و تقریب بخیدن نہ داشت

ہرم غیر از دوست پر سیدیم و پر سیدن نہ داشت  
داشتن یعنی رکھنے کے ہے۔ لیکن اہل زبان معنی بالیتن بھی استعمال کرتے  
ہیں۔ نلوزی ہے

گر اسیر زلف و کاکل گفتہ باشم خورشید را  
گفتہ باشم میں قدر بخورشیدن نہ داشت  
میرے شعر میں پہلے مصرعہ کا داشت مجھنے رکھنے کے اور دوسرے  
مصرعہ کا داشت یعنی بالیت ہے۔ مفہوم شعر یہ کہ دوست ایسا جیلہ و مقولہ  
تھا کہ اس کے ذریعے مجھ پر غما ہو۔ چاہتا تھا کہ از ردہ ہو مگر سبب نہیں  
پاتا تھا۔ تضار کچھ دونوں کے بعد رقیب معشوق کو ملال ہوا۔ میری جو

شامت آئی میں نے دوست سے پوچھا کہ قریب کیا گناہ کیا جو راندہ درگا  
 ہوا بہ مشوق کسی گستاخی کو بہانہ بعتاب ٹھہرا کر آذرہ ہو گیا۔ اب اعراف میں  
 کرتا ہے اور کتاب ہے ہائے پریدن نہشت یعنی پوچھنا نہ چاہئے تھا  
 دیر خواندی سوئے خویش و زود فہم دم درین  
 پیش ازین پانچم ز گرو راہ سچیدن نہشت

عاشق ایک عسکر تک منتظر رہا کہ یار مجھ کو بلا دے۔ مگر اُس عیار نے  
 نہ بلایا رفتہ رفتہ میں غم ایسا زار و ناتواں ہو گیا کہ طاقت رفتار نہ رہی  
 اور گرو راہ سے میرے پاؤں الجھنے لگے جب سنے یہ جانا کہ اب نہ اسکے گا  
 تب بلایا۔ عاشق کتاب ہے کہ تو نے میرے بلانے میں دیر کی اور میں اسکی  
 وجہ جلد سمجھ گیا کہ تو نے میرے بلانے میں اس واسطے دیر کی کہ اس سے پہلے  
 میں ایسا ضعیف نہ تھا کہ تو بلائے اور میں نہ آؤں۔ دیر بخ کو یہ نہ سمجھا جائے  
 کہ زود فہم دم پر ہے یا پہلے سے بجا نہ ہونے پر ہے۔ دیر بخ ہے دوست  
 کی بیوفائی اور بے سبب آزار دینے اور اپنی عمر تلف ہونے پر ہے  
 من و فام دم و قریب برزد نیمہ لبش نگین و نیمہ تبرزد

انگلیں شہد کہہ سکتے ہیں اور تبرزد مصری کہہ سکتے ہیں ان معنوں میں کہ یہ ماتم  
 قند اور تباشیر کے جلد ٹوٹنے والی نہیں جب تک اُس کو تبر سے نہ  
 توڑ دے و مدعا حاصل نہیں ہوتا۔ برزدوں۔ اگرچہ لغوی معنی اسکے ہیں باہر نانا  
 یعنی بد رہا ہر اوندہ دن مارنا۔ لیکن روزمرہ میں اس کا ترجمہ ہے نکلی نانا۔ اب  
 جب یہ معلوم ہو گیا تو یوں سمجھئے کہ مشوق کے ٹوٹوں کو میٹھا کہتے ہیں اور

قند اور مصری اور شہد سے نسبت دیتے ہیں اور بہت کھٹی مٹھاس کی عاشق  
 ہے پس جو کھٹی کہ مصری پر بیٹھی وہ جب چاہے بے تکلف اڑ جائے اور جو  
 کھٹی شہد پر بیٹھی گی جب وہ اڑنے کا قصد کرے گی پروبال اس کے شہد میں  
 پلٹ جائیگی اور وہ مکررہ جائیگی۔ پس اب یہ کہتا ہے کہ میرے معشوق  
 کے ہونٹ شیرینی میں میرے واسطے شہد ہو گئے اور رقیب کے واسطے مصری  
 یعنی وہ چاٹ کر لطف اٹھا کر صبح و سالم چلا گیا اور میں بھینس کر وہیں  
 مکررہ گیتا

نکاش میں دھما دو نفوذش گرتے افگند ہم جسم جگر زد  
 زدن لازمی بھی ہے اور متعدی بھی لازمی کے معنی ہندی میں لگ جانا  
 متعدی کے معنی مارنا یا مارا جانا لازمی ہو یا بے جھجکا چاہیے کہ نکاش شراب گزرتا ہے یعنی اگر  
 شراب میں زون ڈال کر ایک آدھ دن دھوپ میں رکھیں تو اس میں  
 نشہ جاتا رہتا ہے اور وہ سرکہ ہو جاتا ہے اور زخم پر اگر نکاش ڈالیں تو وہ  
 کٹاؤ کرتا ہے اور زخم کو بڑھاتا ہے مقصود شاعر کا یہ کہ تو میرے معشوق  
 کے نکاش کو دیکھ اور دیکھ کہ اوس نکاش کے نفوذ پر کتنا بھروسہ ہے۔ اگر وہ  
 اوس نکاش کو شراب میں ڈال دیتا ہے تو وہ شراب میں نہیں ملتا  
 اور زخم جگر پر جا لگتا ہے۔ یعنی اگر بے محل بھی کرشمہ کرتا ہے تو بھی وہ اپنا  
 کام کرتا رہتا ہے

کیست درین خانہ کہ خط طعاعی ہر نفس بیزہ بابہ روزن در زد  
 یہ خیال ہے یعنی ایک گھر میں اس کا محبوب بیٹھا ہوا ہے اور اسے جان



لیا ہو کہ کون ہے۔ مگر بطریق تماہل بھولا بن کر پوچھتا ہے کہ آیا اس گھر  
میں ایسا کون ہے کہ ہر صبح اپنے آفتاب نے اپنی سانس کے ٹکڑے فرط شوق  
سے دروازہ کے روزن پر پھینک دیے ہیں فہستہ کے خطوط شاعری کا  
روزوں میں پڑنا اور ان خطوط شاعری کا یعنی سونج کی کرن کا بصورت  
سانس کے ٹکڑوں کے ہونا ظاہر ہے۔

دعویٰ اور اورد دلیل بدیہی خندہ دندان ناہن گہر زد  
خندہ دندان ناہن مہنی کو کہتے ہیں جو بستم سے بڑھ کر ہو اور اس میں دنت  
ہنسنے والے کے دکھائی دیں۔ مشوق موتیوں کے حسن پر ہنسنا اور ہنستا  
کوئی اسی چیز پر ہے جس کو اپنے نزدیک ذلیل سمجھ لیتا ہے حال مہنی  
یہ کہ میرا مشوق موتیوں کے حسن پر ہنسنا گویا اس نے یہ دعویٰ کیا کہ موتی کچھ بھی  
چیز نہیں اب دعویٰ کے واسطے دلیل ضرور ہے۔ سو شاعر یہ کہتا ہے کہ  
میرے مشوق کے دعویٰ پر دلیل بدیہی ہے یعنی ہنسنے میں اس کے  
دانت نظر آئے معلوم ہوا کہ وہ حسن جو لوگ موتی میں گمان کرتے تھے وہ  
لفظ ہے حسن یہ ہے کہ جو مشوق کے دانتوں میں ہے۔ پس اسی دلیل کو  
سب نے دیکھ لیا اور چونکہ بدیہی تھی مان لیا ہے

غیرت پر دانہ ہم روز مبارک نالہ چو آتش ببال مرغ سحر زد  
پردانہ کی غیرت دن کو بھی مبارک سمجھنی چاہئے۔ پردانہ کی غیرت وہ غیرت  
ہیں کہ جو پردانہ میں پڑا پردانہ کو ہو۔ بلکہ وہ غیرت کہ جو اور کو آتی ہو پردانہ  
پر۔ یعنی رشک۔ حال مہنی یہ کہ میں تو دن رات عشق میں جلتا ہوں۔ بات

کو جو پروانہ جلتا ہوا دیکھتا تھا تو مجھ کو اُس پر رشک آتا تھا۔ دن کو کوئی ایسا نہ  
 تھا کہ مجھ کو اُس پر رشک آوے۔ لواب وہی غیرت اور وہی رشک جو ٹپا  
 پر شب کو تھا اب دن کو بھی مبارک ہو۔ یعینے میرے صبح کے نالوں  
 سے مرغ سحر پر دس میں آگ لگ گئی اور میں اپنی متی اور بیخودی میں  
 یہ نہیں جانتا کہ یہ میرے نالے کے سب سے مجھ کو وہ رنج اور غصہ تازہ  
 ہو گیا جو رات کو پروانہ کو دیکھ کر کھاتا تھا۔ اب مرغ سحر کو جلتے ہوئے دیکھ کر  
 جلتا ہوں کہ اسے یہ کون ہے کہ جو میری طرح جلتا ہو۔

شکر ہو شرم زدہ سے شیکستی غمہ ساقی غنیمت راہ نظر زد  
 نظر فکر کو بھی کہتے ہیں اور نگاہ کو بھی۔ یہاں نگاہ کے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہو  
 کہ میں ایسا نہ تھا کہ شراب کی تاب نہ لانا اور شراب پی کر ہوش ہو جاتا مگر  
 کیا کروں کہ پہلے غمہ ساقی نے نگاہ کو خیرہ اور مغلوب کر دیا پھر  
 اُس پر شراب پی گئی بیخودی کا استعداد تو ہم پہنچ ہی گیا تھا ناچار ہوش  
 جاتے رہے۔

زاں بہت نازک چہ چاہے دعویٰ خونست درست وے و دانستے کہ ادب کر زد  
 اس شعر کا لطف و جدائی ہے بیانی نہیں ہے معنی اس کے یہ ہیں کہ اُس  
 معشوق سے کہ وہ بہت نازک ہے۔ خون کا دعویٰ کیا کریں کہ اُس کو قوت  
 عزم قتل دامن گردانے وقت وہ صدمہ پہونچا کہ اس کا مات ہے اور وہ  
 دامن کہ جو اُس نے گردان کر کر پڑا نہ تھا اُس سے ایسا بچکا کر کو پہونچا  
 ہے کہ وہ آپ اپنے دامن پر داد خواہ ہو رہا ہے۔ پس اُس سے کوئی

خون کا کیا دعویٰ کرے گا قسطہ

برگ طرب اختتم و بادہ گرفتیم ہرچہ ز طبع زمانہ ہمیدہ سرزد  
شاخ چہ بالہ گرارمغاں گل آورد تاک چہ ناز و اگر صلا سے مرزد  
شاعر کہتا ہو کہ یہ روید گیاں بقضائے طینت خاک ہر طرف ظاہر  
ہوا کرتی ہیں مثلاً گتا۔ اب کچھ خاک کو اور ہو اویسی منظور نہیں کہ اُس کا رس  
نکلے اور اُس کا قند بنے۔ یہ آدمی کی دشمنی ہے کہ اُس نے اُس گھاس  
میں یہ بات پیدا کی۔ بس اسی طرح انگوڑ ہیں اور گلاب کے پھول ہیں شاخ گل  
کیا جانے کہ پھول میں کیا خوبی ہے اور تاک کیا جانے کہ میرے پھل میں کیا  
ہنسر ہے۔ ہم نے اپنی زور عقل سے انگوڑ کی شراب بنائی اور پھول کو ہر ہر رنگ  
سے اپنے کام میں لائے۔

کام نہ بخشیدہ گنہ چشمداری غائب کین بر التفات نیرزد  
یگستاخانہ اپنے پروردگار سے کہتا ہے کہ جب اس عالم میں تو نے میری  
داد نہ دی اور میری خواہشیں پوری نہ کیں تو بس اسب علوم ہوا کہ میں لائق  
التفات کے نہ تھا۔ پس جب میں لائق توجہ کے نہیں تو اب عالم عجبے  
میں میرے گناہوں کا مواخذہ کیا ضرور ہے جب ہمارے مطالب اپنے  
ہم کو نہ دیئے تو ہمارے معاصی کا بھی شمار نہ کیجئے۔ جانے دیجئے۔ ہم میں  
التفات کی ارزش نہیں ہے۔ ۱۲۔ غالب (بنام مولوی کریم علی)

## نمبر ۷۸

بر خوردار غزل تہاری ہم کو پسند آئی اصلاح دیکر بھیج دی گئی۔ اسکا  
 تم خیال رکھا کرو کہ کس لفظ کو کس معنی کے ساتھ چونہ ہے رع چرانہ یاس  
 بجان اُمیدوار اُفتد یہاں اُفتد مہل ہو۔ یاس بدل اُفتادن دیاس  
 بجان اُفتادن روزمرہ نہیں اور بھی کئی اُفتد ایسے ہی ہیں۔  
 سیاہ بختم اگر برسم گزار اُفتد بساں سایہ ہائیز سوگوار اُفتد  
 سوگوار ہونا سایہ کا بہ اعتبار سیاہی رنگ ہے اب یہاں دو نو اُفتد ٹھیک ہیں  
 گزار اُفتادن روزمرہ اور دوسرا اُفتد بمعنی واقعہ شوق ہے  
 شیندہ ام بختلے تو قبلہ است چرانہ شور بجان اُمیدوار اُفتد  
 شور اُفتادن روزمرہ ہے اور یاس اُفتادن غلط ہے  
 بہ حیرت کہ زدنخ کسان دوزخ را کجا برند چو اہم شرارہ بار اُفتد  
 یہاں اُفتد بمعنی واقعہ شوق ٹھیک ہے  
 نگہ برم دین مسلمان حیرت کہ مرا سوائے دوزخ وینو کجا گزار اُفتد  
 یہ شعر تہارا بہت خوب ہے آفرین ہے  
 قرار در وطن افسردہ می کند لا خوشا غریب کہ دور از دیار اُفتد  
 یہاں بھی اُفتد صحیح و بامعنی ہے  
 نیم رقیب رسوائیم خجل نکند خوش پیشیم اگر یار پرہ د اُفتد  
 یہاں بھی اُفتد بمعنی واقعہ شوق ہے

ترا کہ شیوہ دیگر گوں کنی بزعم بیا  
اقتد یہاں بھی ٹھیک کہ ہوا بات اتنی ہی تھی کہ بود گدلا لفظ تھا کنی صاف  
ہے

خط رخ تو بدل دادہ خط آزادی خوشم کہ در شکن زلف تابدافتہ  
وہ صورت اچھی نہ تھی یہ طرز خوب ہو گئی۔ معنی کا عیار کامل ہو گیا۔  
چکد ز خامہ جو ہر سخن چنانکہ مگر بزور معجز دُر از بحر بر کنار اقتد  
دولت اقبال روز افزوں وزی باد۔ از اسد اللہ نگاشتنہ شنبہ نیم اپریل  
۱۸۵۳ء عیسوی۔ (بنام منشی خواہر سنگھ جوہر)

## نمبر ۶۹

فرزند ولند سعادتمند منشی ہیلر سنگھ کے حق میں میری دعائیں قبول  
ہوں اور اُن کے جتنے مطالب مآرب ہیں وہ عنایت آگہی سے پورے  
ہوں۔ بھائی بسا اصل کی سند پر پیشہ ہے طالب آگہی کا۔  
مٹے اُن گدائے خوتیں دل بود بخار لب اصل  
لب بام، لب فرش، لب گور، لب چاہ، لب دیا، لب اصل، بمعنی  
کنارہ کے سب سے قبل اہل ایران لب بام اُس مقام کو کہتے ہیں کہ جہاں ایک قدم  
آگے بڑھائیے تو وہ سے انگنائی میں آئیے۔ پس لب دیا اُسے سمجھئے  
جہاں سے قدم بڑھائیے تو پانی میں جلیے۔ لب اصل وہ ہوا جہاں سے آگے

بڑے تو دریا میں گرے۔ لب دریا سے پاؤں پانی پر دکھاتا ہے۔ جیسا کہ  
کیواسطے۔ اور لب اصل سے دریا میں کودتے ہیں جس طرح سلطان جی کی  
باؤلی میں لب بام سے تیراک کودتے ہیں۔ اسی طرح تیراک جہاں دریا کا پانی  
نشدب میں ہوتا ہے وہاں کرارے کے کنارے پر سے کودتے ہیں۔  
کرار اسل اور کرارے کا کنارہ لب اصل جو صاحب کتب لب اصل کو صحیح  
نہیں جانتے کیا وہ طالب کمالی کو بھی نہیں مانتے گے اور اس لفظ پر اعتراض  
کرنیکا سبب یہ ہے کہ ان بیچاروں نے سوائے گلستاں بوستاں کے  
کوئی فارسی کی کتاب نہیں دیکھی۔ اگر مدت تک قدما کی تصنیفات نظر میں  
رکھیں گے تو یقین ہے کہ دیکھ لیں گے۔ نجات کا طالب غالب۔

(بنام منشی ہیر سنگھ)

## منبر

آئیے جناب میر محمد یصاحب ہلوی، بہت دلد میں آئے کہاں تھے  
بارے آپکا مزاج خوش ہے۔ میر سر فراز حسین صاحب بھی طرح ہیں میرن جہا  
خوش ہیں۔

مہنتی ہماری اپنی فنا پر دلیں ہے یا تاکہ کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے  
پہلے یہ سمجھو کہ قسم کیا چیز ہے۔ قداس کا کتنا لہجہ ہے۔ ہاتھ پاؤں کیسے ہیں  
رنگ کیسا ہے جب یہ نہ بتا سکو گے تو جاؤ گے کہ قسم و قسم ہا بنات میں سے

نہیں ایک اعتبار محض ہے وجود کا صرف تعقل میں ہے سیمرخ کا سارا  
وجود ہے یعنی کہنے کو ہے دیکھنے کو نہیں۔ پس شاعر کہتا ہے کہ جب ہم  
آپ اپنی قسم ہو گئے تو گویا اس صورت میں چار ہونا ہمارے نہ ہوئی دلیل  
ہے ۱۲

میخواہم از خدا و نمی خواہم از خدا دیدن حبیب او ندیدن قییب او  
لفظ شمر ہے ”میخواہم از خدا دیدن حبیب او“ ”نمی خواہم از خدا نہ  
دیدن رقیب او“۔ خوار و زار و مست و سوگوار معنی تو اس میں موجود ہیں  
مگر بول چال نکال سے باہر ہے ایک جملہ کا جملہ مقصد چھوڑ دیا ہو اور پھر اس  
بھونڈی طرح سے کہ جس کو احسن فی لطن الشاعر کہتے ہیں۔ یہ شعر اس قدر  
مسلم الثبوت میں سے کسی کا نہیں ہے۔ کوئی صاحب ہونگے کہ انھوں نے  
لوگوں کے حیران کرنے کے واسطے یہ شعر کہ دیا اور کسی استاد کا نام لے دیا  
کہ یہ ان کا ہے۔

تذکیر و تانیث کا کوئی قاعدہ مضبوط نہیں کہ جیسے کلم کیا جائے۔  
جو جس کے کاؤں کو لگے جس کو جس کا دل قبول کرے اس طرح کہے رہے  
میرے نزدیک مذکر ہے۔ یعنی رہے آیا لیکن جمع میں کیا کرونگا چار مؤنث  
بولنا پڑے گا۔ یعنی رہیں آئیں خیر مؤنث ہے بہ اتفاق۔ مگر کاغذ اخبار  
اس کو خود سبھ لو کہ تمہارا دل کیا قبول کرتا ہے میں تو ذکر کرونگا یعنی اخبار  
آیا۔ ”پیر“ ہوئی یا ہوا میطلق عوام کا ہے۔ میں اس سے کچھ کام نہیں ہم کہنے  
کہ وہ شنبہ ہوا پیر کا دن ہوا نرمی پیر ہوئی یا پیر ہوا ہم کیوں بولیں گے۔

بلبل میسر نر دیکھ مونس ہے جمع اسکی بلبلیں طوطی بولتا ہے۔ بلبل  
 بولتی ہے بھائی اس امر میں مفتی و مجتہدین نہیں سکتا۔ اپنا عندیہ لکھتا ہوں  
 جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے ۱۲۔ نجات کا طالب غالب۔ ششہ  
 ۸۔ دسمبر ۱۸۶۳ء ۴۔ (بنام میر ہندی مہر جوج)

## نمبر ۸

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھوں۔ قاطع برہان کے مسودے سب  
 میں نے پھاڑ ڈالے اس واسطے کہ ہر نظر میں اس کی صورت بدلتی گئی۔  
 وہ تحریر بالکل منشوش ہو گئی۔ ہاں اسکی نقلیں صاف کہ جن میں کسی طرح کی غلطی  
 نہیں ذاب صاحب نے کر لی ہیں۔ ایک میسر کے واسطے ایک ضیاء الدین  
 خان کے واسطے۔ میری خاکس کی جو کتاب ہے اسکی جلد بندہ جائے تو لکھتی  
 ستارہ بھید و نگاہ کی نقل لیکر میری کتاب چھکو پھیر دینا اور یہ امر بعد  
 محرم واقع ہو گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ جو صاحب اسکو دیکھیں گے وہ ہرگز نہ  
 سمجھیں گے صرف برہان قاطع کے نام پر جان دینے کی باتیں جس شخص میں جمع  
 ہوئی وہ اسکو مانے گا۔ پہلے تو عالم ہو۔ دوسرے فن لغت کو جانتا ہو۔ تیسرے  
 فارسی کا علم خوب ہو اور اس زبان سے اسکو لگاؤ ہو۔ اسامزہ سلف کا  
 کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھ یاد بھی ہو۔ چوتھے منصف ہو مہت و دھرم  
 نہ ہو یا جو اس طرح سلیم و ذہین تہقیرم نہ لکھتا ہو۔ معوج الذہن اور کج فہم نہ ہو۔



نہ یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی اور نہ کوئی میری محنت کی وادہ دے گا۔  
 فہمائش کا لفظ میاں بدھا ولد میاں جہا اور لالہ گنیشی داس ولد  
 لالہ بھیروں ناتھ کا لکھا ہوا ہے میری زبان سے تم نے کبھی سنا ہے؟  
 اب تفصیل سنو! امر کے صیغہ کے آگے شین آتا ہے تو وہ امر معنی مصدری  
 دیتا ہے اور اس کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ سو فتن مصدر، سوزد  
 مضارع، سوز امر، سوزش حاصل بالمصدر۔ اسی طرح ہیں خواہش، کشش  
 گزارش، گدازش، آدائش، پیرائش، فہمائش۔ فہمدن فارسی الہل  
 نہیں ہے مصدر جہلی ہے۔ فہم لفظ عربی الہل ہو۔ طلب، لفظ عربی الہل  
 ہے۔ ان کو موافق قاعدہ تفریس فہمدن اور طلبیدن کر لیا ہے اور ایش  
 قاعدے میں یہ کیلتہ ہے کہ لغت اصل عربی خبر کو امر بن جاتا ہے فہم  
 یعنی فہم۔ سمجھ طلب یعنی بطلب بانگ۔ فہم مضارع بنا۔ طلب مضارع بنا  
 خیر یہ فرض کیجئے کہ جب ہم نے مصدر او مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل  
 مصدر کیون نہ بنائیں۔ سنو جان! مصدر فہم ایش اور طلبش ہونا چاہئے۔ فہم  
 تھا صیغہ امر فہم سے نکلا تھا۔ الف اور یہ کہاں سے آیا۔ فہائی تو نہیں  
 ہے جو فہمائش درست ہو۔ کہیں فہمائش کو اس کا نظیر گمان نہ کرنا وہ  
 مصدر اعلیٰ فارسی فرمودن ہے۔ فرماید مضارع۔ فرمائے امر حاصل مصدر  
 فہمائش۔ پہلے حکیم میر شرف علی کو دعا اور مینا پیدا ہوئی مبارکباد،  
 میاں میں نے راستہ کو اپنے عالم سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ میر  
 کاظم دین کے بارہ سو کچھتر ہوتے ہیں لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہمائش

مکالم سے باہر ہے۔ غالب

(بنام میر ہندی مجروح)

## نمبر ۸۱

بندہ پرورد آپ کے عنایت نامے آنے سے تین طرح کی خوشی مجھ کو  
 حاصل ہوئی۔ ایک تو یہ کہ آپ نے مجھ کو یاد کیا۔ دوسرے آپ کی طرز عبارت  
 مجھ کو پستد آئی۔ تیسرے یہ کہ آپ حضرت آزاد منفور کی یادگار ہیں اور میں  
 ان کے حسن کلام کا متقد ہوں۔ خواہش آپ کی کیا ممکن ہے کہ مقبول نہ ہو  
 جب مزاج میں آپ نظم و شعر بھیج دیں میں دیکھ کر بھیجے دیکھ کر دنگا۔ اور آرائش  
 گفتار یعنی حکمت و صلیح میں دیرینہ نہوگی۔

بارہ برس کی عمر سے نظم و شعر میں کاغذ ماتہ اپنے نامہ اعمال کے سیاہ  
 کر رہا ہوں۔ باسٹھ برس کی عمر ہوئی پچاس برس اس شیوہ کی ورزش میں گریں  
 اب جسم و جاں میں تاب دتواں نہیں۔

نشر فارسی لکھنی ایک قلم موقوف۔ اردو سواس میں عبارت آرائی لکھنی  
 جو زبان پر آوے وہ قلم سے نکلے پاؤں رکاب میں ہے اور ہاتھ باگ پر کیا  
 لکھوں اور کیا کروں یہ شعر اپنا پڑھتا ہوں۔

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ مر گئے پردے کھٹے دکھلائیں کیا

آپ ملاحظہ فرمائیں ہم اور آپ کس زمانے میں پیدا ہوئے ہیں اور کی فیض رسانی  
 لے یعنی میر غلام علی آزاد بلگرامی۔

اور قدر دانی کو کیا روئیں اپنی تکمیل ہی کی فرصت نہیں۔ تباہی ریاست اور  
 نے باآں کہ بیگانہ محض ہوں مجھ کو اور بھی افسردہ دل کر دیا۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ  
 سخت نا انصاف ہونگے وہ اہل ہند جو افسردہ دل نہوے ہونگے۔ اللہ ہی  
 اللہ ہے۔ کل آپ کا خط آیا آج میں نے جواب لکھا تاکہ انتظار جواب میں  
 آپ کو ملال نہ ہو والسلام مع الاکرام از اسد اللہ نگار ششم ببت و سوم فردہی  
 شہ ۱۵۵۶۔ (ہمام قدر بگرامی)

## مذہب

حضرت میں نے چاہا کہ حکم بجالاؤں اور عبارت کو اصلاح دوں  
 مگر میں کروں آپ غور کریں کہ اصلاح کی جگہ کہاں ہے اگر بیشل آپ خود نظریاتی  
 میں کوئی لفظ بدلا چاہیں تو ہرگز جگہ نہ پائیں جس کا غنہ پر اصلاح منظور ہوئی  
 ہے تو بین اسطور زیادہ چھوڑتے ہیں جب اس عبارت کو اور کاغذ پر نقل  
 کروں تب حاکم و اصلاح کا طور بنے۔ میرا کام اصلاح عبارت ہے نہ کتابت۔  
 زردشت اشکدہ الزردشت کو آتش کدہ سے وہ نسبت نہیں جو اتنی  
 کو میخانے سے ہر زردشت با اعتقاد جوں پیہر تھا آتش کدہ کے پجاری کو  
 موبد اور پیر کہتے ہیں۔ ”آب حرام شتیاق“ آب حرام شراب کو محل  
 مناسب پر کہیں تو کہیں ورنہ بادہ و حقیق دے و راق کی طرح آسم نہیں۔  
 ناچار شراب شوق یا بادہ شوق لکھنا چاہیے اشتیاق سے شوق بہتر ہے۔

”ماہم دوسہ جاگلی علی التواتر زدہ بودم“ مازوہ بودم تہا رادل اس ترکیب کو قبول کرتا ہے؟ سن زدہ بودم یا مازدہ بودیم؟ اس سے علاوہ دوسہ جاگلی بکاف فارسی یعنی چہ؟ جام معلوم کاف تصغیر کا جاگلی چاہے جاگلی کیا؟ مگر یہ سپردی قلیل کی ہے۔ کہ وہ ایرانیوں کی تقریر کے موافق تھو بناتے تھے تھو سی جلال ظہیر طاہر وحید کسی کے ہاں جام کو جاگلی نہیں لکھا دوسہ جاگلی کی جگہ دوسہ ساغر یا دوسہ قنچ لکھو، پانچاری گلستاں بر باغبان است دیماری اور قدر دانان۔ میں اس فقرے کو نہیں سمجھا یعنی بزرغبان کیا ہے۔ تیماری کیا ہے۔ تیمار معنی بیاداری و غم خوری ہے جب یہ لفظ خود افادہ معنی مصدری کرتا ہے تو یاے مصدری کیسی؟ تیرہ شئی ہا بسر آمد۔ تیرہ شے ہا بسر آمد خیر۔ تیرہ شے ہا بسر آمد یعنی چہ۔ لیلایے دیدم کہ باہر طرہ طرار۔ طرہ زلف کو کہتے ہیں وہ دو ہوتے ہیں نہ کہ ہزار در ہزار۔

جاگلی مکرر دیکھا گیا۔ معلوم ہوا حضرت نے جو کہیں جاگلی خوار دیکھا تو اُس کو جام خوار معنی شرب خوار سمجھا ہے یہ غلط ہے۔ جاگلی خوار اُس ذکر کو کہتے ہیں کہ جس کی تنخواہ کچھ نہرونی کپڑے پر اُس سے کام لیتے ہوں۔ ”در توبہ باز است“ باب رحمت فراز یعنی اس کے یہ کہ توبہ کا ذکر کھلا ہو اور دروازہ رحمت کا بند ہے۔ فراز اضداد میں سے نہیں ہے۔ باز کھلا۔ فراز بند۔ قدر زعفران زار را بوسے گل کرد۔ اس کا لطف کچھ میسر نہیں

۱۲ کتب لغات میں اس لفظ کو لغات اضداد سے لکھا ہے

نہیں آیا۔ قدر زعفران نثار کیا۔ اور پھر اس کو کس نے بوسے گل کر دیا۔  
 سہ کر۔ کہ دام زبان است عربی یا فارسی۔  
 حسب لیاقت خود کافی است خودم چہ محل دارد۔ مگر ہاں شیوہ قاتل  
 بندہ مجبورم۔ ہاں سکہ قاتل۔

صاحب من تحریر میں اسانڈہ کی تحریر کا متبع کر دے یہ کہ منسل کے لہجہ کا۔  
 متبع بھٹا نڈون کا کام ہے نہ دبیروں کا اور شاعروں کا۔  
 جناب نوروز علی صاحب کی خدمت میں میرا سلام نیاز عرض  
 کیجئے گا اور یہ کہیے گا کہ بزرگ خط کا ایک آنہ دینا پڑیگا۔ ہر مہینہ میں آٹھ خط  
 تک بلکہ سولہ خط تک میں نہ گھبراؤں گا۔ بھیجئے۔ رہا جواب کا لکھنا کاش آپ یہاں  
 ہوتے اور میرا حال دیکھتے تو جانتے ہر روز صبح کو قلعہ جانا دوپہر کو آنا بعد کھانا  
 کھانے کے حضرت کے مسودوں کا درست کرنا۔ احباب کے خط لکھنے کی  
 فرصت بہت کم ہاتھ آتی ہے والسلام  
 (بنام قدر بگرامی)

### نمبر ۸۳

حضرت آپ کے خط کا کاغذ باریک اور ایک طرف سے سرسبز سیاہ  
 دوسری طرف اگر کچھ لکھا جائے تو میری تحریر ایک طرف تم خود اپنی عبارت کو  
 درست ٹیڑھ کو گئے۔ ناچار جداگانہ ورق پر سوالات کا جواب لکھتا ہوں۔  
 رنگ بوزن سنگ ترجمہ لون اور لفظ فارسی الاصل ہے جب اس کے

اردو میں منصرف یا بقول بعضے متصرف کرینگے تو فون کا لفظ موبہوم سا رہ جائے گا۔

رنگنا بوزن چند جانہ کینگے بلکہ وہ لہجہ اور ہے جیسا کہ اس مصرع میں ہے  
ہم نے کپڑے رنگے ہیں شنگرنی۔ یہ صحیح ہے اور فصیح ہے سہ ہم نے  
رنگے ہیں کپڑے شنگرنی۔ یہ اعلان فون گنواہی بولی اور غیر صحیح اور قبیح ہے۔  
خرام کو کون ٹونٹ بولیکا مگر وہ کہ دعویٰ فصاحت سے ہاتھ دیکھا  
رفتار ٹونٹ اور خرام مذکور ہے۔ رفتار کی تائید کو خرام کی تائید کی سند  
ٹھہرنا قیاس مع الفارق ہے۔ حرف سروری جس کو ثنائی بھی کہتے ہیں جڑ  
سے زائے معجزہ تک الف کی جگہ تحتانی بھی قبول کرتے ہیں۔ مولوی آل بنی  
سہارنپوری اور مولوی امام بخش دہلوی میں اس بات پر بڑا جھگڑا ہوا مولوی  
امام بخش باکو بے کہنا جائز نہیں کہتے تھے خسرے مولوی آل بنی نے ائمہ  
فن کلام کے کلام سے اسکا جواز ثابت کر دیا مگر صرف اذروے تلفظ اور کسی  
اجازت کا کوئی قاعدہ خاص اسکے واسطے نہیں لادو میں طاوٹوی اور  
ظاٹوٹوی کہتے ہیں اور باقی حروف کے آخر میں تحتانی بولتے ہیں۔ لسان  
عرب و عجم میں موحده سے زائے مجملہ تک اسدا و آخر حروف میں الف بھی ملائے  
ہیں اور تحتانی بھی۔ طاٹا کو طاٹا ہی کینگے نہ ٹوٹوی نہ ٹوٹے  
ہذا القیاس حروف باقیہ یا تم اسدا اللہ خان۔

لے و حرنی یعنی دو طرح پڑھے جانے والے جیسے حرف "ب" کہ با اور بے دونوں طرح  
پڑھا جاتا ہے۔ حرف "د" کہ دا اور دے دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔

اور میسہ  
بہمد جو تو دائم بکایت کم زاید  
زمانہ صوت سوال و صدا کے را  
ز غایت کرم اندر کلام تو نسبت  
باعتماد تو صد حسبت و نگرے را  
(بنام قدر بگرا می)

### نمبر ۸

یہ صاحب۔ تمہارا ہر پانی نامہ مع دو غزلوں کے پہنچا۔ جواب کے  
کہنے میں اگر درنگ ہوئی تو آزر دہ ہونا اب غزلوں کو دیکھا کہیں حاجت اصلاح  
کی حاجت نہ پائی۔ مدعاے خاص کا جواب یہ ہے کہ اجزاء خطابی یہاں  
شامل اسم نہیں ہیں صرف اسم مبارک خطوط و دعائیں پر لکھا جاتا ہے۔ مقصد  
کا بھیجنا زیادہ محض اور بے فائدہ۔ اگر میں یہاں رہتا اور تم بھی تکلیف نہ ہر می  
اٹھاتے اور یہاں آتے اور قصبہ گزرتے تو بطریق عملہ کچھ ملنے کا احتمال تھا یہ  
طرز کہ تم بھیجو اور میں گزراؤں اس سے قطع نظر کہ احتمال نفع بھی نہیں  
رکتے یہ تو سراسر میرے خلاف وضع ہے مجھ کو معاف رکھئے اور اب جو خط  
بھیجے دلی کو بھیجے گا کہ میں اس مہینہ میں ادھر کو جاؤں گا۔ رویت ہلال ماہ صیام  
اغلیب ہے کہ دلی ہی میں ہوں والسلام مع الاکرم خاتمہ ہے۔ شنبہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۶ء  
(بنام قدر بگرا می)

## منبر ۸۵

میر صاحب۔ ماجرایہ ہے کہ میں ہمیشہ نواب گورنر جنرل بہادر کے دربار میں یہی صفت میں دسواں لمبر اور سات پارچہ اور تین رقم جواہر خلعت پاتا تھا۔ غدر کے بعد نشین جاری ہو گئی۔ لیکن دربار اور خلعت بندہ اب کے جولا رو صاحب یہاں آئے تو اہل دفتر نے موجب کم کے مجھ کو طالع دمی کہ تمہارا دربار اور خلعت و گذاشت ہو گیا مگر دلی میں دربار نہیں انبالے آؤ گے تو دربار میں لمبر اور خلعت معمولی پاؤ گے۔ میں نے خبر میں وجدان کا مزہ پایا اور انبالے نہ گیا۔ رابرٹ منٹ گری صاحب لفٹنٹ گورنر بہادر قلم و پنجاب یہاں آئے دربار کیا میں بائیں ہو گیا۔ دربار کے بعد ایک دن بارہ بجے چپرسی آکر مجھ کو بلا لے گیا بہت عنایت فرمائی اور اپنی طرف سے خلعت عطا کیا آغاز دیوان کے شعر یعنی مطلع میں ہرگز حروف و الفاظ کی قید نہیں ہو۔ ہاں ردیف الف کی ہے۔ یہ امر قابل پرشش کے نہیں رہی ہے۔ دیکھو اور سمجھ لو یہ جو دیوان مشہور ہیں حافظ و صاحب سلیم و کلیم ان کی آغاز کی غزل کے مطلع دیکھو اور حروف و الفاظ کا مقابلہ کرو کبھی ایک صورت ایک ترکیب ایک زمین ایک بجز نہ پاؤ گے چہ جائے اتحاد حروف و الفاظ۔ لا اول ولا اواخر الا باللہ۔

(بنام قدر بگرامی)

۱۲ یعنی گویا وہ خلعت مجھے مل گیا  
 ۱۳ یعنی یہ ضروری نہیں کہ مطلع سر دیوان الف یا کسی خاص حرف سے شروع ہو۔



## نمبر ۸۶

سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین کو غالب گوشت نشین کی دعا پونچے حضرت کشتی کے دیوان کے لطیف کی تاریخ اچھی ہے کہیں صلاح کی جاتا نہیں مگر دوسری تاریخ میر کے سمجھ میں نہیں آئی اس فن کے قاعدے کے موافق مصرع تاریخ میں سے تکلف کے عدد نکالنے چاہیں یعنی پانسو تیس رع کلورخ انداز را پادش سنگ است۔ اس مصرع کے عدد میں اتنی گنجائش کہاں کہ پانسو تیس نکلیں اور ۱۲۷ بچ رہیں۔

صاحب تم بہت دیکھ بیکار ہو ایک جگہ سعادت روزگار کی صورت ہے تم بے تکلف میرا یہ رقعہ مہری لیکر لکھو چلے جاؤ مطبع اودھ اخبار میں میرے شفیق دلی یعنی منشی نو لکھو صاحب کے طو اور یہ رقعہ اُن کو پڑھاؤ اپنی نظم و نثر اُن کو دکھاؤ اور اپنا مبلغ علم اُن پر ظاہر کرو اگر وہ اپنی مرضی کے موافق تم کو کار گزار سمجھیں گے تو مطبع کا کام تمہارے سپرد کر دیں گے مشاہیر خواہ تم کو مقرب ہو جائیں گے معزز و مکرم ہو گے زندگی کا لطف اٹھاؤ گے لیکن شرط یہ ہے کہ جلد چلے جاؤ لکھو تم سے نزدیک ہے اتنی راہ کا قطع کرنا کچھ دشوار نہیں اگر نوکر نہ ہو جاؤ گے پھر چلے آنا بخت آزمائی ہے۔ (بنام قدر بلگرامی)

## نمبر ۸۷

سید صاحب سعادت و اقبال نشان میر غلام حسنین صاحب کے

غالب کی دعا پونچے آپ کا خط آیا اور میں نے اُس کا جواب بھجوا یا اس  
 رقعہ کی تحریر سے مراد یہ ہے کہ جناب منشی صاحب میرے سلام کہئے اور یہ  
 رقعہ اُن کو پڑھا کر عرض کیجئے کہ غالب پوچھتا ہے کہ فارسی کی کلیات کا چھاپا  
 ملتوی ہے یا جاری ہے ملتوی ہے تو کتنا کھلے گا جاری ہے تو تصحیح کئے  
 طور پر ہے تصحید اور تاریخ کلیات کا مطبع میں پتا لگے یا نہیں۔ اگر وہ  
 دونوں کا غم ہو گئے ہوں تو مسشنے ابھی دوں۔

یوسف مرزا صاحب بذریعہ میرے خط کے آپ سے مل گئے  
 یا نہیں۔ قاطع بزبان کے اجزاء کی جلدیں بندہ گئی ہیں یا نہیں اگر بندہ گئی  
 ہوں تو جناب منشی صاحب کے کہہ کر وہ جو پچاس جلدیں میں نے لی ہیں اُن  
 میں سے ایک جلد لے کر جناب فضیحا خد اوذ نعمت آئیہ رحمت قبلہ و کعبہ  
 جناب عہد العصر کیندست میں حاضر ہوا اور میری طرف سے کورنش عرض  
 کروا کر کتاب نذر کروا کر کہو کہ غلام نے بہت خون جگر کھا کر فارسی کی تحقیق  
 کو اُس پایہ پر پہنچایا ہے کہ اُس سے بڑھ کر متصوّن نہیں یہ مجال کہاں کہ داد  
 کا طلبگار ہوں صرف عز قبول کا اُمیدوار ہوں سمجھتے ہیں صاحب منشی  
 صاحب کے چاروں سوالوں کا جواب اور جو قبیلہ و کعبہ فرمائیں اُس تقریر میں  
 تغیر بالرادت بھی نہ ہو جو الفاظ حضرت کی زبان سے سنو ہو ہو لکھ بھیجواں  
 مولوی ہادی علی صاحب کا جو حال معلوم ہو وہ بھی ضرور لکھنا اور اس خط کا  
 جواب بہت جلد بھیجنا۔ بھائی میں ازراہ احتیاط تلف ہونے کے ڈر  
 سے اس خط کو ہیرنگ بھیجتا ہوں۔ دو شنبہ ششم ذی القعدہ

(بنام قدر بگرا می)

مئی سال رستاخیز ۱۳۵۷ھ

## مذہب

سید صاحب آپ کا خط جس میں قبلہ و کعبہ کا مہری و دستخطی تو قیغ ہو  
تھا پہنچا میں تم سے بہت رہنی ہوا کہ تم نے تکلیف اٹھائی اور میری نذر ہاں  
پہنچائی اب ایک اور تکلیف دیتا ہوں کہ جناب منشی صاحب کے میرے اسلام  
کہ کو ان کے حکم سے ایک نسخہ قاطع برہان کا مطبع میں سے لو اور مکان معلوم  
کر کے جناب مفتی میر عباس صاحب کے پاس جاؤ اور میر اسلام کہو اور  
کتاب دو اور عرض کر دو کہ جو خون جگر میں نے اس تالیف میں کھایا ہے یقین  
ہے کہ اسکی داد تمہارے سوا اور سے نہ پاؤنگا۔

ہاں صاحب جناب منشی صاحب کے یہ کہہ دینا کہ پچاس میں سے  
تین جلدیں میں نے پائیں اب قیمت کار دہیہ بھیج کر ۴۰ روپے منگائے لیتا  
ہوں کلیات کے لطیف کی تاریخ میں کیوں لکھوں۔ اہل مطبع کو خدا منشی صاحب  
کے سایہ عظمت میں سلامت رکھے کہہ لینگے۔ چھاپا ۸۰ میں شروع ہوا  
۸۹ میں تمام ہوگا مولوی ہادی علی صاحب کے مطبع میں آنے کا حال تم لکھو  
کلیات کے کاپی نگار کے آنے کا بھی حال معلوم کر کے لکھو۔ جواب کا طالب  
غالب ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء۔ (بنام قدر بگرا می)

## نمبر ۸۹

حضرت کیا فرماتے ہو، ہوا بھی ہو قضا بھی ہو اس ردیف کے ساتھ  
 قافیہ معمولہ آئیں سکتا۔ بیتابی ہو ہمتابی ہو کیونکر درست ہو گا وہاں موصدہ  
 کے مابعد ہائے ہوز ہے یہاں موصدہ کے آگے ے چابی کبائے فارسی اور یائے  
 حطی ہے۔ اور کا پی اور راپی اور باپی یہ قافیہ ہمدگر ہو سکتے ہیں۔ چابی  
 لغت انگریزی ہے اس زمانے میں اس سہم کا شعریں لانا جائز ہے بلکہ  
 مزادیتا ہے۔ تار کھلی اور دخانی جہاز کے مضامین میں نے اپنے یاروں  
 کو دیے ہیں اور وہ نے بھی باندھے ہیں۔ روبکاری اور طلبی اور فوجداری  
 اور سرشتہ داری خود یہ الفاظ میں نے باندھے ہیں۔ چابی بمعنی کلید شوق  
 سے لکھو نہ چاہی۔ ناسخ لکھتا ہے ے میم صاحب کے آگے کے الفاظ  
 بھول گیا ہوں خس مصرع یہ ہے؛ بس کے۔ ناز بیجا اٹھاؤں کس کس کے  
 اکی بخش خاں معروف لکھتے ہیں۔ ع

لیکن دل سوا کو دے تو گھسہ نیسلام ہو جائے  
 صاحب تم نے ثنوی خوب لکھی ہے کہیں املا میں کہیں انشائیں  
 جو غلط تھے دور کئے اور ہر صلاح کی حقیقت اس کے تحت میں لکھ دی۔  
 فکر تاریخ ثنوی سے مدۃ العمر معاف نہوں۔ ۱۲ غالب۔ (بنام قدر بلگرامی)

## نمبر ۹۰

صاحب اللہ سوائے اس خط کے تھا را کوئی خط نہیں آیا۔ کیسے  
چار خط تم نے بھیجے کیوں باتیں بناتے ہو۔ یہاں بھی ٹکٹ پر تحریر کی نعت  
ہے بہتر یہی ہے کہ طرفین سے خطوط بزرگ بھیجے جائیں کہ یہ قصہ مٹ جا  
مطلع میں نام اپنا لکھنا رسم نہیں ہے۔ میر کا تخلص اور صورت رکھنا  
ہے۔ میر جی اور میر صاحب کر کے وہ اپنے کو لکھ جاتا ہے اور کو اس عبت  
کا قبیح نہ چاہیے۔

کات کر غیروں کے سر لائے جو میر نذر کو  
ڈال دوں سونے کا انڈو پاؤ نہیں جلا دے

انڈو بدال ہندی یا بدال عربی بھائی واللہ یہ لفظ کبھی میری زبان پر نہیں  
آیا میں اسکی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ ہاں سنا ہے فلاں سردار ایسا بہادر  
ثابت قدم تھا کہ معرکہ کارزار میں ہاتھی کے پاؤں میں انڈو ڈالوا دیے۔  
ظاہر کوئی چیز ہوگی کہ ہاتھی کو مارنے رقتا رہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ  
ایک بنبد خاص ہے استعمال اس لفظ کا محال العام میں نہ چاہئے۔

اسبتن اسبت کے باب میں یہ قول معترض کا غلط ہے کہ اسبت  
کو بجائے اسبتن سمجھتا ہے۔ اسبت کوئی لفظ نہیں ہے اسبتن اصل لفظ اور  
اسبتنی مزید علیہ یہ دونوں صحیح بلکہ اسبتنی زیادہ فصیح۔ اگر معترض فیضی  
کو نہیں مانتا تو آپ معترض کو کیوں مانتے ہیں فیضی کی منقبول اور سمجوع۔

ارمغاں دار مغانی کہستن و بستنی ہے یہ تو فارسی لغت میں۔ فارسی گوئیوں  
 نے حضور کو حضور ہی اور فضول کو فضولی اور نقصان کو نقصانی لکھا ہے۔  
 آج تک سنا نہیں کہ رب کبر یا کیسی نے لکھا ہو۔ ہاں کبرائے الہی  
 یعنی خدا کی بزرگی اس نظر پر رب کبر کہیں گے نہ رب کبر یا۔ کبر یا صفت  
 واقعی ہے۔ لیکن اگر صفت سے موصوف مراد رکھیں تو ممکن ہے۔ جیسا  
 زید عدل بجائے زید عادل۔ جناب کبر یا بجائے جناب الہی جائز۔ ایک نکتہ  
 دقیق ہے یعنی مذہب حقہ امامیہ میں مجموعہ صفات عین ذات ہیں پس  
 اگر ہم نے خدا کو محض قدرت یا محض عظمت کہا تو موافق ہدایت نبی اور  
 ائمہ کے ہمارا قول درست ہے۔

حال کی جگہ حالات یا احوال لکھنا قبیح نہیں ہے خصوصاً احوال  
 کہ یہ معنی واحد متعل ہے اور یہ استعمال یہاں تک پہنچا ہے کہ احوال معنی  
 جمع متعل نہیں ہوتا جیسے حور کہ معنی حور کے اہل فارس اس کو  
 صیفہ واحد قرار دے کر الف نون کے ساتھ اس کی جمع لاتے ہیں مدسی  
 کہتا ہے

حوران بہشتی را دوزخ بود اعلا

از دوزخیاں برس کہ اعراف بہشت است

بلکہ حور کو حوری کہہ کر اس کی جمع حوریاں لاتے ہیں حافظ لکھتا ہے

حوریاں رقص کنناں ساغر شکرانہ زوند

میں نے ایک مقطع میں حال کی جگہ احوال لکھا ہے

جان غالب تاب گفتاے گماں داری ہنوز  
 سخت بیدردی کہ میسری زما احوال ما  
 جستہ مجھ کو ادنیٰ کو مترض سے زیادہ اساتذہ عجم کے کلام پر اطلاع ہے  
 وہ البتہ کیوں لکھتا اور میں احوال کیوں لکھا صائب کی ایک غزل جس کا  
 ایک مصرعہ یہ ہے ۷

ہر لحظہ دارم نیتے چوں قرعہ رما لہا  
 اس غزل میں اسی نے ایک جگہ احوال لکھا ہے۔ (داد کا طالب غالب)  
 (بنام قدر بگڑی)

## نمبر ۹۱

چھیڑ خواں سے چلی جائے اسد گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی  
 بہن رکھو اگر تیرا عمامہ دلا دوں شراب  
 ناخ  
 زاہدا تجھ کو کروں مرہوں احساں تو سہی  
 اس سہی اور تو سہی کا ترجمہ فارسی لغت میں کیا آیا ہے ۱۲ قدر  
 جواب۔ اساد کے یالغات کے واسطے یہ بات ہے کہ عربی میں یہ کہتے

۷ نیز اردو میں بھی احوال بمعنی مفرد حال لکھا ہے اور وہاں بہت صاف ہے ۷  
 غالب تراحوال نہادینگے ہم انکو وہ شکے بلائیں یہ اجارا نہیں کرتے

ہیں اور فارسی میں یہ اور ہندی میں یہ طرز گفتار محاورات ہندی کی فارسی  
یا فارسی کی ہندی کبھی نہیں ہو سکتی مثلاً چوری کا گڑھیٹھا اس کی فارسی  
نہ پرچھے گا گونادان۔ سہی اور تو سہی کی فارسی کیونکر بنے یہ روزمرہ اردو ہے  
عج گز نہیں چل تو حسرت ہی سہی۔ اسی مطلب کے مطابق فارسی عبارت یوں  
ہو سکتی ہے۔ چل اگر نیست حسرت نیز عالے دار دغ ز اہل تہجد کو کردوں  
مرہون احساں تو سہی۔ ایک نوع کی تنبیہ ایک قسم کا دعویٰ ہے نامرد باشم  
اگر فلاں کار نہ کنم تا فلاں کار نکتم نیا سائیم۔ اہل ہند کی فارسی اسی طرح خام  
اور ناتمام رہی کہ اصول میں انھوں نے فارسی کے قواعد کی تطبیق عربی سے  
چاہی اور اردو کے خاص روزمرہ کی فارسی بنایا کئے۔ ہندی میں کچھ  
نہیں کی جگہ خاک نہیں بولتے ہیں فارسی میں ہیچ نیست کی جگہ خاک نیست  
کبھی کوئی نہ کہے گا۔ قتیل چاروں شانے چیت گرا ہے ع کشتہ بر کشتہ  
پتاں بود گر خاک نبود۔ یعنی ہیچ بود لا حول ولا قوۃ۔ ایک جگہ سے مجھ کو  
خط آیا چونکہ میں بلی ماروں کے حملہ میں رہتا ہوں اُسے پتا لکھا کہ در محلہ گریہ  
کشان، واہ روی فارسی غالب ہے

مردم از من استمان رانندہ از دوران سپنج

گشت صرف طعمہ زانغ و زغن عنقلے من

(بنام قدر بگرا می)





## مذہب ۹۲

یہ صاحب تم نے جو خط میں بر خور دار کا مکار مرزا عباس بیگ  
خان بہادر کی رعایت اور عنایت کا شکریہ ادا کیا ہے تم کیوں شکر گزار  
ہوتے ہو جو کچھ نیکی اور نیکوئی اُس اقبال نشان نے تمہارے ساتھ کی ہے  
وہ بعینہ میرے ساتھ کی ہے اُسکا پاس میں ادا کروں۔ خدا کی قسم دل سے  
دعا میں دے رہا ہوں بھائی اُسکا جو ہر طبع از روئے قسط بر سرِ شریف ہے  
پروردگار اُس کو سلامت رکھے اور مدارجِ اعلیٰ کو پہنچائے یہ اپنے خاندان  
کا فخر ہے اور چونکہ اس کی ماں کا اور میرا لہو اور گوشت اور ہڈی اور قوم  
اور ذات ایک ہے پس وہ فخر میری طرف بھی عائد ہوتا ہے وہ اپنے جی  
میں کہتا ہوگا کہ ماہوں میری بیٹی کے بیاہ میں نہ آیا اور صرف زر سے جی  
چڑایا ہے میں تو زر کو خاک و خاکستر کے برابر بھی نہیں سمجھتا مگر کیا کروں  
کہ مجھ میں دم ہی نہ تھا۔ کاش کے جب ایسا ہوتا جیسا اب ہوں تو رہے

۱۵ لکھنؤ میں ڈپٹی عباس بیگ کے نام سے مشہور تھے ان کی کوٹھی روشن الدولہ  
کی کوٹھی کے سامنے واقع تھی۔ جو ابھی حال میں کھدی ہے۔ ان کے ..... بھتیجے  
مرزا خدا داد بیگ مرحوم راقم الحروف کے قریبی عزیز تھے۔ ۱۲

پہلے پہنچتا جی اُسکے دیکھنے کو بہت چاہتا ہے۔ دیکھوں اُسکا دیکھنا کب سیر  
آتا ہے۔ میں اب اچھا ہوں برس دن صاحب فراش رہا ہوں چھوٹے  
بڑے زخم بارہ اور ہر زخم خونچکاں۔ ایک درجن بھالے لگ جاتے تھے  
جسم میں جتنا لہو تھا پیپ ہو کر نکل گیا تھوڑا سا جو جگر میں باقی ہے دکھا کر  
جتیا ہوں۔ کبھی کھاتا ہوں کبھی مینا ہوں۔ مرض کے آثار میں سے اب بھی  
یہ نشان موجود ہے کہ دونوں پاؤں کی دودھ انگلیاں ٹیڑھی ہو گئی ہیں  
معہذا متورم ہیں جوتا نہیں پہنا جاتا ضعف کا تو بیان ہو ہی نہیں سکتا  
مگر ماں یہ میرا شرعہ

در کشاکش ضعف نگسلد رواں از تن

ایں کہ من نمی میرم ہم ز ناتوانی ہاست

اے رجب بنی ماہ آئندہ کی آنکھوں تیرے سے ستر واں برس شروع ہو گا۔  
ع چونقہ افتاد اعضا رفت از کار پس اب شوہ ضعف نادانی ہے ایسا  
سلامت ہے۔ نجات کا طالب غالب رہے شنبہ ۲۴ نومبر ۱۸۶۳ء  
(بنام قدر بگراہی)

لہ یعنی مرنے کیلئے ضرور ہو کہ روح بڑے مفارقت کرے جسکے لیے حرکت ضرور ہے اور حرکت وہ  
چاہتی ہو جو باقی نہیں ہی پر روح بھی جسکے اب نہیں نکل سکتی اور اپنی ناطقہ کی بولت نہ  
ہوں اسی مضمون کے بلکہ اس لطیف طریقہ سے بگی دختر امیر علی طائر نے بھی کہا ہے  
جاں بلبل از ضعف تواند رسید باز و ز ناتوانی ز منہ ایدم

## نمبر ۹۲

قرۃ العین میر غلام حسین سلم اللہ تعالیٰ۔ تمہارا خط پہونچا دل خوش  
 ہوا۔ تم میرے بارہوا اور میری خدمت گزاری کے حقوق ہیں تم پر۔ مجھ کو  
 مردود اور اپنی قوت علمی صرف کرو۔ محرق قاطع برہان میرے پاس موجود  
 ہے مجھ سے منگواؤ میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا اشارہ کر دوں گا۔  
 تم ہر فقرے کو بخور دیکھو اور سیریطی الفاظ اور لغویت معانی کو میزان نظر میں  
 لاؤ۔ عامی نہیں ہو عالم ہو جسے مولوی بھٹے صاحب نے بھی تو اپنی  
 قوت عاقلہ سے بے اعانت غیر محرق کے جامع کی دہجیاں اوڑائی ہیں۔  
 تمہارے پاس دو نسخے ایک دفع ہدیان ایک سوالات عبد الکریم مع استفتاء  
 وافتاء دستخطی علماء دہلی موجود ہیں اور اب اُس کتاب کے ساتھ میرے اشارات  
 سید ہنچینگے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہو گا۔ مدعی کا کلام دراصل لغو پھر تمہارے  
 پاس سرمایہ علمی موجود اور یہ تین نسخے معقول اسپر مزید علیہ۔ اسپر محرق اور  
 صاحب محرق کا خاکہ اڑ جائیگا۔ میرے اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھے  
 اور اجازت دیکھیں کہ میں نسخہ مطبوعہ نامطبوعہ محرق بسبیل ڈاک بھیج دوں  
 مگر جس دن سے کہ کتاب پہنچ جائے اُسی دن سے آپ اردو زبان میں سالہ  
 لکھنا شروع کیجئے اور بعد اختتام مجھے اطلاع دیجئے پھر میں جیسا لکھوں  
 ویسا اعل میں لائیے۔ غالب اثنا عشری حیدر علی۔ (بمقام قند بگڑائی)

## نمبر ۹۵

تیس کا لفظ متردک اور مردود قبیح غیر فصیح۔ یہ پنجاب کی بولی  
 ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میرے لڑکپن میں ایک اکیل ہمارے ہاں نوکر ہی  
 تھی وہ تیس بولتی تھی تو بی بیوں اور لونڈیاں سب سپرستی تھیں۔  
 خوشنمعد غراں میشود پاد رکاب از بیم  
 عناں بر سینہ چون سجد کز ناک بر تن جولانش  
 یہ شعر ناطق کا ہے اور ناطق قوم کا بلوچ سندھ کا رہنے والا اسکا منطق  
 اور اسکی زبان کیا۔ پاد رکاب ہونا عبارت ہے سیر و سفر کے آمادہ  
 مستعد ہوئیے، خواہی نثار عزیمت خوف ہو خواہی کوئی اور سبب۔  
 عناں بر سینہ پچیدین نعل و محض نعل۔ نہ روزمرہ نہ محاورہ نہ اصطلاح  
 نہ مفید معنی نرنگ نہ مفید معنی ہشتاب۔

طیار سینہ مبالغہ کا ہے لغت عربی۔ اما اس کی طائے حملی سے طیر  
 شکاری مجرد طائر فاعل طیور جمع۔ بازداروں میں اس لفظ نے جنم لیا حقیقت  
 بدل گئی طوے تے بن گئی یعنی جب کوئی شکاری جانور شکار کرنے لگا۔  
 بازداروں نے بادشاہ سے عرض کی کہ فلاں باز فلاں شکرہ طیار شدہ است  
 و صید میگردد۔ بہر حال اب تائے قرشت سے یہ لفظ نیا نکل آیا اس  
 لفظ کو متحدت اور دھل اردو اور بہ تائے قرشت اور معنی آمادہ۔  
 اشخاص و اشیاء پر عام تصور کرنا چاہئے اور عبارت فارسی میں اسکا

استعمال کبھی جائز نہ ہوگا۔

فقیر کے نزدیک نقاب اور قلم اور دہی ترجمہ جبرأت یہ تینوں اسم  
مذکر ہیں۔ منکر سے مجھے بحث نہیں مجیب کا میں احسان مند نہیں لغت  
فارسی ہو اور دوزمرہ فارسی ہو تو اہل زبان کے کلام سے استناد کریں۔  
منطق فارسی میں تانیث و مذکر کہاں پس اس امر کے مالک اور اہل زبان  
ہم ہیں اور یہ ہم صیغہ متکلم مع الغیر ہے۔ یعنی ہم اور تم اور مجبور و مشرف اور  
شعراے دہلی دکھنو ایسے دس آدمی کا اتفاق سند ہے زیادہ جھجکڑا  
بے فائدہ ہے۔

بنائیں قدر کی غزلیں ضایا غالب نے تمام جو ہر تیغ زبان او بھر آئے  
غزل کی زب یہاں ساکن ہے لیکن یہ سکون جائز ہے۔ قدم مفرد قدو  
جمع ہے۔

کھور ہا ہوں متعدی ہے پور بیے اس کو لازمی جانتے ہیں۔ لازمی  
کھو گیا ہوں۔ ہم کہنے کے جاتے ہیں۔ اہل پورب کہیں گے جگتے ہیں۔ جان  
دل دل و جگر صحیح۔ جان و جگر نکال باہر۔

فریاد مونس ہے فریاد کرنے کا ہے۔ فریاد کرنا انگریزی بولی ہے  
فکر مونس ہے مشوق کو ہنسنا و بنا ناظر فا کو اپنے اوپر ہنسنا ہے۔  
لراقمہ

اندیشہ بندر و لامکاں نورد  
چوں خواست بام جاہ تر از زبان نہاد

ویرش ہماں بجا چو سپہ از فراز کوہ بعد از ہزار پایہ کہ بر فرقداں نہاد  
 پہلے مصرع میں اندیشہ فاعل ہے خواست کا۔ جو مصرع ثانی  
 میں نہاد بمعنی مصدری ہے دوسرے شعر میں دید کا اور نہاد کا  
 فاعل وہی اندیشہ ہے۔ اب ایک بات سمجھو کہ جب پہاڑ کے پاس  
 آسمان کو دیکھو گے تو یہ معلوم ہوگا کہ اگر ہم پہاڑ پر چڑھ جائیں تو آسمان کو  
 چھو لیں مگر جب چوٹی پر پہنچو گے تو آسمان کو اتنا ہی دور پاؤ گے جتنا زمین  
 سے نظر آتا تھا۔ فرقداں ایک صورت ہے یا ایک کوکب ہے آٹھویں  
 آسمان پر۔ ہمارے قیاس میں آیا کہ فرقداں پر سے بام جاہ مدح نظر آویگا  
 بہت قریب۔ ہم فرقداں پر گئے وہاں بھی قریب نہ پایا۔ فرقداں پر ہزار  
 پائے رکھے اُس پر چڑھ کے دیکھا تو بام مدح میں اور اُس مقام میں  
 اتنا ہی بعد ہے جتنا پہاڑ میں اور آسمان میں۔ یہ مبالغہ حد تبلیغ و غلو  
 سے گزر گیا۔

لگا دیتے ہو اور اٹھا دیتے ہو خطاب جمع حاضر ہے اور تعظیماً منفرد  
 پر آتا ہے۔ یعنی تم۔ مشتوق مجازی کو تم اور تو دونوں طرح یاد کرتے ہیں۔

۱۰ یہ اشعار ایک منقبت کے قصیدے کے ہیں جسکی تشبیہ کے چند شعر یہ ہیں  
 دوشن لب و لبوسہ لبم برد ہاں نہاد رازہ دہان خویش لب در میاں نہاد  
 وانکہ منبع ریش راز لب از زباں ہرے لبوسہ و گرم بر زباں نہاد  
 چون لب لبوسہ گنج گہراے راز شد بر کنج لب ز تیزی دہان نشان نہاد

خدا کو یاد کرتے ہیں یا صیغہ جمع غائب یعنی صیغہ جمع غائب کا نظر پر قرینہ  
افادہ قضا و قدر کا رکھتا ہے۔ تمہاری غزل میں دو چار جگہ دیتے ہو اس  
طرح آتا ہے کہ محبوب مجازی اُس سے مراد کبھی نہیں ہو سکتا۔

لا کے دنیا میں ہیں زہر فدا دیتے ہو۔ اے اس بھول بھلیاں میں دے دیتے ہو  
کو کس سے کہتے ہو سو اے قضا و قدر کے کوئی دہڑی کوئی لونڈا اس کا مخا  
نہیں ہو سکتا اور عیسیٰ ہذا القیاس و ایک شعر اور بھی۔ ناچار صیغہ  
جمع رکھ دیا تاکہ خواباں اور بہتاں کی طرف ضمیر راجع ہو یا شخص واحد کی طرف  
اپنے کے لفظ کے ساتھ۔ یا قضا و قدر کی طرف۔ اب خطاب معشوق  
مجازی اور قضا و قدر میں مشترک ہے۔

س۔ ہو اور باشد کہ دونوں صیغے مضارع کے ہیں بہ مسمیٰ ہست  
آتے ہیں یا نہیں۔

ج۔ البتہ آتے ہیں۔

س۔ نظم و شعر میں ماضی مطلق کا ماضی استمراری کے معنی پر لکھا  
کیسا ہے؟

ج۔ بجا ہے جب تک علامت استمرار نہ ہو ماضی استمراری کیونکر  
لیے جائیں۔

س۔ پارسی میں مصدر مقتضی اور غیر مقتضی کی کیسا

۱۷۔ افسوس کہ مرزا نے اب کا لفظ کیا کر صلیح شعر کو درست کیا ہو گا وہ شعر نہیں لکھا

شناخت ہے؟

ج۔ خود عربی میں مصدر کی صفت مقتضب نہیں آتی فارسی میں کہاں سے ہوگی۔ مقتضب صفت بحر کی ہے نہ صفت مصدر کی۔

س۔ کس قسم مصدر لازمی سے مصدر متعدی بنتا ہے اور کس طور کے مصدر سے نہیں بنتا ہے؟

ج۔ جب لازمی کو متعدی کرنا چاہیں تو مضارع میں سے مصدر بنائیں اور اُس میں فقط الف نون یا الف نون اور تثنائی بڑھائیں۔ مثلاً گشتن کو گشتاندن نہ لکھیں گے گرد سے مصدر بنائیں گے۔ گردیں اور اُس کو گردانن اور گردانیدن کہیں گے جس مصدر کے ساتھ مضارع ہو گا وہ متعدی نہ بنے گا جیسے برشتن اوختن۔

س۔ پناہ کا ترجمہ لغت اردو میں کیا آتا ہے؟

ج۔ اردو مرکب ہے فارسی اور ہندی سے یعنی پناہ کا لفظ مشترک ہے اردو میں اور فارسی میں۔ پناہ کا ترجمہ اردو میں بوجھنا، نادانی ہے۔ ہاں پناہ کی ہندی اسرار ہے۔ ہرنہ آنا نصیح نہ بر آنا کسال باہر قافیہ ہائے اصلی القیہ سیکڑوں ہیں اُن کو چھوڑ کر نسخہ اور نامہ اور افشاء ان لفظ کو قافیہ کرتا تھا سہے نزدیک



نامناسب نہیں ایسا قافیہ غزل بھر میں ایک جگہ لکھو ۱۲ غالب  
(بنام قدر بگراہی)

## نمبر ۹۶

حضرت فقیر نے شعر کہنے سے توبہ کی تو صلاح دینے سے توبہ کی ہے  
شعر سننا تو ممکن ہی نہیں بہرا ہوں شعر دیکھنے سے نفرت ہے پختہ برس  
کی عمر نپدرہ برس کی عمر سے شعر کہتا ہوں ساٹھ برس بکا نہ مدح کا صلہ  
ملا نہ غزل کی داد بقول انوری ۵

اے درینا نیست مدد سے مرزا دار مدد  
وے درینا نیست معشوقے مرزا دار غزل

سب شرا سے اور اجاب سے متوقع ہوں کہ مجھے زمرہ شعرا میں شمار کریں  
اور اس فن میں مجھے کبھی پریش نہ ہو۔ اسد اللہ خاں المتخلص بن غالب  
والفخاطب بہ خبسم الدولہ خدائش بیامرزاد۔ (بنام قدر بگراہی)





مرزا غالب کے بعض مکتوب الہیم کے حالات جنگ

نام خطوط عود ہنری اور اودے کے مکتوب میں

ترتیب ساریں حروف تہجی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

### فہرست مکتوبات الہیم

صفحہ	نام	صفحہ	نام
۲۱۷	ذکا۔ منشی حبیب اللہ	۱۸۱	آرام۔ منشی شیو زارین
۲۱۹	رحیم۔ مرزا حبیب مصنف بان سلع	۱۸۲	آشوب۔ منشی پیارے لال
۲۲۲	رخشان۔ ذاب اللہ بن احمد خاں	۱۸۸	ذاب اللہ بن احمد خاں بہادر رئیس ہار
۲۲۹	رعنا۔ مردان علی خاں	۱۹۱	ہیخبر۔ خواجہ غلام غوث
۲۳۰	سالک۔ مرزا قربان علی بیگ	۱۹۹	تفتہ۔ منشی ہرگوپال
۲۳۳	سورور۔ چودہری عبد الغفور	۲۰۳	ثاقب۔ ذاب شہاب الدین احمد خاں
۲۳۹	سیاح۔ میان افغان اللہ تب سلف	۲۰۶	جنون۔ قاضی عبد الجلیل برہوی
۲۴۲	شاکر۔ مولوی عبد الرزاق	۲۱۲	جوہر۔ منشی خواہر سنگھ
۲۴۵	شفیق۔ ذاب اللہ وسعد الدین خاں بہا	۲۱۳	حقیر۔ منشی نبی بخش
۲۵۰	شیفقتہ۔ ذاب مصطفیٰ خاں		

صفحہ	نام	صفحہ	نام
۲۸۱	میر ہمدی	۲۵۷	صاحب عالم مارہروی
۲۸۶	مشتاق بنشی بہاری لال	۲۶۰	عزیز مرزا یوسف علی خاں
۲۸۸	حمر مرزا عاتق علی بیگ	۲۶۱	علانی مرزا علاؤ الدین احمد خاں
۲۹۲	میر عباس (مفتی)	۲۶۷	غلام بابا خاں بہادر (نواب میر)
۲۹۶	میکش میر احمد حسین	۲۷۰	غلام نجف خاں (حکیم)
۲۹۸	نساخ مولوی عبدالنفور خاں	۲۷۳	قدّر - بلگرامی
۳۰۲	وقا - میر ابراہیم علی خاں	۲۷۹	کاکل مرزا باقر علی خاں

## آرام۔ منشی شیونرائن

رہے بہادر منشی شیونرائن آرام تخلص کرتے تھے۔ اور دارالسلطنت اکبر آباد کے قدیم باشندے تھے۔ اور اسی شہر میں مینوپل کیٹی کے سکرٹری تھے۔ ضرورت اور رسم نامہ کی موافق فارسی اردو سے باخبر تھے اور انگریزی میں بھی کافی استعداد رکھتے تھے۔ ڈاکٹر فیلن صاحب کے شاگرد تھے۔ تمام عمر عہدہ ہائے حلیہ پر ممتاز رہے اور نہایت عزت و وقار سے زندگی بسر کر کے چونتھ برس کی عمر پا کر ۱۸۹۸ء میں ۱۲ مئی ۱۹۰۷ء کو انتقال فرمایا۔

مرزا غالب کے خاندان اور منشی صاحب موصوف کے بزرگوں سے قدیمی اتحاد و مراسم تھے چنانچہ مرزا صاحب خود ایک جگہ لکھتے ہیں میں کیا جانتا تھا کہ تم کون ہو۔ جب یہ جانا کہ تم ناظر منشی ہر کے پوتے ہو تو معلوم ہوا کہ میرے فرزند بلند ہو۔ اب تم کو شفق و مکرم لکھوں تو گھنگار۔ تم کو اپنے اور ہمارے خاندان کی آمیزش کا حال کیا معلوم ہے مجھے سنو! تمہارے دادا کے والد عہد بخت خاں بہرائی میں میرے نانا صاحب مرحوم خواجہ غلام حسین خاں کے رفیق تھے۔ جب میرے نانا نے نوکری ترک کی۔ اور گھر بیٹھے تو تمہارے پردادانے بھی کمر کھولی اور پھر کہیں نوکری نہ کی۔ یہ باتیں میرے ہوش سے پہلے کی ہیں۔ مگر جب میں جوان ہوا تو میں نے دیکھا کہ منشی منشی ہر

خاں صاحب کے ساتھ ہیں اور انھوں نے جو کٹیم گاؤں اپنی جاگیر کا سرکار میں  
دعویٰ کیا ہے تو منشی دہراس امر کے منصرم ہیں اور وکالت اور مختاری کرتے  
ہیں۔ میں اور وہ ہم عرصہ سے شاید منشی منشی دہرنجھے ایک یا دو برس سے  
ہوں یا چھوٹے ہوں۔ ۱۹ شیش برس کی میری عمر اور ایسی ہی اُن کی عمر۔  
باہم شطرنج اور اختلاط اور محبت آدھی آدھی رات گزر جاتی تھی۔

اول اول میں مرزا انکو ہشت ایک دو سستہ سمجھتے رہے۔ مگر جب سے کہ یہ حال  
معلوم ہوا ہمیشہ پر خوردار اور نور چشم کہکر خطاب کرتے تھے۔ اور نہایت عزت  
دیکھتے تھے۔ بزرگانہ مرسلت اور بے تکلفانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا  
تھا۔ اور منشی صاحب بھی اس کو ایک عشتاظمی سمجھ کر احکام کی بجا آوری  
میں کبھی تاہل نہ کرتے تھے۔

مرزا صاحب ہی کے توجہ دلانے سے منشی صاحب نے شعر و شاعری  
کی طرف توجہ کی اور آرام تخلص اختیار کیا۔ چونکہ طبیعت کا قصیدہ مضامین  
کی طرف میلان زیادہ تھا اسلئے عشقیہ مضامین کم کہتے تھے اور کہتے تھے تو  
اُن میں وہ شوخی اور چستی نہوتی تھی جو ایسے اشعار میں ہوتی ہے۔ البتہ وقار  
اور متانت کے لحاظ سے وہ اپنے معاصرین سے کم نہ تھے

منشی صاحب بھی مرزا کو اپنا ایک خیر خواہ بزرگ سمجھتے تھے اور برابر  
خور دانہ فرمائشات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ۱۳۵۵ھ میں  
ایلیں بردن صاحب کی طرح میں مرزا صاحب کے قصیدہ کی فرمائش کی اور مرزا صاحب  
نے ۲۱ شعر کا ایک قصیدہ کہکر بھیجا جسکے بعض اشعار یہ ہیں۔

لما ذکر شور و لشکر پناہ شہر و سپاہ  
جناب عالی ایلین برون والا جاہ  
بلند رتبہ وہ حاکم وہ مسرور از امیر  
کہ باہر تیان سے لیتا ہے جکا طرف کلاہ  
وہ شخص رحمت نیت کہ بہر اہل جہاں  
ینا بت م عینی کر سے ہے جکی نگاہ  
امید از عنایات شہنشاہ ایلین  
کہ آپ کا ہے نمک خوار اور دولت خواہ  
یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عز و جاہ کچھ  
تھیں اور آپ کو سلامت کے سدا اللہ

ایک مرتبہ منشی صاحب نے مرزا صاحب سے خواہش کی کہ ارزہ و کے رتعات  
جو اپنے دوستوں اور عزیزوں کے پاس بھیجے ہیں او کو طبع کر دیا جائے۔ مگر مرزا  
صاحب نے اسکو پسند نہ کیا اور اُس وقت اجازت نہ دی۔ جواباً لکھ بھیجا  
کہ "اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زاید بات ہے۔ کوئی رقیعہ  
ہو گا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہو گا۔ ورنہ صرف تحریروں سے  
سہ۔ اُنکی شہرت میری سخوری کے شکوہ کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا  
ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اور وینر ظاہریوں خلاصہ یہ کہ رتعات  
کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔"

غرض کہ منشی صاحب موصوف مرزا غالب کے ہموطن اور محبوب ترین دوست  
اور عزیز شاگرد تھے۔ اور ہمیشہ مرزا صاحب کی مطاوعہ میں تقیاد کو اپنا فرض سمجھتے  
تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ "قاصدان شامی" انھوں نے لکھی تھی اور اسکو  
صالح کے لیے مرزا کی نظر سے گزارا تھا جس میں مرزا نے الفاظ متر و ک  
بدل دیا تھا اور صحت وغیرہ بھی کی تھی۔ نمونہ کلام ہے  
غضب سے مدعی جو ہو وہی پھر مد ٹھہرے جو اپنا دشمن دل ہو وہی دل کی دو ٹھہرے



نہ ٹھہرے امید ہی اوسکے دلیں دیکھ کر  
 وہ چاہیں جہد جو جفا ہم پر کریں لیکن  
 دینا اک سر پہ اسکو آخر چھوڑ جانا ہو  
 کتے ہیں سر بہ تیغ جفا سے بیگنا ہونے  
 ادھر آئیں کو وہ ہیں اور ہر وقت سفر آیا  
 عجب شکر نہ وہ آئیں وہم کو فضا ٹھہرے  
 ایک نو زندگی کا لطف ہوا اس ہر فانی میں  
 کہ جب کا بعد مر نیکی حصول تر کا ٹھہرے  
 ہیں تسلیم لازم ہو کہ پابند رضا ٹھہرے  
 اگر دو چار دن اگر یہاں ٹھہرے کیا ٹھہرے  
 عجب کیا ہو اگر قاتل کا کو چہ کر بلا ٹھہرے  
 عجب شکر نہ وہ آئیں وہم کو فضا ٹھہرے  
 کہ جو نزدیک چھوڑ کے بھلا اور بھلا ٹھہرے  
 قیام اپنا ہو اس منت سر پہ ہر میں کیونکر  
 جہاں آفت ہی آفت ہو وہاں آرام کیا ٹھہرے

## آشوب بے بہاد منشی پیارے لال

منشی پیارے لال آشوب کا وطن قدیم دہلی تھا۔ آپ کے خاندان کا  
 سلسلہ شہنشاہ اکبر کے مشہور وزیر راجہ ٹوڈر مل سے ملتا ہے۔ آپ کے جاجی بڑے بھگند  
 اور بے سیتارام ٹوڈر کے عہد میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز تھے۔ آپ لالہ سربراہ  
 دہلوی مصنف نچمانہ جاوید کے عم نامدار تھے جس نے ۱۷۳۷ء میں بمقام دہلی پیدا ہوئے  
 پڑنے دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ انگریزی فارسی اردو میں نہایت اچھی قابلیت  
 رکھتے تھے۔ دہلی کے مشہور و معروف استاد مولانا صہبائی آپ کو بہت  
 عزیز رکھتے تھے۔

ضروری تعلیم سے فراغت کرنے کے بعد آپ گورگانوہ میں ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے اور یہیں مرزا غالب مرحوم کی خدمت میں نیاز حاصل ہوا۔ یہ اتفاقیہ ملاقات اس وجہ سے ہوئی کہ گورگانوہ کے اسٹنٹ کمنشنر کو ان صاحب بہادر اس ضلع سے تبدیل ہو کر کسی دوسری جگہ تشییف لیجا رہے تھے۔ چونکہ وہ آشوب پر نہایت مہربان تھے اس واسطے یہ بھی اس وداعی جلسہ میں شریک تھے جو صاحب موصوف کی رخصت کے لیے کیا گیا تھا۔ اہل جلسہ میں یہ طے ہوا کہ چلتے وقت صاحب موصوف کو کوئی چیز بطریق یادگار نذر کرنی چاہیے۔ چنانچہ باتفاق آرا یہ طے ہوا کہ ایک چاندی کا قلمدان نذر کیا جائے اور اس قلمدان پر کوئی شعر بھی کندہ کرایا جائے۔ اسی ضرورت کیسے مرزا صاحب کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوا۔ مرزا صاحب نے فی البدیہہ

یہ قطعہ موزوں کر دیا ہے

گورگانوہ کے بوجھتی رعیت ہ کھیلے      عاشق ہو اپنے حاکم عادل کے نام کی  
سو یہ نظر فرور قلمدان نذر ہے      مسٹر کو ان صاحب عالی مقام کی  
ہیں سے خلوص و محبت کی نیا پڑی۔ اور رائے صاحب نے بھی مرزا کے زمانہ  
حیات تک نہایت سعادت مندی اور عقیدت کے ساتھ اس خلوص  
کی قدر کی۔ جب ۱۸۶۶ء میں میکلاوڈ صاحب لفٹنٹ گورنر  
پنجاب نے دہلی میں دربار کیا۔ اور محبت مرزا صاحب بھی اُس دربار میں  
شریک ہوئے تو وجہ ضعف پیری آپ بنیر کسی معین و مددگار کے چل نہ  
سکتے تھے۔ رائے صاحب بھی اس دربار میں شریک تھے۔ اُسٹھ اور

مرزا صاحب کو سہارا دیتے ہوئے مقام نشست تک لیگئے۔ میکلاؤڈ صاحب نے یہ خلوص دیکھ کر مرزا صاحب سے سوال کیا کہ کیا یہ تمہارا لڑکا ہو۔ مرزا صاحب نے کہا کہ لڑکا تو نہیں ہو مگر لڑکے سے زیادہ پیارا ہے۔

آشوب مرزا صاحب سے اس قدر محبت اور عقیدت رکھتے تھے کہ دلی میں ہوتے تھے تو کوئی ہفتہ ملاقات سے غالی نہ جاتا تھا۔ اور اگر کبھی اتفاقیہ جانے میں دیر ہوتی تو مرزا صاحب خود شفقت بزرگانہ فرما کر ان کو بلاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ شعر لکھ کر بلایا تھا ہے

آج کیشنبہ کا دن ہے آؤ گے یا فقط رستہ میں دکھلاؤ گے

اسکے علاوہ ان خطوط سے بھی مرزا صاحب کے دلی حن لاس کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے نام سے مجموعہ رقعات میں موجود ہیں۔

آشوب تکمیلِ علم کے بعد ۱۸۷۷ء میں اگرہ کل لگے اور اسکے بعد بریلی میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی مگر ایک سال بعد واپس آئے اور گورڈا گانے اور دہلی میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ دلی سے تبدیلی کے وقت انہوں نے ایک پاس نامہ آپ کو پیش کیا جس سے ان کی ہر ذل عزیزی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرزا مرحوم نے بھی اس کا غہ پر یہ فقرہ اپنے دستخط خاص سے لکھا تھا۔

”بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو رنج تھے ہو اسے وہ میرا ہی

جی جانتا ہے۔ بس اب میں نے جانا کہ دہلی میں میرا کوئی نہ رہا۔“

اسکے بعد آشوب لاہور میں کیورٹر کے عہدہ پر ۱۵-۱۶ برس تک

فائز رہے۔ بعدہ اسپیکٹری مدارس کے اعلیٰ عہدہ پر کام کرتے رہے۔ مدلی میں  
لٹریری سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔

میجر فخر صاحب جو عربی، فارسی، اردو کے زبردست ماہر تھے۔ کلکتہ  
یونیورسٹی کے سرشہ تعلیم کے متعلق سالانہ سوالات جواتے تھے اسکا جواب  
خود لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ کلکتہ یونیورسٹی سے یہ سوال آیا کہ مسیح اور مقفے عباد  
میں کیا فرق ہے معہ مثال بیان کرو۔ میجر صاحب نے حسبِ میل یہ سوال بھی  
رائے صاحب کے پاس بھیجا۔ رائے صاحب نے یہ سوال بجنہ مرزا صاحب کے  
پاس بھیج دیا۔ اور انھوں نے اسکا جواب معہ امثال نظم میں لکھ کر دیا جسکا  
آخر شعر یہ تھا

تخریر ہو یہ غالب یزداں پرست کی      تیاری کی آج فوس ہے آگست کی

مولانا آزاد اور مولانا حالی کو بھی آشتوب کی وجہ سے لاہور میں  
اپنے جدید رنگ شاعری میں بڑی مدد ملی اور چرل شاعری کے شوق کی  
بنیاد یہیں سے پڑی۔

جناب آشتوب نے مدتوں سرکاری ممتاز عہدہ پر کام کرنے کے بعد  
۱۹۵۵ء میں نیشن لی اور بعد ازاں اپنے وطن مالوٹ میں بفر اغت زندگی  
بسر کی۔

شعرو شاعری کا شوق ابتداء سے ہی تھا۔ ابتدا میں حضرت  
سوز خٹک مولانا ہسپانی سے پہلے لکھتے تھے اسکے بعد مرزا غالب سے تلمذ اختیار  
کیا۔ مگر کثرت کار سرکاری کی وجہ سے کبھی کلام کی ترقیت تدوین کی نوبت

نہیں آئی۔ دوران ملازمت میں چند کتابیں۔ رشوم ہند کے پہلے تین باب۔  
قصص ہند حصہ اول و دوم۔ اردو کی تیسری کتاب۔ ترجمہ تاریخ انگلستان  
کلاس۔ اور متعدد مضامین لکھے۔ اور بعض مضامین پر گورنمنٹ سے اعزازی  
تائید اور انعام بھی حاصل کئے اسی شہرت اور نیک نامی کے صلہ میں ۱۸۹۲ء  
میں رائے بہادری کا خطاب پایا۔

نہایت خندہ پیشانی نیک دل خوش تقریر تھے۔ اور ہر شخص کی ہمدردی  
کو اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے۔ نوہ کلام یہ ہے کہ

گر شیخ پاکدامن طالب نور یا کا	زندہ کی مفلوئیں ہکا اُسے نہ خاکا
مجنون کو ہم نے اپنی مانند خاک کھیا	گویا کہ وہ ہماری تصویر کا ہے خاکا
پتھر شکل شیریں فرما دے بنائی	اور ہم نے اپنے دل پر کھینچی ہے تیر خاکا
اپنا تو سر جھکے ہو دونوں طرف کی	تصویر میکہ میں ہے جرم میں خاکا
استوخت خستہ جاگو پھر ہوس میں کی	کل ہی تو اڑ چکا ہو اُسکی گلی میں خاکا

زاہر چھوٹے جو دامن زندان بادہ کش تو چاہئے کہے سے اُسے شوش و شکر

نواب امین الدین احمد خاں بہادر

نواب امین الدین احمد خاں، فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں فیروز پور کمر

دو ہارو کے بڑے بیٹے تھے۔ اصل میں فیروز پور بھر کے تعلقدار تھے۔ اور پرگنہ  
دو ہارو راجہ الورنے بطریق جاگیر مرحمت فرمایا تھا۔ جو سلا بعد نسل آپ کے  
اخلاف کی ملکیت میں چلا آتا ہے۔ مگر فیروز پور بھر کے علاقہ ضبط ہو گیا تھا۔  
وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد ماجد نواب احمد بخش خاں مرحوم نے اپنے حین حیات  
میں اپنے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین اور ولی ریاست  
کر لیا تھا اور پرگنہ دو ہارو اپنے چھوٹے صاحبزادوں امین الدین احمد خاں اور نواب امین الدین  
احمد خاں موصوف کے لیے بطور مدد معاش مقرر کیا تھا۔ چنانچہ نواب کی وفات  
کے بعد شمس الدین احمد خاں فیروز پور بھر کے رئیس مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ  
شمس الدین احمد خاں کے مزاج میں کچھ ایسی وارفتگی اور لاابالی پن تھا جسکی  
وجہ سے ان سے چند حرکات نبوں ظہور میں آئیں۔ یہ وجہ سے فیروز پور بھر کے  
کی ریاست ضبط ہو گئی مگر ریاست دو ہارو علی حالہ باقی رہی۔ جو اب تک  
موجود ہے۔

مرزا صاحب کے تعلقات عرصہ سے اس خاندان سے وابستہ تھے  
یعنی نواب الہی بخش خاں مرحوم نواب احمد بخش خاں کے حقیقی چھوٹے  
بھائی کی لڑکی سے تیرہ سال کی عمر میں مرزا کی شادی ہوئی۔ اور یہ وقت سے  
تعلقات عزیزانہ قائم ہوئے۔ جیسا کہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔

”بہائی صاحب صاحبہ ساٹھ برس سے ہمارے تھارے بزرگوں  
میں قراتیں ہم پہنچیں۔ سچ کا میرا تھارا معاملہ یہ ہے کہ کچھ اس برس سے  
میں ٹکڑا ہوتا ہوں۔ بے اسکے کہ چاہت تھاری طرف سے ہی ہو۔ چاہیں

برس سے محبت کا ظہور طریق سے ہوا۔ میں تمہیں چاہتا رہا تم مجھے چاہتے رہے وہ امر عام اور یہ امر خاص کیا مقتضی اسکا نہیں کہ مجھ میں تم میں حقیقی بھائیوں کا سا خلاص پیدا ہو جائے وہ قرابت اور یہ مودت کیا پیوند خون سے کم ہے۔ مرزا صاحب نے اسی طرح دوسرے خطوں میں محبت اور مودت کا اظہار کیا ہے۔ ہمیشہ بھائی اور برادر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اُدھر سے بھی دلدادہی اور دلدہی میں کوئی فروگزاشت نہوتی تھی۔ اور باوجود امارت و ناب صاحب موصوف ہمیشہ آداب خوردانہ کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اگرچہ ظاہر کوئی تنخواہ وغیرہ مقرر نہ تھی مگر ہمیشہ نیاز مندانہ اور خالصانہ طریق پر مرزا صاحب کی مالی امداد کرتے رہتے تھے۔

ناب صاحب اگرچہ خود شاعر نہ تھے مگر شعر و شاعری کے دلدادہ تھے۔ جو ہر قابل اور ذی استعداد تھے۔ ہمیشہ مرزا سے اُن کا کلام منگاتے سنتے اور ہمیں لطف اُٹھاتے۔ مرزا کی غزلیں اور باب نشا کو یاد کرانی جابیں اور محفل عیش و نشاط میں گائی جاتیں مرزا صاحب کے خلوص کا بھی یہ عالم تھا کہ باوجود پیرانہ سہری اور مصائب کے ہمیشہ ان کی خاطر غزلیں لکھتے اور بار بار کلام بھیجتے تھے جابجا خطوط میں اس مرسلت کلام کا ذکر موجود ہے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

”عطوفت نامہ کی روسے دو غزلوں کی رسید معلوم ہوئی تبسری غزل گو ہر تنواں گفت ما ختر تنواں گفت۔ جو تمہارے حرب لطلب بھیجی گئی ہے کیا نہیں پہونچی بیش بہ پہونچی ہوگی تم بھول گئے ہو گے۔ وکیل حاضر باش در بار اسد اللہ یعنی علانی مولائی نے اپنی موکل کی خوشنودی کے واسطے

فقیر کی گردن پر سوار ہو کر ایک اردو کی غزل لکھوائی۔ پسند آئے تو مطرب کو سکھائی جائے۔ جھوٹی ٹکے اوپنے مسروں میں راہ لکھوائی جائے۔ اگر جیتا رہا تو جاڑوں میں آکر مین بھی سن لوں گا!

غرض کہ ذاب موصوف کے زمانہ حیات تک ہی اتحاد و ارتباط دوستی و یگانگت کا برتاؤ رہا۔ اور باہمی سلسلہ مرسلت و مکاتبت جاری رہا۔ اور ان کے بعد ذاب لارالدین احمد خاں سندھین ہوئے۔

## بخیرخان بہادر و القدر خواجہ غلام غوث

غلام غوث نام تھا۔ جس عمر میں آلہ آباد میں قیام اختیار کیا تھا اور وہاں کے معزز و سار میں تھے۔ تو ذاب لفٹننٹ گورنر بہادر کے بیٹے تھے۔ کہتے ہیں کہ انکے مورث اعلیٰ سلطان زین العابدین شاہ کشمیر کے روپے و امانے تھے اور ملاطین مغلیہ کے عہد حکومت میں ان کے عہدہ قضا پر کشمیر میں ممتاز رہے۔ اور اکثر نازک اور اہم خدمات بھی ان کے خاندان کے اراکین کے سپرد رہیں۔ مگر ہمارا خواجہ گلاب سنگھ کے عہد میں ان کے والد بزرگوار خواجہ حضور اللہ اپنے خسر یعنی بخیرخان کے ناما خواجہ فرید الدین کے وہاں کی سکونت ترک کر کے لاکھوت مت چلے گئے۔ اور وہاں بھی انکی کافی عزت و وقعت کی گئی اور مسلمانوں کے مقدمات ان کے سپرد ہوئے۔ عرصہ تک وہاں رہے مگر پھر آج دہ



کی کشش سے ان کے والد ماجد دار دنیا پال ہوئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔  
 بنخبر نیپال ہی میں ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پانے لگے  
 مگر ۱۲۴۹ھ میں پھر ان کے والد ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا۔ اور وہاں سے  
 سیدھے بنارس آئے اور وہیں اقامت خستہ تیار کر لی۔ خواجہ صاحب  
 بھی ساتھ آئے اور یہیں پرورش پاتے رہے ۱۲۵۸ھ میں سلسلہ  
 ملازمت شروع ہوا۔ اتفاق سے خواجہ صاحب کو یہیں سے ایک منصب  
 جلیل پر کام کرنا پڑا۔ یعنی اپنے خالو خان بہادر مولوی سید محمد خاں پریشی نواب  
 گورنر بہار مغربی و شمالی کے نائب مقرر ہوئے۔ اسی زمانہ میں گوالیار پر چڑھائی ہوئی  
 اور لارڈ الٹن برائن نے حملہ کیا تو گورنر جنرل کنگسلی خانہ میں نسلک ہوئے اور  
 شریک فہم رہے جسکے جلد و میں بعد اختتام فہم خلعت سرفراز ہوئے۔ اور  
 بعد چند روز کے اپنے خالو کی جگہ پریشی مقرر ہوئے اور حصول فیشن تک برابر  
 اسی عہدہ پر کام کرتے رہے ۱۲۵۸ھ میں آپ نے نہایت وفاداری کیساتھ  
 انگریزوں کی خدمات کیں اور اس خیر خواہی کے صلہ میں خلعت ہفت پارچہ  
 جس میں رستم جواہر بھی شامل تھی آپ کو مرحمت کیا گیا۔ ۱۲۵۸ھ میں  
 ملکہ مظفر کے خطاب ہنشاہی اختیار کرنے کے موقع پر آپ کو تمغہ قیصری  
 اور ۲۵ سال ملازمت کو نیک پیمائش ۱۲۵۸ھ میں آپ کو فیشن دی گئی اور ذوالقدر  
 خان بہادر کا خطاب بھی عطا ہوا۔ اسی دوران میں نواب کلب علی خاں حرم  
 والی رام پور نے آپ کو عہدہ دارالہمامی کے لیے تجویز کیا تھا مگر آپ کو منظور نہ ہوا  
 اور اپنا وقت عبادت و ریاضت اور دوسرے علمی شغال میں صرف

کرتے رہے۔

خواجہ صاحبِ جوم ایک نہایت ہی قابل اور ذہنی استعداد  
طریقت ظریف ہشاش بشاش آدمی تھے۔ انشا پر دہلی اور شاری میں  
جواب نہ رکھتے تھے۔ شعر و شاعری سے بھی ازلی مناسبت اور قدرتی لگاؤ  
تھا۔ اور زبردست سخن فہم اور سخن سنج تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں  
میں شعر کہتے تھے۔ اور فکرِ اس قدر صائب تھی کہ سننے والے فہم میں اور حیرت  
کہتے تھے۔ اور بڑے بڑے نازک خیال کلام کو سن کر پھر دک جاتے تھے۔ ختمِ چکر  
رقعات و نظم فارسی۔ بنیانِ بنجر (رقعات اردو) آپ کی تصنیف سے ہیں  
جو اسلئے میں چھپکر شائع ہو چکے ہیں۔

مرزا غالب سے نہایت بے تکلفانہ مراسم تھے اور ہمیشہ سلسلہِ رسل  
رسائل جاری رہتا تھا۔ اور بے تکلفی اس حد پر پہنچی ہوئی تھی کہ مرزا صاحب  
ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "قبلہ کبھی آپ کو یہ بھی خیال آتا ہے کہ ہمارا دوست  
جو غالب کہلاتا ہے۔ وہ کیا کھا پیتا ہے اور کیونکر جیتا ہے" ایک جگہ بے تکلفانہ  
لکھتے ہیں "جناب عالی آج دو شنبہ ۲ جنوری ۱۸۵۷ء کی ہے۔ پیر دن چڑھا  
ہوگا کہ ابر گھر ہے ترشح ہو رہا ہے۔ ہوا سرد چل رہی ہے پینے کو کچھ میسر نہیں۔  
ناچار روٹی کھائی ہے۔"

افقِ ہا پر آزا بر بہمنِ ہی سقا لیلۃ جام من از نے ہی

خواجہ صاحب کی ایک غزل دیکھ کر لکھتے ہیں کہ "اودھ اخبار میں حضرت  
کی غزل نظر فرمائی ہوئی۔ کیا کہنا ہے ابداع اسکو کہتے ہیں جدت طراز اس کا

نام ہے۔ جو ڈھنگ تازہ فوایان ایران کے خیال میں گزرتا تھا قم بڑے کار  
لائے۔ خدا تم کو سلامت رکھے اور میسر اور دکھنی متعین برہان قاطع کے جھگڑے  
میں بخلاف فارسی داؤں کے توفیق انصاف عطا کرے۔“

جس زمانہ میں مرزا صاحب کی قاطع برہان کی شہرت ہوئی، اور اوقات  
و جوانب سے لوگوں نے اُسکے جواب لکھے تو مرزا صاحب کو معلوم ہوا کہ خواجہ  
صاحب بھی اسکا جواب لکھ رہے ہیں سخت رنج ہوا اور ایک شکایتی  
خط لکھا اور خواجہ صاحب ایک صاف دل نیک مزاج آدمی تھے ان جھگڑوں  
سے ہمیشہ علمیہ رہتے تھے انکو یہ خط پڑ کر رنج ہوا اور مرزا صاحب کو جواب  
میں اپنے دلی رنج کا حال لکھا۔ مرزا صاحب نے یہ فقرہ پہلے لکھا تھا کہ خراج  
سے یہ سمجھ ہوا کہ میں نے جو غلط برہان قاطع کے نکال کر ایک نسخہ موسوم قاطع  
برہان لکھا ہے اور ایک جلد اسکا آپ کو بھی بھیج دیا ہے۔ آپ اس کی تردید  
میں رسالہ لکھ رہے ہیں۔ اگرچہ باور نہیں آیا مگر عجیب آیا، جب اس خط  
کا جواب ملال امیر موصول ہوا تو مرزا نے یہ خط لکھا۔

”میں سادہ دل آدمی ہوں، یار سے خوشی یعنی سن شوق مکر نہ ہوا تھا  
پیر و مرشد خفا نہیں ہوا کرتے۔ یوں نہ مٹا۔ مجھے باور نہ آیا یہاں تک تو میں  
مورد عتاب ہونے نہیں سکتا۔ جبکہ استعجاب پر ہے۔ محض استعجاب وہ ہے کہ  
آپکا دوست کہتا ہے کہ میرٹھی ذاب لفظنت گورنر بہادر میرے شاگرد ہیں  
اور وہ قاطع برہان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اولیٰ کا یہ حال ہے۔ دے بر حال  
ہم شقیہ کے۔ یہ حکایت سبب شکایت نہیں دینا داری کے لباس میں

فقیری کر رہا ہوں لیکن فقیر آزاد ہوں نہ شہیاد کیا دیشتر پیرس کی عہد  
بے مبالغہ کہتا ہوں شتر ہزار آدمی نظر سے گزرتے ہوئے زمرہ خواص میں  
عوام کا شمار نہیں۔ دو غلط صادق الولادیکھے ایک مولوی سراج الدین رحمۃ  
علیہ دو ستر اشی غلام غوث بنخیر سلام اللہ تعالیٰ "غرض کہ چند روز میں جانیں  
میں صفائی ہو گئی اور پھر تادم خسر ہی خلوص و اتحاد جاری رہا۔

خواجہ صاحب کے اور والد مرحوم سے بہت ارتباط و اتحاد تھا۔ وہ  
جب آلہ آباد جاتے تو خواجہ صاحب ہی کے دولت کدے پر ٹھہرنے میں  
بھی کبھی ساتھ ہوتا تھا۔ سب سے پہلے شہر میں خود انھیں کے دولت خانہ  
پر خواجہ صاحب کی زیارت ٹھیکہ نصیب ہوئی اس زمانہ میں حضرت غلام  
سبزی منڈی میں ایک وسیع مکان میں قیام فرماتے تھے باہر کے مکان  
میں بعض اغوا بطور دھام کے اقامت گزرتے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔  
خواجہ صاحب سہ پہر کے وقت نماز عصر سے فراغت کر کے باہر شہر  
آتے تھے۔ میں نے ایسی پابندی وقت پر پابندی وضع کسی دوسرے ہندوستانی  
شخص میں نہیں دیکھی۔ صبح میں چھڑکاؤ ہو کر کرسیاں مونڈتے دور وہ بچا  
دیے جاتے تھے۔ صبح میں ایک اپنی کرسی سامنے ایک چھوٹی سی میز  
جس پر خاضدان وغیرہ رکھا جاتا تھا۔ ادھر ادھر دو بڑے اگلدان جناب ہم  
پابندی وقت کے ساتھ ہاتھ تین بیج لیے مسلسل سے برآمد ہوتے اور  
اُسی صبح کی کرسی پر ٹھکن ہو جاتے۔ دونوں طرف کرسیوں اور مونڈھوں  
پر لوگ اپنے اپنے مرتبہ اور نیز بائیں اس درجہ ارتباط اور دوستی کے خواجہ

کے ساتھ اُن کو چل جوتا اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے تھے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کوئی شخص جو ایک مرتبہ کرسی پر بیٹھا ہو وہ دوسرے دن مونڈھے پر بیٹھے یا برعکس اسکے مونڈھے پر بیٹھے والا کبھی کرسی نشینی کی جوأت کرے۔ خواجہ صاحب بہت کثیر الاحباب اور خلیق اور غسان تھے۔ لوگ دُور دور تک آتے اور گاڑی پر سوار ہو کر روزانہ ملنے آتے اور اس کو اپنی ضرورت سمجھتے تھے۔ کبھی بڑے بڑے معزز اور با اثر حضرات جب آکے آباد میں وارد ہوتے تو خواجہ صاحب کی ملاقات اور زیارت کو اپنی سعادت سمجھ کر اُن سے ملنے آتے۔ مگر دو باتوں پر میں نے غور کیا ایک یہ کہ خلاف وقت وہ کبھی کسی سے نہ ملتے تھے اور دوسرے یہ کہ ہر وقت ملاقات وہ اپنی کرسی کسی بڑے سے بڑے آدمی کیواسطے بھی نہیں چھوڑتے تھے اور لوگ اسکا بُرا بھی نہیں مانتے تھے۔ ایک مرتبہ میرے سامنے ذاب محسن الملک تشریف لائے اور باوجود بزرگی سن اور بزرگی مرتبہ کے خواجہ صاحب سے نہایت عزت و احترام پر بہت جھک کر بٹلگیر ہوئے اور پاس بیٹھ گئے۔ مولوی ذکا اللہ خاں مرحوم مٹا گیا ہے کہ اپنے قیام آکے آباد کے زمانے میں روزانہ ملنے آتے تھے۔

خواجہ صاحب باوجود کبر سن کے توانا اور تندرست اور نہایت خوش خوراک خوش پوشاک اور خوش سلیقہ آدمی تھے۔ میں اُس زمانہ میں نو عمر تھا مگر خواجہ صاحب کے معاش اور مناد و دونوں کی خوش انتظامی کو دیکھ کر اور اُس سے متاثر ہو کر دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ یا اللہ بڑھاپے

میں میں بھی اس طرح زندگی بسر کروں۔

خواجہ صاحب اُس زمانہ میں خضاب کے بہت پابند تھے تیسرے دن وقت مقررہ پر خاص خط تراش حاضر ہوتا اور صلاح و تفسیر کے نازک خدمات سے ایک عرصہ میں فارغ ہوتا تھا۔ میں نے اُس زمانہ میں جناب موصوف کی وارسی حدود مقررہ سے متجاوز کبھی نہیں کی تھی اور نہ کبھی ایک بال سفید دیکھا۔ مگر بعد کو میرے خیال میں شش ماہ کے بعد سے خضاب چھوڑ دیا اور وارسی بھی بڑھا دی تھی۔

اتوار کے دن احباب کا مجمع آٹھ نو بجے صبح سے ہوتا تھا اور اُس دن سب لوگ خواجہ صاحب ہی کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ بعد فراغ طعام شعر و سخن کی محفل گرم ہوتی اور لطائف و ظرائف اور خوش گپیوں میں وقت صرف ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بلبل کو چاک ایک ایرانی رند سائل اسی اتوار کے جلسہ میں حضرت کے یہاں پہنچا اور لوگوں کو اپنے الحان و انشاد سے بہت محظوظ کیا خواجہ صاحب کے پاس بیدل کا دیوان نہایت عمدہ ملی تھا شاید مرزا بیدل کی رنگین شبیہ بھی اس میں شامل تھی چونکہ خواجہ صاحب کو بیدل کا کلام پسند تھا اور کبھی اُس کے اشعار خود پڑھتے یا اُس کے لطف اُٹھاتے۔ بلبل کو چاک کو یہ معلوم تھا۔ نہایت اصرار اور منت سماج سے دیوان مذکور اندر سے نکالوایا اور اُس کے اشعار اتنے زور سے پڑھ کر گانے لگا اور بعض اشعار پر از خود رفتہ ہو کر روٹنے لگا کہ لوگ

خواجہ صاحب نہایت مہذب اور متین بزرگ تھے۔ اور عیوس  
و مغرور ہرگز نہ تھے۔ بعض لوگ جو ان کی اس خودداری اور سلف رکپٹ  
کو نہیں سمجھتے تھے وہ ان پر عجب و غور کا الزام لگاتے تھے مگر حاشا کہ کیا  
نہ تھا بلکہ وہ تو مجتہد خلق و توضع تھے۔ اور پاس دوستی اور حفظ مراتب کو  
اعلیٰ درجہ کی وضعداری سمجھتے تھے۔ خاک را دستم پر شفقت بزرگان  
فرماتے اور عزیزانہ محبت سے پیش کرتے تھے۔

خواجہ صاحب مرحوم نے پیرانہ سالی میں بھی زندہ دلی اور نشاط  
کو جاری رکھا اور اسی عالم میں ۹۸۷ھ میں بمقام آلہ آباد وفات پائی۔ اگرچہ  
انھوں نے فارسی اور اردو میں بہت کچھ کہا مگر افسوس کہ نمونہ کلام کے لیے  
اس سے زیادہ شعر نہ مل سکے۔

چشم بزم باز شد ز خواب تنہ از دیوار سوتا	پڑھ زرخ کہ برکشاد ہمز شرم زد و سوتا
دخت و بکارت فتنہ عرض شرمگین شجوت	نزد آجہ حیرت است آئینہ پاکہ رو بر سوتا
جام کہ کرد ب تن صبح در پرہن	بند قبا کہ بستہ است گہمت گل بہ بند سوتا
غازہ بہ رخ کہ بر کشید رنگ سر گل شکست	ابر د کینست بہ تاب گردن خلق تیغ جوتا
دست بکھ درخا گرفت لالہ تر بخول نشست	چشم بکھ سرست گشت ناطقہ سرمہ در گھوتا
جام صبوئی کہ زد تیشہ بسجد میرود	بے زلکہ کیم کا میفت خوش نشا طو سوتا
چہونہ کہ برفروخت نشا شوق شد بلند	زلف کہ بے برفشا بزمیو نیم شک سوتا
ترغ نگہ کہ آب داد گشتہ فکار سینہ	لوک مژہ کہ تیز کرد و منی خم بے روتا
چغنیہ ز خند لب لب لب نگ تبسم کہ دید	در گہ ابرو نما نزلعل کہ گرم گلفشو سوتا

طرف کد کہ برگشت نشین دل شکستہ شد قامت خد کو بہت کرد نخل مراد در نخواست !  
 موی کمر کہ تاب اور شستہ بیان ہم گسخت دہن ناز کہ ہر شیت خاکت میں با بروا !  
 بر سر زین کی نشست زلف عنان صبر سچے چین کیو میر و باد صبا بر رفت و روا !  
 بخت کجاست بختیر تا بر کباب و دودم  
 بر سر نشستہ افیم نیم گاہم آرزو است

## تفتہ منشی ہرگوپال

منشی ہرگوپال نام تھا تفتہ تخلص کرتے تھے اور بسبب اتحاد و دوست  
 غالب مرحوم نے مرزا کا خطاب دیا تھا ۱۲۱۳ھ میں محلہ قانون گویاں  
 قصبہ سکندر آباد ضلع بنہ شہر میں پیدا ہوئے اور زیادہ حصہ علمریسی  
 مشہور و معروف قصبہ دراری محلہ میں گزارا۔ کچھ دن خود بھی عمدہ قانون گوئی  
 کے فرائض انجام دیتے رہے مگر شعر و شاعری کا ذوق ایسا تھا کہ اُس نے  
 کسی دوسری طرف توجہ نہ کرنے دی اور ہر کام سے بیکار ہو گئے۔  
 مرزا غالب مرحوم سے انہیں اور غالب مرحوم کو ان سے دلی خلوص  
 تھا۔ مرزا ایک مرتبہ ۱۲۸۶ھ میں بیمار ہوئے خط و کتابت کے ذریعہ سے تفتہ  
 کو یہ حال معلوم پایا و چونکہ تفتہ حالی فوراً سکندر آباد سے دلی گئے اور جتنا  
 اپنی آنکھوں سے بہت سادگی حالت نہ دیکھی چھین نہ آیا۔ یہ طرح جب کہ کوئی



ضرورت یا کوئی خاص بات ہوتی بلکہ تامل سکندر آباد سے ریل میں سوار ہو کر  
دلی پہنچ جاتے اور وہیںوں رہتے اپنے مخدوم کی خدمت کرتے اور ادبی  
فیض اٹھاتے تھے۔

یہی حال مرزا صاحب کا بھی تھا کہ سچے دل سے تفتہ پر مہربان اور  
ان کے قدر دان تھے کسی طرح ان کے دل پر نلالہ داندہ کے رد و ادوار نہوتے  
تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں کسی طرح تفتہ کو یہ معلوم ہوا کہ مرزا  
صاحب مجھے آزدہ ہیں۔ صاف ڈی نے صاف گوئی پر مجبور کیا۔ فوراً  
خط لکھا۔ مرزا صاحب نے خط پڑھ کے جواب میں لکھا کہ ”مرزا تفتہ جو کچھ کہتے  
لکھتا بیدردی اور بدگمانی ہے۔ معاذ اللہ تم سے اور آزدہ دگی نہ مجھ کو سپر  
نار ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دست صادق الولاء لکھتا ہوں جبکہ  
ہرگوپال نام اور تفتہ تخلص ہے۔“ اس طرح دوسرے خطوط میں بھی محبت اور  
خصوص ہے کہ چمکا پڑتا ہے۔ انہیں دوست کر کے اردوں پردوں سے ظاہر ہوتی  
جاتی ہے۔ سو غلط ہیں تو سوطح سے مخاطب ہے۔ کہیں بھائی لکھتے ہیں کہیں  
دوست کہتے ہیں۔ کہیں مرزا تفتہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ کہیں جوش محبت  
میں میری جان کہہ جاتے ہیں۔ کسی جگہ پیار میں بر خور و ارقلم سے نکل جاتا ہے  
کہیں فرط محبت و خلوص میں نیچے جاتے ہیں۔ کہیں بزرگانه قرمانی سے  
چشم نامانی کرتے ہیں کبھی ضرورت پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ رو پیہ بھیجیں  
تفتہ کی پریشاں حالی کا خیال آتا ہے تو لکھتے ہیں بیچارہ کیوں بیٹھے ہو بنک  
کار رو پیہ سب کھا گئے اب کیا کرو گے۔ کہیں صلاح دیتے ہیں تو غزل کی غزل

کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کہیں داد دیتے ہیں تو لگتے ہیں میاں مرزا نقتہ ہزار  
آفریں کیا اچھا قصیدہ لکھا ہے۔ واہ واہ چشم بد دور۔ کہیں خوش ہوتے ہیں  
تو ظریفانہ چٹکیاں اور لگدگیاں ہیں۔ کہیں پہروں اپنی داستان رنج و ملال  
کا رونا ہے غرض کہ تعلقات و ارتباط کی زنجیریں ہیں جن کی ایک کڑی دوسری  
کڑی ایسی ملی ہوئی ہے کہ کوئی طاقت اس کو جدا کر ہی نہیں سکتی۔ اور کوئی  
سبب اس کو آزاد پہنچا ہی نہیں سکتا۔

نقتہ شعر و شاعری کے اوائل عرصہ ہی سے دلدادہ تھے۔ فارسی میں  
کئی دیوان کئے تھے جن میں سے دو تین چھپ بھی گئے ہیں۔ مگر مرزا کی اصلاح  
اور خدا داد طبیعت نے وہ رنگ دکھایا ہے کہ بڑے بڑے شادوں سے کلام  
مگر کھاتا ہے۔ مرزا صاحب ان کو اصلاح سے مستغنی جانتے ہیں اور انکی خوشنود  
کو درجہ کمال پر مانتے ہیں۔ ایک خط میں لکھتے ہیں۔ ”بھائی تمہاری شوق  
چشم بد و رصاف ہو گئی رطب یا بس تمہارے کلام میں نہیں رہا۔ اور  
اگر خواہی خواہی تمہارا عقیدہ یہی ہے کہ اصلاح ضرور ہے تو میری جان میرے  
بعد کیا کر دے۔ میں تو چسپاں دم صبح و آفتاب سر کوہ ہوں۔ ایک جگہ کہتے  
ہیں ”شوق تمہاری نچیت نہ گئی۔ خاطر میری جمع ہے“ ایک اور جگہ ظرافت کا  
رنگ دیکر فرماتے ہیں۔ ”تمہارا کلام نچنگی کو پہنچ گیا ہے۔ اصلاح طلب نہیں  
رہا ہی۔ شیر اپنے بچہ کو ایک مدت تک آئین شکار کھاتا ہے جبکہ جوان  
ہو جاتا ہے تو خود بے اعانت شیر شکار کیا کرتا ہی۔“

نقتہ کے مزاج میں تصوف کا مذاق بہت زیادہ تھا۔ اسی کا جابجا

اوں کے کلام میں پرتو ہے نہایت پاک مشرب نیکدل صوفی منش آدمی تھے  
ایک مرتبہ ترک لباس کا ارادہ کیا۔ مرزا کو خبر ہوئی کسی طرح کہہ سکر باز رکھا۔  
چنانچہ لکھتے ہیں۔ "کیوں ترک لباس کرتے ہو پہننے کو تمہارے پاس ہے  
کیا جس کو اتار کر پہنکو گے۔ ترک لباس سے قید ہستی مٹ بجائے گی بغیر کھانے  
پینے گزارہ نہوگا۔ سختی و سستی رنج و آرام کو ہموار کر دو جس طرح سے ہو اسی صورت  
سے بہر صورت گزرنے دو۔"

تاب لاتے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہو اور جان عزیز

مرزا تفتہ کا ایک بچہ آغاز شباب میں قضا کر گیا تھا جبکا نام تمبیر تھا۔  
اسکے مینے ان کو سخت صدمہ پہونچا جبکا ایک نوحہ اسکے کسی دیوان میں ہوچکا  
ہے اوس وقت سے کہ ایسے دل برداشتہ ہو گئے تھے کہ دنیا کے مشاغل میں  
جی نہ لگتا تھا۔ مگر مرزا انکو ہنسنا ہنسنا کر اور شیریں نصیحتیں کر کر کے شعرو شاعری  
کی طرف راغب کرتے تھے۔

زمانہ کے رسم رواج کی موافق مرزا تفتہ ہمیشہ فناء سی ہی  
کہتے تھے۔ اردو نہ اسوقت تک اتنی زیادہ مقبول تھی اور نہ لوگ اسکو معیار  
کمال سمجھتے تھے۔ مگر فارسی شاعری کی طرف وہ آخر عمر تک متوجہ رہے  
اور ایک دوا ز عمر پاکر عالم ضیفی میں مرزا غالب کی وفات کے دس برس بعد  
۱۸۶۹ء میں عالم فانی سے رہ گئے ملک جادو دانی ہوئے۔

اُن کے اردو کلام میں مرزا غالب کے حوم کا قطعہ وفات دستیاب  
ہوتا ہے جو مومن خاں کی اس تیاری کے طرز پر کہا گیا ہے جو انھوں نے شاہ عبدالغفور

محدث دہلوی کے غم وفات میں لکھا ہے ۵

غائبہ شخص تھا ہمہ اں جسکے فیض سے ہم سے ہزار ہچکچاں نامور ہوئے  
فیض و کمال صدق صفا اور حسن عشق چہ لفظ اسکے مرتے ہی پاؤں سے

ولہ

لے نالہ سوئے چرخ مرگرم مرگرم باپیر نرید سر آزاد جواں را

## نائب نواب شہاب الدین احمد خان

نواب شہاب الدین احمد خان نائب نواب ضیاء الدین احمد خان  
والی لوہارو کے بیٹے تھے۔ زیادہ تر دلی میں رہتے تھے۔ مرزا صاحب  
کے سسرال کے رشتہ سے بھتیجے تھے۔ اور مرزا کو ان کے ساتھ اتنی  
محبت تھی کہ اپنے بچوں سے زیادہ ان کو چاہتے تھے۔ بہروں اختلاط اور  
بزرگانہ محبت کی باتیں کرتے تھے ان کی تعلیم و تربیت میں مصروف رہتے تھے۔  
نائب کی ذاتی قابلیت ایسی تھی کہ اچھے اچھے ذہنی استعداد  
ان کی برابری نہ کر سکتے تھے نہایت نیک نفس بلنار اور حکام رس تھے  
چنانچہ اسی وجہ کم ملی میں آئیری مجسٹریٹ کے جلیل القدر عہدہ پر ممتاز  
ہو گئے تھے۔ دہلی کے نہایت مشہور و معروف لوگوں میں تھے۔

شعروشاعی کا ابتدائے عمر ہی سے ذوق و شوق تھا۔ مرزا

۱۔ مومن کا مادہ یا ریخ یہ ہے۔ دست بیل و اہل سے بے سرو پا ہو گئے۔ محفرو دین فضل و ہر لطف و کرم علم و عمل

ہی سے صلح لیتے تھے۔ اور حتی الوسع مرزا ہی کا اتباع کرتے تھے۔ درد اثر۔ معانی آفرینی اور صفائی زبان نشست الفاظ اور حتی بندش کا پیشہ خیال رکھتے تھے۔ اور ہمیشہ مشق سخن جاری رہتی تھی۔

مرزا ہمیشہ ان کے ساتھ اپنے بچوں کی طرح پیش آتے تھے اور ان کے جی بہلانے کی طرح طرح کی تدبیریں کرتے تھے کہیں اگر تنبیہ بھی کرتے تو اس طرح کہ ناگوار نہ ہو اور بجائے سنج کے اور مہنسی آتی تھی شاقبت مرزا کے کلام کی نقل کر لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مرزا نے وہ مجموعہ دیوان ان سے مانگا انہوں نے حوالہ کیا۔ اتفاق سے اس میں کچھ غلطیاں تھیں۔ اور مزید براں یہ بات تھی کہ کسی کے شعر مرزا کے نام سے دیوان میں لکھ دیے گئے تھے۔ مرزا نے وہ دیوان دیکھا۔ بڑا غصہ کیا۔ فوراً ایک رقمہ لکھا۔

”بہائی شہاب الدین خاں واسطے خدا کے یہ تم نے اور حکیم نجف خاں نے میرے دیوان کا کیا حال کر دیا ہے۔ یہ شہار جو تم نے بھیجے ہیں۔ خدا جانتا کس ولد الزن نے داخل کر دیے ہیں۔ دیوان تو چھاپے کا ہے تن میں اگر یہ شعر ہوں تو میرے ہیں اور اگر حاشیہ پر ہوں تو میرے نہیں۔ بالفرض اگر یہ شعر تن میں پائے بھی جاویں تو یوں سمجھنا چاہیے کہ کسی ملعون زن جالب نے اصل کلام کو چھیل کر یہ ترافات لکھ دیے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جس مفید کے شعر ہیں اس کے باپ پر اور دادا پر اور پردادا پر لعنت اؤڑھنا دہشت تک ولد الحرام۔ اس کے سوا اور کیا لکھوں۔ ایک تو لڑکے میاں غلام نجف دوسرے تم۔ میری سبقتی بڑھاپے میں آئی کہ میرا کلام تمہارے ہاتھ پڑا۔“

ایک مرتبہ ثاقب کو کوئی خط لکھا تھا اُن سے جواب میں دیر ہوئی۔ مرزا  
نے فوراً یہ رباعی لکھ کر بھیجی ہے

رقم کا جواب کیوں نہیں دیا تم نے      ثاقب حرکت یہ کی ہے سچا تم نے  
حاجی کل کو دیکے بیوجہ جواب      غالب کی پکا دیا کیلجیا تم نے

ایک مرتبہ ثاقب سے رمضان کی کیفیت اس طرح پوچھتے ہیں ہے

لے روشنی دید شہاب الدین خاں      کٹنا ہے تباہ کر جسے مضامین  
ہوتی ہو تراویح سے قرابت      سنتے ہو تراویح میں کتنا قرآن

افسوس کہ عین عالم شباب میں ۱۹ اپریل ۱۳۵۷ء مطابق ششم محرم  
۱۳۵۷ء صوم دوم دو شنبہ کو کیا رخصتہ تپ اہمال ہنگام سہروردی میں انتقال  
کیا پر تے وقت قدم شریف میں دفن ہونے کی وصیت کی تھی چنانچہ حسب  
اپنے چچا جسٹس الدین احمد خاں مرحوم کے پہلو میں قدم شریف کے قبرستان میں  
مدفن ہوئے مرزا قربان علی بیگ سالک نے تاریخ کمی ہے

از صدائے مرگ ثاقب والا جاہ      ہر سو صدائے نالہ ہائے بکا  
تاریخ وفات و جنین سالک      رو بہ ششم محرم صد آہ

اپنے چار صاحبزادے اور ایک لڑکی یادگار چھوڑی۔ صاحبزادوں کو میرزا  
پدری کے علاوہ شاعری بھی ارث میں ملی۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے  
نواب شجاع الدین احمد خاں تاجاں مرحوم اور نواب سراج الدین احمد خاں جہا  
سائل دہلی کے نہایت ممتاز اور مشہور و معروف شاعروں میں ہیں انہوں  
کے تاجاں مرحوم نے بھی اسی سال یعنی ۱۹۲۹ء میں انتقال کیا۔

## نمونہ کلام

کیوں وعدہ کر دیتے تھے اچھا و کینوت  
ہوں وصل کا خواہاں نہیں شوقِ خبر کا  
اُس عصر میں کہتے تھے ایسے پارٹینے  
بچپن کا ہی پیام مرے دیدہ تر کا  
ہر شخص کا دل شہر میں کھینچتا ہے ادھر کو  
کیوں اور سے پوچھ کوئی ترسے گھر کا

سب کچھ ہوئے تھے قبر کو ہم کنجِ محبت  
دیکھا تو یاں بھی امن و اماں کا مکمل تھا  
جو کام میں غیر کے ہوئے نہ  
افسوس وہ دلربا ادائیں  
نہیں عقل سے عشق خالی کہ اس میں  
بڑے تجربے پہنچا حاصل ہوئے ہیں

دل کا سودا ہو تھا ہونسی کی کہ بات نہیں  
گفتگو رہتی ہی بالیج کو خریدار کیسا تھے  
دانہ پانی کے خبر لینے کی توفیق نہیں  
کھیلنا جانتے ہیں مرغِ گرفتار کیسا تھے  
نیتھے ہمیشہ ابل بے آرزو لیے  
وہ دن گئے کہ داغِ تنہا اٹھائے

## جنوں خان بہا قاضی عبدالجلیل میلو

اُن کا نام عبد الجلیل تھا جنوں تخلص کرتے تھے۔ اُن کے اسلاف  
واجداد شاہانِ تیموریہ کے زمانہ عروجِ سلطنت میں مصر سے دہلی آئے اور

فرما کر دے ہند نے اُن کی نہایت قدر و منزلت کی مختلف اور متفرق  
 عمدہ ہائے جلیلہ پر سرفراز کیا متعدد شہروں میں مناجیب لیلہ پر کام  
 کرتے رہے۔ اور جسے کارنہس بریلی میں مہبدہ قضا مامور ہوئے اور  
 یہیں رہ پڑے۔ حاکم وقت کی نظر میں آپ کے بزرگوں کا اس قدر وقار  
 اور عہد سبار قائم ہو گیا تھا کہ شاہان دہلی اور شاہان اودھ دونوں  
 عزت کرتے اور ان کی بات مانتے تھے۔ چنانچہ دونوں سلطنتوں کے مابین  
 جو امور نزاعی ہوتے وہ اُن ہی کے ذریعہ سے طے ہوا کرتے تھے۔

قاضی صاحب منصب ۱۲۵۱ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے اور  
 ۱۸ برس کی عمر میں تحصیل علوم رسمیتہ عربی اور فارسی سے فراغت  
 حاصل کی اسی زمانہ میں شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا اور مشق کرنے لگے  
 جب فراموشی بخت ہو چلی تو مرزا صاحب کے اصلاح کلام کے یہ بتو تیر کر کے  
 ۱۲۵۶ھ میں دو ایک غزلیں بھیجیں۔ مرزا کو ضعف پیری اور آلام  
 نے گھیر رکھا تھا پریشان تھے دوسرے جب تک کسی کو اچھی طرح جانچ  
 نہ لیتے تھے اس سے بے تکلف نہوتے تھے۔ غرض انھیں وجہ سے  
 آئی ہوئی غزلیں یہ لکھ کر واپس کر دیں کہ میں نے نہ تو آپ کی غزلوں میں کچھ عیب  
 پایا کہ اوپر اصلاح کرتا۔ اور نہ اس اصلاح سے کوئی فائدہ ہے جب تک کہ استاد  
 کی صحبت میں نہ رہے اور مدتوں تک اس کی روش کو پیش نظر نہ رکھے  
 اُس وقت تک کام نہیں چل سکتا۔ مباد فیاض سے ہمت طلب کیجئے  
 اور مشق کئے جائیے۔ آپ کی میاقت اور قابلیت رہبری کرے گی اور



اصلاح کی ضرورت نہ رہے گی۔ مگر قاضی صاحب نے اس تحریر کو صرف ایک دفعہ اونی خیال کیا اور متعدد خطوط بھیجے۔ مرزا بدخلق تو تھے نہیں بلکہ انا چاہتے تھے مجبوراً اصلاح دینا شروع کر دی اور رفتہ رفتہ بہت زیادہ مہربان ہو گئے۔ مگر آلام جسمانی اور تکالیف روحانی اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ ہوش و حواس بجا نہ تھے چنانچہ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ”شاہ میں میرا نہ مرنے صرف میری تکذیب کے لیے تھا مگر اس تین برس میں ہر روز مرگ نوکا مزا چکھتا رہا ہوں۔ حیران ہوں کہ کوئی صورت نیست کی نہیں پھر میں کیوں جیتا ہوں۔ روح میری اب جسم میں اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں۔ کوئی اختلاط کوئی جملہ کوئی مجمع پسند نہیں۔ کتاب سے نفرت شعر سے نفرت۔ روح سے نفرت جسم نفرت یہ جو کچھ لکھا ہے بیان واقع اور بے مبالغہ ہے۔“

خوم آں روز گزین منزل ویراں بروم

نیان کا یہ عالم تھا کہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ”خلفہ حسین علی صاحب لام پور میں ٹھہرے ہوئے مگر واللہ مجھ کو یاد نہیں۔ نیان کا مرض لاحق ہے حافظہ گویا زہار شامہ ضعیف۔ سامعہ ہل۔ باصرہ میں نقصان نہیں حدت البتہ کچھ کم ہو گئی تھی۔ پیری و صد عیب خبیث گفتہ اند“ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ”میں تندرست ہوں نہ بخور ہوں زندہ بدستور ہوں۔ دیکھتے کب بلا تے ہیں اور جب تک جیتا ہوں اور کیا دکھاتے ہیں۔“ ایک مرتبہ قاضی صاحب کی خواجہ غلام غوث بخیر سے ملاقات ہوئی۔ اثنائے ملاقات

میں مرزا صاحب کا ذکر آیا۔ قاضی صاحب نے مرزا کے آلام و انتقام کا ذکر اور بیماری اور پریشانی کے شدید حال بیان کیا۔ خواجہ صاحب نے ہنسی ہنسی میں کہا کہ مرزا صاحب تو اب اچھے خاصے تندرست ہیں کچھ بیلا رویار نہیں ہیں۔ قاضی صاحب نے اس ملاقات کا ذکر اور تندرستی معلوم ہونے کا حال عرض کیا۔ مرزا نے یہ جواب دیا "مولوی غلام غوث خان صاحب بہادر میرنشی کا قول سچ ہے۔ اب میں تندرست ہوں پھوڑا پھنسی کہیں نہیں۔ مگر ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ ضعف کیونکر نو برسوں صاحب فرارش رہا ہوں۔ ستر برس کی عمر جتنا خون بدن میں تھا بے مبالغہ آدھا اس میں سے پیپ ہو کر نکل گیا۔ سن کہاں جواب پھر تولیدم صالح ہو۔ بہر حال زندہ ہوں اور ناواں پھر آپ کی پرورش ہائے دوستانہ کا ممنون جان و اسلام۔"

قاضی صاحب ہمیشہ تحفے تحائف مرزا کی خدمت میں ارسال کرتے رہتے تھے اور ادھر مرزا صاحب کا یہ عالم تھا کہ شفقت فرماتے اور قبول تھا تحائف شرمندہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ قاضی صاحب نے کچھ آم بھیجے مرزا نے قبول کر لیے۔ اگلے سال آموں کی فصل میں قاضی صاحب نے پھر لکھا کہ آم بھیجتا ہوں۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ "آموں کے باب میں جو کچھ لکھا یہ کیوں لکھا۔ اور اگر دوام کیا ضرور ہو گا جبکہ بذات خود حادث ہو حضرت اب کی سال آم ہر جگہ کم ہے۔ اور کچھ ہے وہ خشک و بیزہ ہے۔ آم کہاں سے ہونہ ہوا وٹ نہ برسات دیا پایاب ہو گئے کنویں سوکھ گئے۔ انار میں طراوت کہاں سے ہو۔ جناب اسکا خیال نفرا دیں اپنے کشت کو غلط کرو گے بنگال

آئندہ تک جیونگا۔ آپ کے مہربانی آم سکاؤنگا " یہ کشف اُسی تاریخ کی طرف اشارہ  
ہے جو مرزا نے اپنی زندگی میں اپنی وفات کے لیے کہہ رکھی تھی ۔

من کہ باشم کہ جاوداں باشم      چوں نظیری مانند طالب مرد  
ورگویند در کد امی سال      مرد غالب بگو کہ غالب مرد

باوجود اس ارتباط و اختلاط کے قاضی صاحب کو مرزا صاحب کی خدمت  
میں حاضر ہونیکا کبھی موقع نہ ملا تھا۔ جب مرزا صاحب منہ نشینی نواب  
کلب علی خاں مرحوم والی رام پور کی تہنیت میں ام پور تشریف لے گئے  
تو قاضی صاحب نے توجہ دلائی کہ بریلی رام پور سے کچھ دور نہیں ہے۔ نمائش گاہ  
کا زمانہ ہے۔ تشریف لائیے اور شتاق دید کو ممنون فرمائیے۔ مرزا صاحب  
نے جواب میں لکھا " ۱۲ اکتوبر کو یہاں پہونچا۔ بشرط حیات آخر و سمبر تک  
دہلی جاؤنگا۔ نمائش گاہ بریلی کی سیر کہاں اور میں کہاں۔ خود اس نمائش گاہ  
کی سی ہیں جس کو دنیا کہتے ہیں دل بھر گیا۔ اب عالم بریلی کا شتاق ہوں  
لا آکھ لا اللہ، لا موجود الا اللہ، لا مدثر فی الوجود الا اللہ۔

قاضی صاحب کی مشق شاعری خود مرزا صاحب ہی کے زمانہ میں  
اتنی بڑھ گئی تھی کہ مرزا صاحب بھی اسکی داد دیتے اور دن بڑھاتے تھے۔  
چنانچہ ایک مرتبہ ایک قصیدہ دیکھ کر کہتے ہیں " اگر تم قوت ناطقہ پر کچھ نظر  
ہو تا تو قصیدہ کی تعریف میں ایک قطعہ اور حضرت کی تعریف میں قصیدہ  
لکھتا۔ " اول اول اگر چہ مرزا نے قاضی صاحب کے کلام پر صراحۃً کج  
گالیاں لگائیں مگر اسے کراہت و ارتباط اتنا بڑھا کہ قصوں سے غرض اور محبت الی

انہار ہوتا ہے۔ کہیں اصلہ جی غزلوں کے لکھنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ کہیں ہلکا  
ہلکا مذاق اور شہتہ ظرافت کہیں انکی یاد آوری کا شکریہ۔ کہیں ہر یاد  
تحرکت کے وصول پر انہار مستمان۔ یہی وضع خستہ تک جاری رہی۔  
قاضی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اپنا تمام کلام تلف کر دیا اور اب پشہر  
یادگار ہیں۔

جو حسین ہو ملا کا فریبے دیں ہی ملا  
کہاں تیا کج آنکھیں ملا سکوں تجھ سے  
میں جو خستہ ہو کے اُس سے پھر گیا تو کیا  
سانے سے یوں نکل جاتے ہیں  
انھوں نے آئینہ دکھا تو میں نے منہ اٹکا  
بیاہر عشق کو نہ لگا ہاتھ اسے طیب  
وہی لطف عنایت تہم وجود سہی  
گرم کیوں تپو ہو غیار کے آگے مجھ پر  
تاب طاقت نے دیا فرق جان میں اب  
گالیاں کھا کے رہوں چپکے بات چیت  
آیا نہ اُن کو تفرقہ جان دل پسند  
جس کو دکھا اُسے غارتگیاں دکھا  
کہ اک نگ میں دگرگوں ہے حال محفل کا  
کیوں گئے کیوں گئے کیا بھولے تھے کیا گیا  
اُسے گویا کپہ شمسائی نہیں  
حواس پوش بن جاو ہاں نہیں قہمان بھی نہیں  
کچھ درد سر نہیں ہے کہ اچھا دوا سے ہو  
غم تو یہ ہے کہ نہیں حال کا پران کوئی  
آگ میں ڈالے پر یوں نہ جلایا کیجے  
یا غم ناز نہیں ہو کہ اٹھایا کیجے  
کہ گزرا ہوں تو وہ اور نہاتا ہے مجھے  
دل لہجے کے تھے جان بھی اب کے بچلے

## جوہر نشی جواہر سنگھ

جواہر سنگھ نام تھا۔ جوہر تخلص تھا۔ مرزا غالب سے ... کے دوست اور شاگرد تھے۔ فارسی کی استعداد اچھی تھی۔ مرزا نے ان کے کلام پر توجہ کر کے اُسکو اس طرح اپنے رنگ میں رنگا ہے کہ سراپا نصرت معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ صابر نے اپنے تذکرے میں اُن کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ”جوہر ایک شخص کا تخلص ہو شاگردان مرزا اسد اللہ خاں غالب سے۔ شعر فارسی کا فکر کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا اسے موصوف کی توجہ سے راہِ ستقیم کر گیا۔ کہ اسلوب سخن فی الجملہ سلیقہ پر دلالت کرتا ہے“ جوہر ۱۸۶۶ء میں تحصیل بلیب گڑھ میں تحصیلدار تھے اور مرزا سے مراسلت تھی۔

### مثنوی کلام

تو نورِ اکرم پر سرم گزار غلط	من دیرہ نہ نشستن انتظار غلط
برو بہ نہ بد آموزیم مکن ز اہد	من وز شاہ دہمے توبہ در بہار غلط
بہمد و خور پر شش نیم مگر وقتے	شود بہ کلیہ من راہ آں نگار غلط
برآں سرم کہ دگر با کسے نیامیزم	امید لطفنا یار ان روزگار غلط

## حقیر منشی نبی بخش

منشی نبی بخش نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اور کول علیگڑھ میں بعدہ سرشتہ داری عدالت فوجداری ملازم تھے۔ خلیفہ گلزاد علی خلف نظیر اکبر آبادی سے شعرون میں مشورہ کرتے تھے۔ مرزا غالب کے دلی دوست اور ہوطن بھی تھے۔ فارسی میں نہایت اچھی استعداد رکھتے تھے۔ لفظن طبع کے طریق پر بھی کبھی اردو میں بھی کچھ لیا کرتے تھے۔

مرزا صاحب نے نہایت بے تکلفانہ اور دوستانہ دہراورانہ تعلقاً تھے اور مرزا صاحب ان کی لیاقت پر اعتماد رکھتے تھے۔ ایسوجہ سے اکثر تصنیفات کی تصحیح کا اہتمام انہیں کے ذمہ تھا۔ ایک جگہ مرزا صاحب لکھتے ہیں ”اگر بھائی منشی نبی بخش صاحب ل متوجہ ہوں تو اگر احیاناً اصل نسخہ میں سو کا تب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کو بھی عین کر دینگے“ ایک جگہ مرزا تفتہ کے خط میں دستنبو کے لیے لکھتے ہیں کہ ”بھائی

ملہ کتاب دستنبو کے چھپوانے میں مرزا صاحب نے سعی بلیغ کی تھی مگر اس کی صحت اور چھپائی اور ترمیم وغیرہ کا اہتمام منشی نبی بخش حقیر۔ مرزا اعظم علی بیگ۔ مرزا تفتہ اور منشی شیون رائن ان چار آدمیوں کے سپرد کیا تھا۔ مرزا صاحب نے ایک قصیدہ ساتھ شرکا کوئن و کوئریہ ملکہ انگلستان کی طرح میں کہا تھا۔ اسکو بھی دستنبو کے اولی میں شامل کرنا چاہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اگر

منشی نبی بخش صاحب شکر کے ہدف سے جس محل پر کہ اُن کو بتائے ہیں ضرور لکھوا دینا۔ ایک جگہ مرزا قفٹہ کے خط میں حقیر کو مطلع یاد کرتے ہیں "ایک جنم تھا کہ جس میں ہم تم باہم دوست تھے اور طرح طرح کے ہم میں تم میں معاملات مہر و محبت پیش آئے۔ شکر کہ وہ لیان حج کئے۔ اُسی زمانے میں ایکسا اور بزرگ تھے کہ وہ ہمارے تمہارے دوست تھے۔ منشی نبی بخش اُن کا نام اور حقیر تخلص تھا۔ ناگاہ نہ وہ زمانہ رہا نہ وہ شخص نہ وہ معاملات نہ وہ اختلاط۔ نہ وہ انبساط۔"

ایک مرتبہ منشی نبی بخش کچھ پیار ہو گئے۔ مرزا کو معلوم ہوا۔ قفٹہ اُس زمانے میں اگرے میں مقیم تھے اُن کو خط لکھا اور جوش اتحاد میں ایک نسخہ بھی لکھ بھیجا۔ کہتے ہیں: ہمارے شفیق منشی نبی بخش صاحب کب کیا عارضہ ہے کہ جس کو تم لکھتے ہو مارا الجین سے بھی نہ گیا۔ ایک نسخہ طب محمد حسین خانی میں لکھا ہے اور وہ بہت بے ضرر اور سودمند ہے مگر اثر اوسکا دیر میں ظاہر ہوتا ہے وہ نسخہ یہ ہے "اے" اور صرف منشی نبی بخش صاحب ہی کی ذات تک یہ محبت اور مودت ختم نہ تھی بلکہ اُن کے بیٹے عبداللطیف سید بھی ادہی اخلاص برتتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ عبداللطیف نے ایک مہر کے کھڑے کرنے کے لیے مرزا کو لکھا تو آپ (نبی بخش حقیر) مرزا صاحب (حاتم علی مرزا) مرزا قفٹہ اور منشی شیروازن صاحب انجمن کو منظور اور اس قاعدہ کو مقبول کرینگے اور جب یہ اتفاق تم چاروں صاحب پسند کر دے تو گویا بہ اجلاس کونسل اس قانون کا اجرا منظور ہو جائیگا اور امید ہے کہ اس قانون سے پیسہ ٹھیک منظور کی طبع ہو جائے تاکہ سودہ اس قصیدہ کا کبھی دہن۔"

اُسکے جواب میں لکھتے ہیں "تمہاری مہر اسکا کچھ خیال نہ کرو وہ جس طرح تم نے لکھا  
سب بن جائیگی۔ مگر بھائی ششہ ۱۷ میں دن کے باقی رہے ہیں آج ۶ دسمبر ہے  
۲۴-۲۵ دن باقی ہیں ششہ جنوری مہینہ میں خدا چاہے تو کھد جائیگی۔ تم میرے  
بجائے فرزند ہو۔ میرے سسر بھتیجے ہو۔ جو تمہارا کام ہو تب تکلف کو شرم کیا۔ اور  
تکلف کیوں۔ یہ مہر کا کھد نا کو نسا کام ہے۔"

اسی طرح نشی بنی بخش جتنا اس خلوص کو بنا رہے تھے اور ہمیشہ خروانہ  
اور نیاز مندانہ پیش آتے تھے یہ نہایت با وضو نیک طبیعت۔ قابل۔  
منکسر المزاج۔ متوسع نماز روزہ کے پابند تھے۔ اگر وہ میں تاج گنج کے قریب رہتے  
تھے عمر عجب لمبی شغال سے شغف رہا۔ مگر امراض مزمن میں ایسے مبتلا ہو  
کہ خستہ و مریض بن چکے اور ششہ ۱۷ میں بقیام تاج گنج اگر وہ انتقال کیا۔  
مرزا مرحوم نے لفظ رستخیز سے تاریخ نکالی اور یہ قطعہ نظم کیا۔

نشی بنی بخش کی حسن خلق	دشت اوق نعم و فہم تیز
مرگستم پیشہ امانشن ندو	کیست کہ با مرگ سپید ستیز
سال و فائنش ز سپہ یادگار	بادل زار و مژدہ و جلد ریز
خو استم از غالب آشفستہ سہر	گفت مدہ طول و دیگور ستخیز

مرزا کو ان کے مرزا کا بہت سخت صدمہ ہوا۔ مرزا ششہ ۱۷ میں تاریخ کے لیے صرا کیا  
تو مرزا نے یہ تاریخ لکھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ میں فن تاریخ گوئی کو دوں  
مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور تمہاری طرح سے یہ بھی میل عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ  
وفات لکھنے سے اداسے حق مجتہد ہوتا ہے۔





دیر میں ہے ذکر اپنا کبسم میں سایل اپنا ایک ہم ہیں اور چرچا ہو کہاں کہاں اپنا  
گر ہی چاک کی عادت سے تو لے دستہ جیل پیر ہن سائے گر کہاں ہی گر کہاں ہونگے  
گر تو نہیں جو عاشق بھر یہ حقیر ہر دم کیوں نالہ حزین ہے کیوں آہ نشیں ہے

## ذکا۔ منشی حبیب اللہ

افسوس ہو کہ تذکروں سے کچھ آپ کا تہ نہیں چلتا اور نہ کوئی صحیح حال  
اور مفصل کیفیت معلوم ہوتی ہے مگر خود مرزا صاحب کے بیان کے موافق  
معلوم ہوتا ہے کہ منشی صاحب حیدر آباد کے رہنے والے اور وہیں عہدہ  
سیر منشی پر ممتاز تھے اردو اور فارسی میں نظم و نثر کے شائق اور ولد وہ تھے  
مگر مرکز زبان سے دور ہونے کی وجہ سے اردو سے کچھ زیادہ واقف نہ  
صرف اُس زمانے کے موافق حیدر آبادی اردو جانتے تھے۔

مرزا صاحب سے ان کو غائبانہ عقیدت تھی۔ نہ مرزا صاحب کو  
انہوں نے کبھی دیکھا تھا نہ مرزا صاحب نے ان کو۔ مگر پھر بھی خلوص اور اتحاد  
دلی کا یہ عالم تھا کہ اکثر خطوں میں عقیدت ہشتیاں کے اتنے گراں پات  
جملے ہوتے تھے کہ مرزا صاحب کبھی کبھی نفسی پر مجبور ہو کر یہ لکھنا پڑا تھا کہ۔  
”بھائی میں نہیں جانتا تم کو مجھے اتنی ارادت اور محبت تھی اتنی محبت کیوں  
ہے۔ ظاہر معاملہ عالم ارواح کا ہے اسباب ظاہری کو آئیں دخل نہیں آتا“

خط کا جواب مہمہ اوراق مسودہ روانہ ہو چکا ہے۔ وقت پر پہنچے گا۔ ستر  
بہتر اور دو میں ترجمہ پیر خرف ہے۔ میری تہتر برس کی عمر ہے۔ پس  
میں اخرف ہوں۔ یا "میسر شفیق" میں شفیق مجھے یوں دلچسپ کرنے  
ماننے والے۔ مجھے بڑے سے اچھا جاننے والے۔

مرکب کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ غزلیں اور نثر کے مسودے برابر آتے  
تھے اور مرزا صاحب باوجود پیرانہ سالی اس زحمت کو خوشی سے برداشت  
کرتے تھے۔ پہلے پہلے جب ان کے خطوط آئے تو مرزا صاحب نے اپنا  
پورا خاندانی حال اور سوانح زندگی ان کو لکھ بھیجے اور اس کے بعد وہ کلمہ  
ہوئی کہ مرزا صاحب نے کہیں ان کو اپنا محبوب کر کے خطاب کیا کہ نہیں شفیق۔  
کبھی بندہ پرورد کبھی مولانا کبھی جان غائب کبھی جاناں۔

ایک خاص معاملہ میں مرزا صاحب نے کچھ کبیدہ بھی ہو گئے تھے۔  
واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مولوی غلام امام شہید کی غزل پر ڈکانے ایک غزل  
لکھی اور خط میں تحریر کیا کہ مولوی غلام امام شہید اکبر آبادی کی غزل پر غزل  
لکھ کر بھیجتا ہوں۔ مرزا صاحب نے غزل پر اصلاح دی اور اسی خط میں یہ لکھا کہ  
مولانا شہید اکبر آبادی کے نہیں ہیں لکھنؤ اور اکبر آبادی کے ہیں۔ یہ بات ان کو کچھ ناگوار  
ہوئی۔ اسی پر کسی سے مرزا صاحب کی شکایت کی اور اپنی اہانت کا گلہ کیا۔  
خواجہ غلام غوث بختیار کو کسی طرح یہ بات معلوم ہوئی انھوں نے مرزا صاحب کی  
لکھا کہ مولوی صاحب اس بات کے شاکہ ہیں۔ مرزا صاحب نے پورا قصہ اُنہیں  
لکھ بھیجا اور صاف صاف لکھا کہ "اس کلمہ سے زیادہ کوئی بات میں نے نہیں

لگی۔ اس میں سے تو بچن معنی دستخط ہوں تو میں اسکا مستحق ہی۔ اب  
میں نہیں جانتا کہ منشی صاحب نے مولوی صاحب سے کیا کہا اور مولوی صاحب  
نے آپ کو کیا لکھا؟

ذکا کا سال وفات معلوم نہیں خطوط سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہو  
کہ غالب مرحوم کے دور حیات تک یہ بھی زندہ تھے۔ کلام کا اب کہیں پتہ نہیں  
چلتا۔ مگر دیوان ان کے زمانہ حیات میں طبع ہو چکا تھا۔ جیسر مرزا صاحب نے  
ایک مختصر تقریظ بھی لکھی ہے اور ذکا کی تعریف کی ہے۔

## رحیم۔ مرزا رحیم بیگ

مرزا رحیم بیگ کے والد کا نام پیر بیگ تھا۔ جو دلی کے رہنے والے  
تھے۔ مگر ترک وطن کر کے سروہندہ ضلع میرٹھ میں آ رہے تھے۔ مرزا رحیم بیگ  
پہیں پیدا ہوئے۔ سن ۱۲۵۸ ہجری مطابق ۱۸۴۱ء میں  
سروہندہ سے میرٹھ آئے۔ اور حکیم بدایاں سے تحصیل علوم ضروری کرنے  
لگے۔ حکیم صاحب صوفی اپنے فرزند ہی میں لیا اور نہایت شفقت  
فرماتے رہے۔ ۱۲۸۰ھ میں مولوی محمد بخش نادان کے شعر و شاعری میں شاگرد  
ہوئے۔ اور انہیں سے علم و فن و قافیہ پڑھا۔ تاہم اسے شوق میں شعر و غزل  
اختیار کیا تھا۔ مگر نادان کے شعر سے رحیم تخلص کرنے لگے۔ ۱۲۸۱ھ

مرزا رحیم بیگ صاحب کے کتب خانہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے انہیں سے معلوم کر

لے بعد کو معلوم ہوا کہ ان کا دیوان اردو و فارسی قلمی و عرفی صاحب کے کتب خانہ حیدر آباد دکن میں موجود ہے انہیں سے معلوم کر

میں حکیم حسن اندھا خاں کی فرمائش سے قصص الانبیاء کو نظم کیا۔ چند سالے  
اُردو فارسی کے اور ایک تذکرہ مخزن الشعراء بھی لکھے جو بنظر صلاح مولانا صہبائی  
کو دکھائے۔

عربی فارسی کی استعداد عالمانہ رکھتے تھے اور اُردو فارسی دونوں  
زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ مرنے سے دس بارہ برس پہلے نابینا ہو گئے تھے۔ اور  
میرٹھ میں معلیٰ کر کے بسر اوقات کرتے تھے۔

مرزا صاحب سے ان کے کچھ اچھے تعلقات نہ تھے۔ بلکہ حبیب مرزا صاحب نے  
”بران قاطع کی غلطیاں“ قاطع برہان کے ذریعہ سے ظاہر کیں۔ تو مرزا رحیم بیگ  
نے بھی قاطع برہان کے جواب میں ”قاطع برہان“ لکھی جب وہ مرزا کی  
نظر سے گزری تو نام نہ غالب جو عود ہندی میں موجود ہوا اس کے جواب میں لکھا۔

مرزا غالب ان کو ایک ملائے بکتنی سے زیادہ نہ جانتے تھے۔ چنانچہ  
ایک خط میں میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں ”وہ جو ایک اور کتاب کا تنے  
ذکر لکھا ہے۔ وہ ایک لڑکے پڑھانے والے ملائے مکتب کا خبط ہے۔ رحیم بیگ  
اُس کا نام میرٹھ کا رہنے والا گئی برس سے اندھا ہو گیا ہے باوجود نابینائی  
کے اہم بھی ہے۔ اس کی تحریر میں نے دیکھی۔ تم کو بھی بھیج دوں گا۔ مگر ایک برس  
مرنے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جنکو لطائف غیبی میں  
رد کر چکے ہو۔ ہر حال اس کے جواب کی فکر نہ کرنا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ”معلیٰ بیگ  
پیشہ ہے۔ اور آٹھ دس برس سے اندھا۔ نظم و نثر میں مولوی امام بخش  
صہبائی کا شاگرد اور فارسی شعر کہتا ہے۔“

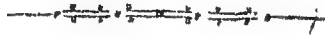
مرزا صاحب نے . جو مرزا رحیم بیگ کو خط لکھا ہے اس میں وہ شکلیں  
لی ہیں کہ اول سے آخر تک پورا خط خادزار معلوم ہوتا ہے اور وہ دلائل  
اور براہین پیش کئے ہیں کہ رحیم بیگ کی انگلیں کھل گئی ہوں گی چنانچہ خط کا لقب  
ہی اتنا شورخ ہے کہ مرزا رحیم بیگ کے دل پر اسے چیلے ہوئے لکھتے ہیں  
" بخدشت شفقتی مکرری مرزا رحیم بیگ صاحب فی الدن قلبہ بالاسرار و  
عینہ بالانوار " اس طرح اس خط میں مرزا نے اپنے عقائد کا فرنگ نویسیوں کے  
بارہ میں ذکر کیا ہے۔ بہت سے الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ بہت سے  
دلائل کو رد کیا ہے۔ بعض جگہ فحش سعادت علی اور بعض امور میں معاذ صہبائی  
کے اقوال کو بھی غلط بتایا ہے۔ بہت سے لغات مختلف فیہ میں حاکم کیا  
ہے جبکہ حال اسی کتاب میں ملیگا۔

غرض کہ مرزا رحیم بیگ سے مرزا غالب کے تعلقات حریفانہ تھے اور  
کسی طرح سے مرزا صاحب ان کی باتوں کو ہدیہان سے زیادہ نہ سمجھتے تھے

نمونہ کلام مرزا رحیم بیگ یہ ہے۔  
جو کہتا ہوں بیاں اپنے دل بتیاض نظر  
پس مردن بھی بارندہ مست یچلے سر  
طفیل لاغری میں دگیا ہوں گے جانائیں  
ایک سینہ ہو دے کس کس کو  
رتہا ہی رنگ نبض عاشق تار سطرکا  
کہ از کرون سے چھپتے پڑے دامان تاج  
کہ شبنم نظر آئیں اور جوں گل تائیں  
تین کو تیر کو کہ جنجس کو

ساتی بیا کہ گشتہ سر لالہ زار سبز بر سبز و بجز سبز و لب جو بیار سبز

دیوار سبز چمن پسین بنر شیشہ سبز      مے سبز جام سبز لباس نگار سبز  
غلب کہ از کمال نشا طگل بہار      مثل پسین پرنہ بر آید نگار سبز  
روئے تہاں ز سبزہ برآمد تمام سبز      وز عکس خطروے بتاں آبشار سبز



## نخشاں میر نواب ضیاء الدین احمد خاں

ضیاء الدین احمد خاں نام تھا۔ فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں دہلی ریاست  
فیروز پور جہر کہ وجاگیر دار لوہارو کے چھوٹے بیٹے تھے۔ نواب امین الدین خاں بہاؤ  
آپ کے بڑے بہائی ریاست لوہارو کے رئیس تھے اور آپ کے نام جاگیر تھی۔  
اردو و فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور دونوں زبانوں پر کافی  
عجور رکھتے تھے۔

آپ اپنی کئی نہایت معزز اور موقر کوسرا میں شمار کئے جاتے تھے۔ نہایت  
بارسوخ اور حکام رس تھے۔ اور حکام بھی آپ کے اعزاز خاندانی۔ آپ کی ذاتی  
وجاہت قابلیت اور علم و فضل کی وجہ سے آپ کی قدر کرتے تھے۔ ہنگامہ غدر کے  
بعد آپ کی ذات الاصفیات دلی میں بہت ہی غنیمت سمجھی جاتی تھی۔ یہاں تک  
کہ کوئی شخص کسی فن کا ماہر اگر باہر سے آتا تھا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر  
ضرورت استفادہ کرتا تھا۔ فن تاریخ میں نہایت زبردست مہارت رکھتے تھے۔  
چنانچہ جو وقت ایسٹ صاحب کہ ٹیری گورنمنٹ ہند نے اپنی

ضخیم تاریخ ہند مرتب کی تو نواب صاحب موصوف نے فراہمی حالات میں  
بہت کافی مدد دی جس کا انھوں نے دیباچہ کتاب میں اعتراف کیا ہے۔

اُردو فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے تھے۔ مگر بیشتر فارسی ہی  
کہتے تھے۔ اردو میں صرف برنبائے تفتن طبع کچھ فرماتے تھے ورنہ دراصل فارسی  
شغف تھا۔ فارسی میں نیر اور اردو میں رخشاں تخلص کرتے تھے۔ مرزا غالب  
تکذ تھا۔ اور ان کے شاگرد رشید شمار ہوتے تھے۔

نواب موصوف کو مرزا کے ساتھ نہ صرف شاگردانہ تعلق تھا بلکہ عزیزانہ  
اور برادرانہ تعلقات تھے۔ کیونکہ آپ کی حقیقی چچا زاد بہن یعنی نواب آئی خان  
معروف کی صاحبزادی مرزا سے منسوب تھیں۔ اسکے علاوہ دوستانہ مراکسم  
تعلقات مرزا سے تھے جن کو فیما بین اس طرح بنا ہوا تھا کہ انیس سالے میں اس کی  
نظیر نہیں ملتی۔ مرزا ان کو بھائی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ اور انکی دوستی اور  
شاگردی پر فخر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک قصیدہ محض انھیں کی طرح میں لکھا  
ہے۔ جسکے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں اس سے اس خلوص اتحاد کا پتہ چلتا ہے  
جو مرزا کو ان کے ساتھ تھا۔

نذر کہ بود در ضیائے نیت من	صدق قیام تو اس ساختن بہ بانہ پیچ
من بہانم داد ہر نور گستر من	نہ این سچہ و نہ آن ہر عالمیہ دگر بہت
یہ محسن نور و نہایت منور من	من آں سچہ کہ دایم چناں کہ مہربانہ
بہ بعد اکبر گردوں ز سد صغیر من	من آں سچہ کہ ہر دم ز سد عظیم من
ضیائے دین محمد کہیں برادر من	منم خزینہ را زو در خزینہ را نہ



بدین دولتش و دولت یگانہ آفاق      لہجہ کثر و از دہ رتبہ مستر من  
 بہ ہر دل بہ پرادر دہشتم بحقیق ہم      کہ پور خویش بدوستان دلبر من  
 اگر چہ دوست ارسطو من فلاطونم      بود بہ پایہ ارسطو سے من سکندر من  
 زیں کو سے مرا تھاں کند ہر صبح      طلوع نیر ویش ز طرف منظر من  
 اس طرح تمام قصیدہ مدحیہ اشعار سے پُر ہے اور لفظ لفظ سے ظاہر ہوتا ہے  
 کہ مرزا کو ان کی ذات پر کتنا مانہ ہے کتنی محبت ہے ضیاء الدین خاں کیسے  
 جو ہر قابل اور مرزا کے کتنے بڑے قدر دان ہیں۔

مرزا کے ہست غنا اور لا ابالی پن نے اُن کا کلام کبھی اُن کے پاس حج  
 نہ ہونے دیا۔ بلکہ نیز ہمیشہ ان کا کلام لے جاتے تھے اور حج کرتے رہتے تھے اور  
 ہقد حفاظت اور عزت سے رکھتے تھے کہ مرزا کو بھی اُس مجموعہ کی ہوانہ دیتے  
 تھے۔ اگرچہ مولانا عالی نے یادگار غالب میں لکھا ہے کہ نیر کے نام کوئی خط  
 اردو میں نہیں ہے مگر یہ مولانا مرحوم کا سو ہے۔ اردو ہی کا ایک خط سے اس  
 قصہ کا پتہ چلتا ہے جو لکھا جاتا ہے۔ مرزا کو اپنے کلام کے دیکھنے اور چھپوانے  
 کی ضرورت ہوئی۔ نواب صاحب بک لکھا کہ ذرا وہ مجموعہ بھیج دو۔ اُنھوں نے  
 جواب دیا کہ کتاب کے ضمیمہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ مرزا نے پھر لکھا۔ پھر انکار  
 ہوا۔ مرزا نے جھنجھلا کر لکھا کہ جناب قبلہ و کبہ آپ کو دیوان دینے میں تاویل کیوں  
 ہے۔ روز آپ کے مطالعہ میں نہیں رہتا۔ بغیر اُس کے دیکھے آپ کو کھانا نہ بھضم  
 ہوتا ہو یہ بھی نہیں پھر ایک جلد ہزار جلد بچائے میرا کلام شہر تپا ہے۔  
 میرا دل خوش ہو۔ تمہاری تعریف کا قصیدہ اہل عالم دیکھیں۔ تمہارے بھائی

کی تعریف کی شرب کی نظر سے گزرتے فائدہ کیا تھوڑے ہیں۔ رہا کتاب کے تلف ہونے کا اندیشہ یہ خفقان ہے۔ کتاب کیوں تلف ہوگی۔ اچھا نا اگر ایسا ہوا اور دتی لکھنؤ کی عرض راہ میں ڈاک لٹ گئی تو میں فوراً بہ سبیل ڈاک رام پور جاؤں گا اور نواب فخر الدین خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان تم کو لا دوں گا۔ اگر یہ کہتے ہو کہ اب ہاں سے لیکر بھیج دو۔ وہ نہ کہیں گے کہ وہیں سے کیوں نہیں بھیجتے۔ ہاں یہ لکھوں کہ نواب ضیاء الدین خاں نہیں دیتے تو کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ جب تمہارے بھائی اور تمہارے قریب ہو کر نہیں دیتے تو میرا اتنی دور سے کیوں دوں۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ بفضل سے لیکر بھیج دو۔ وہ اگر ندین تو میں کیا کروں۔ اگر دیں تو میرے کس کام کا پہلے تو نام تمام۔ پھر ناقص بعض بعض قصائد اس میں سے اور کے نام کر دیے گئے ہیں۔ اور اس میں ہی مروج سابق کے نام سے ہیں۔ شہاب الدین خاں کا دیوان جو یوسف رزائے گیا ہے اس میں یہ دونوں قبا حقیق موجود تیسرے یہ کہ لکھنؤ غلط۔ ہر شعر غلط ہر مصرعہ غلط۔ یہ کام تمہاری مدد کے بغیر انجام نہ پایے گا۔ اور تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ ہاں احتمال نقصان وہ بھی از روئے دوسرے وہ ہم اس صورت میں میں تلافی کا فیصلہ کیا کہ اب پر لکھ آیا ہوں۔ بہر حال راضی ہو جاؤ۔ اور مجھ کو لکھو تو میں طالب کو طے لاء دوں اور طلب اس کی حسب دوبارہ ہو تو کتاب بھیج دوں

نیر کی محبت اور وضع دہی کا یہ حال تھا کہ روز صبح کو مرزا کے پاس سو کام چھوڑ کر جاتے تھے جیسا کہ خود مرزا نے لکھا ہے

زمین کی مرا تہاں کند ہر سرج طلع نیر روشن طرف منظر من

اگر خط میں کہیں دیر ہوئی تو بار بار خط لکھتے۔ مرزا پیرانہ سرسی کا عذر کرتے مگر جیسا کہ اب لکھا

نہ لینے کسی طرح پہن نہ آتا تھا۔ مرزا کے اتحاد و خلوص کی بھی کوئی انتہا نہ تھی۔ نیز اکبر آباد گئے تو اذکو لکھا کہ "میرے شوق و دراندیش نے دیر و دل کو ہمارے ساتھ کر دیا ہے" یہ اتحاد مدت عمر قائم رہا۔ مرزا کے انتقال پر تجنیز و تکفین تمام بھی نواب ضیاء الدین احمد خاں ہی نے کیا۔ مولانا خالی لکھتے ہیں

"مرزا کے جنازے پر جبکہ دلی دروازے کے باہر نماز پڑھی گئی۔ راقم بھی موجود تھا اور شہر کے اکثر علماء اور ممتاز لوگ جیسے نواب ضیاء الدین احمد خاں۔ نواب مصطفیٰ خان حکیم حسن شاہ خاں وغیرہم اور بہت سے اہلسنت اور امامیہ دونوں فرقوں کے لوگ جنازہ کی شایعت میں شریک تھے۔ سید صفدر سلطان نسیر بخشی محمود خاں نے نواب ضیاء الدین احمد خاں مرحوم سے کہا کہ مرزا صاحب سید تھے ہم کو اجازت ہو کہ اپنے طریقہ کی موافق ان کی تجنیز و تکفین کریں مگر نواب صاحب نے نہیں مانا اور تمام مراسم اہلسنت کے موافق ادا کئے۔"

نیز نے سن ۱۳۵۳ھ ۱۳ مارچ رمضان المبارک میں بمقام دہلی انتقال کیا اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ واقع ہمدانی میں مدفون ہوئے۔ مولوی رضی الدین خاں دہلوی نے جو سلسلہ حضرت امیر پنجہ کش میں ایک مثل خوشنویس تھے تیار سچ وفات کی۔

چون ضیاء الدین احمد خاں کیشد رخت از دنیا سوئے دارالسلام  
گفت باقت بارضی سال قفا رز شبنم سپرن شہر صیت ام  
آپ کے دو صاحبزادے تھے نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقب جو نواب صاحب  
کی حیات میں انتقال کر گئے۔ دوسرے نواب سید الدین احمد خاں طالب حنیکا

ابھی تھوڑا عرصہ ہوا انتقال ہوا۔

نیر اگرچہ مرزا غالب کے شاگرد رشید تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا اردو کلام اس پایہ کا نہیں ہے جیسا کہ مرزا کے دوسرے شاگردوں کا ہے۔ مگر فارسی میں وہ اپنے معاصرین سے کسی صورت سے کم نہ تھے۔ افسوس کہ اُن کا کلام اردو فارسی چھپ نہ سکا۔ اور اب کوئی اُمید نہیں کہ طبع ہو سکے۔ نوید انتخاب کلام اردو فارسی یہ ہے۔

چہر کیا گناہ دیدہ خونست بہ بار کا	جسٹ شغل سے دل خویش نہ باز آئے
احسان ہے یہ مجھ پر جسے جسم زار کا	آنکھوں میں اہوس کی کھٹکنا ہوں مثل خار
کہ اس پر سر جوڑ پائیکے قابل	نہ ہے سر بند ہی شہید فاک
یاں خوفِ سخنہ و خطر یا سببان نہیں	جب آہو آؤ دلیں کہ ہے آپ کا مکان

بجز نکھوس کے کوئی گوہر نایاب نہیں	نکے آنکھوں سے وہیں جذب ہے دامن میں
چھتر نشتر کی چلی جائے جو مضرب نہیں	جتنے ہونہ سر لہتے ہی خوں ریز بھی ہو
لیکے گل قبر پر زخشاں کی نہ آیا گیسے	بہاوس اور بھی مریگی کرنیکے خواہش
میراد ہیر مر اگر سببان ہے	سینہ کا چاک کرنا سکھلایا

### کلام فارسی

بیاض صبح مدہ چشم انتظان مرا	بس است طولِ خدایا شبان مرا
ز رسمِ راہ تو لے کا تب ریا مرا	فرشتہ خوش بود عیبِ جے شرم آید

اگر نیامدن دوست ماتے دارد      سفید ہر چہ شد چشم انتظار مرا

دعدہ روز بامیش شبان گاہ بغیر      آہ از تیرگی نالہ روزانہ مرا

پہچانہ در کفہ دلی شاہ در کفہ      بہر خدائے لغزش پائے ایاز صہیت

بخوشم مکن ہرزہ چہ بندی پے قسٹم      بردیدہ در ان عرض کن اقل مکر خود  
چوں آمدہ ایم از عدم یہاں بودا کنوں      پیو دن را ہے کہ بود پے سپر خود

مگر بردے گل امروزی تیز دیدہ کسے      کہ بوئے خون ز فغان ہزار می آید

بعد دعاوی و رع بادۂ ناب آوردند      تا بہ کفہ رشدم طس گر انم دادند

## رعنا مردان علی خان

مردان علی خان نام تھا۔ رعنا تخلص کرتے تھے۔ دلی کپورتھلہ کے مقرب ملازمین میں تھے۔ مرزا صاحب نے ان کو دیکھا نہ تھا بلکہ غائبانہ ملاقات تھی۔ پہلے پہلے جب رعنا نے مرزا صاحب کو اپنی غزل اصلاح کے لیے بھیجی تو سہو سے اپنا پتہ نہ لکھا۔ مرزا صاحب نے غزل دیکھی لیکن چونکہ کوئی پتہ نہ تھا مجبوراً خاموش ہو رہے۔ انھوں نے پھر خط لکھا۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ اس مرتبہ پتہ لکھ دیا ہے تو یہ کہہ کر جواب دیا۔ "صاحب تم نے اب اپنے مسکن کا پتہ لکھا۔ میں نے دوسرے ہی دن جواب روانہ کیا۔" اسی خط میں لکھتے ہیں "منشی نو کشور صاحب یہاں آئے تھے۔ مجھے ملے بہت خوبصورت اور خوش سیرت سعادت مند اور معقول پسند آدمی ہیں۔ تمہارے وہ مدارج اور میں ان کا ثنا خواں۔" ظاہر منشی صاحب کے رعنا مرحوم کے تعلقات اس بنا پر تھے کہ منشی صاحب کے پریر کا سلسلہ ایک وقت میں کپورتھلہ میں بھی تھا۔ ایک مرتبہ رعنا نے مرزا صاحب کے لکھا کہ جفا مذکور بھی مخلص ہے مرزا نے لکھا "بھائی جفا کے مونث ہونے میں اہل لکھنؤ وہلی کو باہم اتفاق ہے کبھی کوئی نہ کہیگا کہ جفا کیا۔ ہاں بنگالہ میں جہاں بولتے ہیں کہ اتھنی آیا۔ اگر جفا کو مذکر کہیں تو کہیں در نہ تم ظلم مذکر بیدار اور جفا مونث ہو بلاشبہ۔"

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ تذکرہ لکھ رہے تھے تو مرزا کر رعنا نے اپنی غزل فارسی بھی مرزا نے لکھا کہ نواب صاحب اردو کا تذکرہ لکھ رہے ہیں فارسی غزل

تم نے بیکار بھی۔ اس کے بعد شاید کوئی غزل نہ آئی۔ کیونکہ تذکرہ مذکور میں ان کا نام نہیں  
 نہیں ہو البتہ مولوی عبدالغفور نسخہ ان سے ملے تھے۔ اور انھوں نے یہ بھی لکھا  
 ہے کہ ”غفر راگ ان کا نظریہ گزرا۔“ ممکن ہے کہ انکی تصنیف ہو۔  
 نمونہ کلام میں صرف ایک شعر ملتا ہے۔

گزار ہے مرانا دل در چرخ کمن سے      تھا روح کا ہندم نہ پھرا جہا کے وطن سے  
 مرزا صاحب نے در کی جگہ (نال دل) بنا کر مہر کو یوں بنا دیا۔ گزرا ہے  
 مرانا دل چرخ کمن سے۔“

## سالک مرزا قربان علی بیگ

مرزا قربان علی بیگ سالک نواب مرزا عالم بیگ خاں کے بیٹے تھے  
 آپ حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ مگر بالاتفاق آپ کی شاعری کا مسقط الراس  
 دلی ہے۔ آپ کی زندگی کا بڑا حصہ یہیں صرف ہوا۔ شعر و شاعری کا ابتدائی  
 عمر سے شوق تھا اور اس فن میں حکیم مومن خاں صاحب مریطی بلوچی کے شاگرد تھے۔  
 اور قربان تخلص کرتے تھے۔ حکیم مومن خاں کے بعد مرزا کو اپنا کلام دکھانا شروع  
 کیا۔ مرزا صاحب نے حکم دیا کہ تخلص بدل دو چنانچہ تخلص بدل کر سالک تخلص  
 قرار دیا۔ ان کے بھائی مرزا شمس الدلی بیگ۔ بھی شاعر تھے اور وہ بھی مرزا  
 کے شاگرد تھے۔ رضوان تخلص تھا اور مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر

ہوا کرتے۔ اور استفادہ کرتے تھے۔

سالک کو مرزا صاحب کی شاگری پر بڑا ناز تھا اور کبھی بھر وہ اس بات پر فخر کرتے تھے۔ مرزا بھی ان کے ساتھ عہد یزاند برتاؤ کرتے تھے اور بزرگانہ نصائح و ظرافت کے انداز میں فرماتے رہتے تھے چنانچہ جب سالک مرحوم کے چچا کا انتقال ہوا تو مرزا صاحب نے لکھا: "میری جان کن اوہام میں گرفتار ہے۔ جہاں باپ کو پیٹ چکا اب چچا کو بھی روئے خدا جیتا لکھے۔ اور تیرے خیالات اور احتمالات کو صورت و قوی دے۔" اس طرح مرزا، راسخ اور خوشی میں ان کے شریک اور مددگار میں شامل رہتے تھے چنانچہ مرزا کے مرنے پر جو مرثیہ سالک نے لکھا ہے اس سے ان تعلقات کا پتہ چلتا ہے جو مرزا کو ان کے ساتھ اور ان کو مرزا کے ساتھ تھے۔

سالک مرحوم کی تعلیم چھ برس کی عمر سے شروع ہوئی۔ اور دہلی ہی میں تعلیم پاتے رہے۔ رفر کے بعد ہمارا چہ شہود ہاں سنگھ والی اور کی سیٹ میں لکھا کرنے لگے۔ دکن میں ان کا قیام اگرچہ بہت زیادہ رہا۔ مگر وہ ہمیشہ دہلی کے شائق رہے۔ دکن کا قیام محض ان کے چچا بہادر خان کی وجہ سے تھا جو اپنے ذاتی اور خانگی جھگڑوں کی وجہ سے دہلی کی سکونت ترک کر کے حیدر آباد چلا گیا۔ چچا نے سالک کے چچا نے نواب ٹالہ میں کی ملازمت کر لی تھی اور وہیں شادی کر کے اپنی سسرال میں رہتے تھے۔ ایسے وجہ سے چچا نے سالک کو بھی ان کے ساتھ لے کر حیدر آباد میں شہداء میں انتقال کیا اور وہ قہر ر بگڑا۔ انہوں نے تاریخ وفات کہی۔ "نواب قربان علی سالک، مرزا شہود ہاں سنگھ"۔



مرئیے بعد ان کے بڑے بیٹے عابد نے اُنکا دیوان موسوم بہ "میںخانہ سالکات" ترتیب  
دیکر شائع کرایا۔ ظہیر اور مجروح۔ زکی آپ کے ہم مشق اور ہم عمر شعرا میں سے تھے  
آپ کے شاگردوں کی تعداد اگرچہ حیدرآباد ہی میں بہت زیادہ ہے مگر دہلی میں یکم  
اسد علی خاں مضطر بہت خوش فکر اور کلمہ شوق مستہوڑ ہیں جو بدتوں آپ کے  
دامن تربیتی وابستہ رہے اور اب بھی ہمیشہ آپ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔  
آپ کے کلام میں معانی فہم سے بڑی نازک خیالی بندش کی جتنی سوز و گداز  
سبھی کہہ موجود ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ذرا سی بہت لے فریاد گیتی سوز لازم ہے

مرد و قائل نہیں ہے دہر کی ناپائنداری کا

ناچا ہوا وادیِ محشر کو روانہ	جس فتنے نے پایا نہیں رشتہ مرگھر کا
وان دخل وہم کا نہ گز رہے خیال کا	اچھی جگہ جو دل کو بھر دےصال کا
جتنی کہ ماسوا کی ٹائش نظر میں ہے	بتلا بنا ہوا ہے یہ دھم خیال کا
وقف ہے ایک دم کا ولادت کے مرگ تک	گر سو برس بھی ہوں تو زمانہ ہے حال کا
ہم سایہ میں ملے ہیں یا لگتے ہی آگ	کچھ روشنی سی ہے پسرو دیوار دیکھنا
قصہ قیس ہے اک حرف فسانے کا مر	میں یہ سمجھا تھا کہ وہ بھی کوئی دفتر ہوگا
ہجوم بلا ہے ہجران نہ پوچھ	تھے کیا جو کہ ہو گیا ہو گیا
ہے خود شکست ہمہ نفرت انھیں مگر	دل توڑنا پسند ہے امید دار کا
دوکان سے فردش پہ سالک پڑا رہا	اچھا اگر گیا رمضان باغِ خوار کا
یہ اور کون تھا جو ترختہ جاں نہ تھا	آتش بکفن تھی کوئی نوحہ خواں تھا

تیرا چپ چپ یہ بیٹھنا سا لاک  
 فرما دمر کے عشق کو دہستہ لگا گیا  
 مانا کہ لبہ ہر خموشی ٹھہرائیں ہم  
 اب ال کیونکر آئیگی دیکھوں  
 قیمت دل چاہئے پوسے کئی  
 کیا کہوں حالت بیتابی میں جواب  
 پائے جاتے ہیں بڑے داغ جگر کے آثار  
 کٹ گئی عمروں ہی حضرت ناصح فوس  
 کچھ تغیر مرے احوال پریشاں میں نہیں  
 اُسکے کوچہ میں جس سالک نے کچھ نالے  
 رگ گم میں بیش عشق ہے اے چارہ گر مر  
 کہوں احوال یاد دیکھوں کر دن کیسا  
 آجاؤ اب بھی لب نہ آجائے اور کچھ  
 یوں فنا کی کہ خود وہ بول اٹھے  
 مرگ عاشق کی منے سب داد  
 نہ پوچھو مجھ سے نالے کو کہ کیا ہے  
 اک طرح کا بیان ہے گویا  
 کچھ خود کشی طریقہ اہل دستانہ تھا  
 دیکھا جواب کون ہمارے سوال کا  
 وہ عیادت کو آئے بیٹھے ہیں  
 آگے جو آئے ترے ایمان میں  
 کئے جاناں میں چلا جاؤں یہ مقدس زمین  
 گرچہ اب تک قریہ کہتے ہیں کہ ناسور نہیں  
 ہم سُنا کرتے ہیں اور آپ کہا کرتے ہیں  
 ایسے عالم میں ہوں جو عالم مکان میں نہیں  
 ہنکے بولا کہ یہ میں ہوں فلک پر نہیں  
 یہ درد وہ نہیں کہ کہیں ہو کہیں نہ ہو  
 قیامت سامنے ہے تم کہتاں ہو  
 شکوہ تمام گردشیں در اس کے ہو چکے  
 کس سنگسار کی وفا تو نے  
 پوچھتے ہیں کہ کیا ہوا آگے  
 شکستہ شیشہ دل کی صد ہے

## سرور چودھری عبدالغفور

مارہرہ ضلع ایٹہ کے رئیس قوم کبوترہ سے تھے۔ اور قریب قریب شہاب الدین غوری کے عہد سے نہیں انکا خاندان قیام پذیر تھا۔ انھیں کے اسلاف بسند پیری مریدی حضرت صاحب عالم کے بزرگوں کو مارہرہ بلایا اور یہاں کی مستقل سکونت پر مجبور کیا۔ مرزا غالب کے نادیدہ مگر عزیز ترین شاگردوں میں تھے۔ قصیدہ باعی غزل سب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ فارسی کی اچھی خاصی لیاقت بہم پہنچائی تھی اور صرف فارسی ہی کے شاعر تھے۔ حضرت صاحب عالم جو مارہرہ کے سجادہ نشین تھے اُن سے خاص تعلقات تھے اور اکثر حاضر باش بہتے تھے۔ بلکہ انھیں کے سلسلہ سے مرزا سے ملاقات ہوئی۔ گو وہ پہلے سے شاعر تھے مگر مرزا کے ہاتھوں انکی شاعرانہ تعلیم پوری ہوئی اور مرزا نے ایسے سلیقہ سے رموز مہر شاعرانہ سے ان کو آگاہ کیا کہ کامل بنادیا اور برسوں کا سبق لفظوں اور ساعتوں میں پڑھادیا۔ چنانچہ ایک مرتبہ صاحب عالم کو جو مارہرہ کے پیر زادے اور معزز درکن ہونیکے علاوہ مرزا کے معتقد اور سچے دوست تھے مرزا نے لکھا کہ اختر اور ممتاز یہ دوگ شاعر ضرور ہیں مگر بے صوفے ہیں کسی خاص روش کے پابند اور جاؤہر تقیم کے سالک اور نہ نور نہیں ہیں۔ صاحب عالم ان لوگوں سے عقیدت رکھتے تھے اُن کو کچھ گراں گزرا۔ اسی دوران میں اتفاق سے عرصہ تک اُن کو خط لکھنے کی مہلت نہ ملی۔ مرزا جی میں کھٹکے کہ بھونہ ہو یہ وہی اختر

و ممتاز والا معاملہ ہے جب خط آئے ہوئے بہت دیر ہو گئی تو مرزا نے سرور کو خط لکھا جس میں فارسی زبان کی شاعری کی تدریجی ترقیوں کا حوالہ ہے۔ لکھتے ہیں ”حضرت صاحب الم مجھے آزرده ہیں اور وجہ اسکی یہ ہے کہ میں نے ممتاز و اختر کی شاعری کو ناقص کہا تھا۔ اس دفعہ میں ایک میزان عرض کرتا ہوں حضرت صاحب الم ان صاحبوں کے کلام یعنی ہندیوں کے اشعار کو قلیل اور واقف سے لیکر بیدل اور ناصر علی تا کس میزان میں تو لیں۔ رودکی و فردوسی سے لیکر خاقانی و سنائی و اوزی وغیرہم تک ایک ایک گروہ۔ ان حضرات کا کلام ٹھوڑی ٹھوڑی تفاوت سے ایک وضع پر ہے۔ پھر حضرت سعدی طرز خاص کے موجد ہوئے۔ فغانی اور ایک شیوہ خاص کا مبدع ہوا۔ خیالہاے نازک و معانیہاے بلند لایا۔ اس شیوہ کی تکمیل کی ظہوری و نظری و عرفی و نوعی نے۔ بھوان اللہ قالب سخن میں جان بڑ گئی اس روش کے بعد صاحبان طبع نے سلاست کا چربا دیا۔ صاحب کلیم و سلیم و قدسی و حکیم شفا فی اس زمرہ میں ہیں۔ رودکی و اسدی و فردوسی۔ یہ شیوہ سعدی کے وقت میں ترک ہوا اور سعدی کی طرز نے بسبب سہل مستح ہونے کے رواج نہ پایا۔ فغانی کا رنگ پھیلا اور اس میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے گئے۔ نواب طرزیں تین ٹھیکرین۔ خاقانی اور اسکے اقران۔ ظہری اور اسکے مہشال۔ صاحب کلیم کے نظائر۔ خالصاً اللہ ممتاز و غیرہم کا کلام ان تین طرزوں میں کس طرز پر ہے۔ ہرے شجرہ فرماؤ گے کہ یہ طرز اور ہی ہے پس تو ہم نے جانا کہ انکی طرز چوتھی ہے۔ کیا کہنا ہے۔ خوب طرز ہے۔ اچھی طرز ہے۔ مگر فارسی نہیں ہے۔ ہندی ہے۔ دار الضرب کا سکد شاہی نہیں ہے؟

مکمال باہر ہے۔ داد۔ داد انصاف۔ انصاف۔

اگرچہ شاعران لغز گفتار      نیک جام اندر در بزم سخن مست  
ولے بابادہ بعضے حرفیاں      خمار چشم ساقی نیز پیوست  
مشو منکر کہ در اشعار این قوم      در لے شاعری چیز نگرست

وہ چیز در گراپیوں کے حصہ میں آئی ہے۔ ہاں اردو زبان میں بعض اہل ہند  
نے دھچپیر پائی ہے۔

بدنام ہو گئے جانے بھی دو امتحان کو (تیر) دکھینگا کون تم سے عزیز اپنی جان کو  
دکھلائیے لیجا کے نکھے مصر کا بازار (سودا) خواہاں نہیں لیکن کوئی دامن جس گراں کا  
قائم اور تجھ سے طلبت سے کی کیونکر مانو (قائم) ہے تو نادان مگر تباہی بد آموز نہیں

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا (مومن) جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا  
ناسخ کے ہاں کمتر اور تہش کے ہاں بیشتر یہ تیز نشتر ہیں مگر مجھے کوئی شعران کا  
اس وقت یاد نہیں آیا الغرض کہ مرزا نے ایک مفصل تاریخ ادوار شاعری کی نہیں لکھی  
جس پر یہ کار بند تھے۔ اسی رنگ میں شعر کہتے اور برابر مرزا صاحب کی خدمت  
میں بھیجتے رہتے تھے۔ مرزا کو بھی ان کی خاطر اتنی عزیز تھی کہ اصلاح میں ذرا دیر تھی  
تو عذر کرتے اور کس نفی کے طور پر شرمندگی کا اظہار کرتے۔

ایک مرتبہ ایام نند کے اختتام پر چودھری صاحب نے مرزا صاحب سے ملنے کے  
دلی آئین کا ارادہ کیا۔ مگر گرمی کا موسم اور پڑا سونہ مان تھا اودن کے چچانے اس سفر  
کو کچھ مناسب نہ تھا۔ اور گرمی کا بہانہ کر کے روک دیا یا انھوں نے یہ حال مرزا کو لکھا۔

مرزا کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو شہر کی تباہی اور دار و گیر پر نظر کر کے اس بات کو بہت ہی  
 منتقم سمجھا اور لکھا کہ "آپ کے چچا نے کرامت کی جو آپ کو منع کیا۔ ڈاک کی سواری  
 پر اگر آپ اس شہر میں آجائے تو ممکن تھا۔ مگر ہنا شہر میں بے حصول اجازت حاکم  
 احتمال ضرر رکھتا ہے۔ اگر خبر نہ تو ہوا اور اگر خبر ہو جائے تو البتہ تباہی ہے۔"  
 اس خط میں مرزا نے یہ بھی لکھا کہ دو تین مہینے بعد میں بھی ماہرہ آؤں گا۔ مگر پھر جانا  
 ہو سکا۔ مگر پھر بھی مرزا انکا پاس و لحاظ بہت رکھتے تھے۔ غدر کے  
 بعد بادشاہ ابو ظفر بہادر شاہ کی مصاحبت کے چرم میں مرزا بھی باغیوں میں شمار  
 کئے گئے تھے۔ اور بتایا گیا تھا کہ سکڑ شاہی کی تاریخ ہمیں نے کی تھی۔ یہ غریب حیران  
 تھے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ تاریخ ذوق نے کی تھی اور ہلی کے اردو اخبار میں مولوی  
 محمد باقر عیسے مولانا آزاد کے والد نے طبع کی تھی۔ مرزا نے یہ سمجھ کر کہ شاید چودھری  
 صاحب کے پاس خاں ہو تو وہ اصل اخبار طبعائے چودھری صاحب کو اس تاریخ  
 کے لیے لکھا۔ اور سمنامہ پر یہ فقرے درج کیے "جناب چودھری صاحب  
 آج کا خط میرا کہہ گا کہ الی ہے یعنی تم سے کہہ مانگتا ہوں" علاوہ اسکے ان کی بات کا  
 اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر وہ دوسروں کے لیے صلاح کی سفارش کرتے تو مرزا  
 باوجود الٹ پیرانہ سالی کے اس حمت ناز و اکبرداشت کرتے مگر ان کو تادم  
 نہ دیتے جیسا کہ بعض خطوط سے ظاہر ہے۔ کبھی دیکھنا تھا اسلئے سمنامہ  
 پر اکثر یہ شمر لکھتے تھے۔

شرط اسلام بود و رزش ایام لایسب  
 جسے تو غایت نظر ہر تو ایمان من است  
 جب سردار نے انشاءے بہار شاہ شہر لکھی تو مرزا نے قطعہ تاریخ کی فرمائش

کی۔ مرزا نے لکھا کہ وعدہ اس لیے نہیں کرتا کہ بے وعدہ ہو چکے گا تو اور زیادہ  
لطف آئیگا۔

بے طلب میں تو مرزا اس میں سوا لگتا وہ گدا جس کو ٹھوٹے سوال اچھا ہے  
اکثر صاحب عالم کی خیریت ان سے اور انکی خیریت صاحب عالم کے  
خطوط سے معلوم ہو جاتی تھی مگر صاحب عالم کے خطوط کچھ ایسے بُرے خط میں لکھے  
ہوتے تھے کہ چودہری صاحب کے پاس واپس کر دیے جاتے تھے اور جب نہ  
صاف لکھ کر بھیجتے تو مرزا پڑھ سکتے تھے۔

سردار کے تعلقات مرزا سے نہایت قدیم اور بہت استوار تھے علاوہ  
مسائل فلسفہ کے دوسرے علوم و مسائل مثل نجوم وغیرہ بھی مرزا سے پوچھتے رہتے  
تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مرزا سے دریافت کیا کہ آفتاب کج حل میں کب آتا ہے  
مرزا نے لکھا کہ تحویل آفتاب بہ حل کے باب میں موٹی بات یہ ہے کہ ۲۲ راج  
کو واقع ہوتی ہے۔ کبھی ۲۱۔ کبھی ۲۳ بھی آپڑتی ہے۔ اس سے تجاویز نہیں ہوتا  
طلوع وقت تجویز درست کرنا بے فن کتب و رسائل علم مکن نہیں میرے پاس یہ  
دووں باتیں نہیں اسی خط میں یہ بھی پوچھا تھا کہ کف الخضیب کیا چیز ہے۔ مرزا  
نے بتایا کہ کف الخضیب صورت چھنی میں سے ایک صورت ہے۔ اس کے  
طلوع کا حال کچھ مجھ کو معلوم نہیں اختر شمسان ہند کو اسکا حال کچھ معلوم نہیں اور  
اون کی زبان میں اسکا نام بھی یقین سے کہہ نہ سکا۔ قبول دعا وقت طلوع بخند  
مضامین شری ہے جیسے کتاب کا پر تو ماہ سے پہلے جانا۔ اور زمرہ سے انکی کا  
اندھا ہو جانا۔ آصف الدولہ نے انکی تلامذہ کر کے منگوایا۔ اور قطعات مرزا

اوسکے حمادی چشم رکھے کچھ اثر نہوا۔ ایران و روم و فرنگ سے انواع کپڑے  
لنگوائے چاندنی میں پھیلائے سکابھی نہیں۔

مرزا کے خستہ وقت تک ایسے ہی تعلقات رہے۔ اور وہ برابر  
سرور کے کلام پر صلاح دیتے رہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب سرور کا کلام  
نایاب ہے سرور کے انتقال کو اب تقریباً ۲۵ برس گزرے ہوئے

## سیاح سیف الحق میاں داد خان

نام میاں داد خان اور سیف الحق لقب تھا جو مرزا  
غالب نے عطا فرمایا تھا۔ جیسا کہ مرزا خود اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں۔  
”یہ جو میں نے سیف الحق خطاب کیا ہے۔ اپنی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا ہے  
تم میرے ہاتھ ہو۔ تم میرے بازو ہو۔ میرے لطف کی تلوار تمہارے ہاتھ سے  
چلتی رہے گی۔“ اصل میں اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر سورت میں  
مقیم تھے۔ آپ کے والد ماجد شی عجم الدین خاں اورنگ آباد کے ذمی مقتدر  
رہیں اور نہایت مشہور و معروف شخص تھے۔ جب سیاح پیدا ہوئے تو دو  
اقبال کی فراوانی تھی عورت اور حشمت خاندانی کا شاہ چمک رہا تھا۔  
مگر افسوس کہ جب تک یہ سن شعور کو پہنچے گردش زمانہ نے وہ سبٹا دیا۔  
اور افلاس داد بار و نکبت نے گھر گھیر لیا۔ مجبوراً انھیں ترک وطن کرنا



پڑا۔ اور سورت چلے آئے اور نواب میر لام بابا خان رئیس اعظم سورت کے  
زمرہ مصاحبین میں داخل ہوئے۔

سیاح خطاب مرزا غالب نے اس واسطے اون کو دیا تھا کہ وہ علاؤ  
مشہور مشہور ہندوستان کے شہروں کے دوسرے ہلاک ایران و عرب مصر وغیرہ  
کی بھی سیر کر آئے تھے۔ چنانچہ ۱۸۶۷ء میں دلی آکر مرزا سے ملاقات کی اور  
عرصہ تک مقیم رہے۔ اور یہی طرح کئی مرتبہ سورت سے دلی تک آئے۔ اس زمانہ  
میں نہ ریل تھی نہ سفر کی اس قدر آسانیاں تھیں گروہ برابر سفر کرتے رہتے تھے  
شعر و شاعری کے نہایت دلدادہ تھے اور ابتدا میں عشاق تخلص  
کرتے تھے۔ مرزا صاحب نے اس تخلص کو بدل کر سیاح تخلص رکھا۔ سیاح کو  
فارسی میں درجہ کمال حاصل تھا۔ اور نہایت بے تکلفی کیساتھ اس زبان میں  
گفتگو کرتے تھے۔ نہایت عقلمند اور حکامدیں تھے بعض لوگ ان کو سرکار می  
جاسوس سمجھا کرتے تھے جہاں کہیں جاتے اور کچھ دنوں وہاں قیام کرتے تو  
مصرعہ طرح خود دیتے اور وہاں مشاعروں کی بنیاد ڈالتے تھے اور داؤ سخن دیتے  
تھے۔ چڑھنے کا ایسا اچھا انداز تھا کہ سُننے والے حو ہوجاتے تھے۔ اور  
ہر مشاعرہ میں یہ اپنا رنگ جمالیتے تھے۔

افسوس ہے کہ ۱۸۷۷ء میں ان کے اوپر مقدمہ قلب سازی میں قائم ہوا  
اور گرفتار ہو کر سزا پایا ہو گئے مرزا سے ان کو اور انے مرزا کو ایک خاص  
خلوص اور انس تھا۔ چنانچہ قاطع برہان کی تائید میں ایک سالہ لطائف بھی  
انھوں نے لکھا ہے۔ جسکی مرزا نے خود تعریف کی ہے اور انھیں لکھا ہے کہ

”ظنا کہ غیبی نے اعدا کی دہجیاں اڑا دیں۔ آزاد مروج کو یہ شبہ ہے کہ یہ مرزا  
ہجی لکھا ہوا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ مرزا جابجا ادن کی لیاقت کی تعریف کرتے  
ہیں اور کہیں ان کو منع کرتے ہیں کہ اب اور کچھ ایسا نہ لکھنا۔ مرزا اسے ان کے  
تعلقات اس درجہ تھے کہ خاص گنگا گت اور دوستی میں بھی نہیں ہوتے۔

مرزا کی محبت کا یہ عالم تھا کہ ان کو نور چشم۔ بر خردار۔ بیٹا کر کے خطاب  
کرتے تھے اور سیاح کا بھی یہ رنگ تھا کہ قلمی۔ مالی غرض کہ ہر قسم کی مرزا کی  
اعانت کرتے رہتے۔ کبھی دبیہ۔ کبھی ہنڈی۔ کبھی کچھ کبھی کچھ برابر بھیتے رہتے تھے  
مرزا کی ملاقاتاً صوری چونکہ پیشتر سیاح کو میسر نہ تھی اس لیے خواہش کی تھی کہ آپ  
اپنی تصویر بھیج دیجئے۔ مرزا نے جواب میں لکھا۔ ”صاحب کیوں اس بڑے  
میں تصویر کے پردے میں کھنچا کھنچا پھروں۔ گوشہ نشین آدمی عکس کے تصور  
اتارنے والے کو کہاں ڈھونڈوں۔ دیکھو ایک جگہ میری تصویر بادشاہ کے  
در بار میں کھنچی ہوئی ہے اگر ہاتھ آجاوے گی تو وہ درق بھیج دوں گا۔“

سیاح نہایت بلند پایہ اور بزرگ شاعر تھے۔ فارسی اور اردو  
دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور ہر وقت کا مشق سخن جاری تھی مگر  
افسوس کہ جقد بران کی شہرت ہونا چاہئے تھی نہ ہوئی۔ آخر کار اسی گوشہ گمانی  
میں ۷۰ برس کی طویل عمر پاکر ممبئی میں شہداء میں انتقال کیا۔ ”سیر سیاح“  
ان کی ایک مشہور تصنیف ہے جس میں اپنی سیر و سیاحت کا حال درج کیا

ہے نونہ کلام یہ ہے

کرتے ہیں یہ باتیں کہ مری جان پہ نہ جا  
بگڑے نہ کچھ اسے ہیں ہٹکا ہٹے ہیں

آئے ہیں عیاد کے لیے غیر کے ہمراہ ساتھ اپنے مریختے کبھی لائے ہوئے ہیں  
غصہ میں ترے چہرہ زیبا سے عیاں ہوا وہ شعلے جو اغیار کے بھڑکائے ہوئے ہیں  
کدو بھل کے میکے میں آ کر مجھ سے ٹوٹنے کے خم ضرور مگر اد کے سر کیا تھ  
ہوتے ضرور تیرے شکار گریہ کیست اکیں قاتل دہان زخم کی گویا زباں نہ تھی

پھر اکرا تا ہوں گرد اُس کے نہیں تاب ہم آغوشی  
میں ہوں تصویر اور وہ شمع فانوس خیالی ہے  
قفس میں گھیرن کی اگر مانگے دعا دلے صدائے خندہ گل آئے فریادِ عنادل

## شاکر مولوی عبدالرزاق

مولوی عبدالرزاق نام تھا شاکر تخلص کرتے تھے اور اپنے نام کیساتھ  
جعفری الحیدری لکھتے تھے۔ اپنے وقت کے مشہور و معروف وکیلوں میں تھے  
مرزا ان کو انشرف الوکلا کہتے تھے اور نہایت عزت کی نظر سے دیکھتے تھے  
علم و فضل میں کامل مانے جاتے تھے۔

مرزا سے شاکر کی ملاقات غائبانہ آخر عمر میں ہوئی جب مرزا اپنے الہام  
جسمانی میں گرفتار تھے۔ قوت حافظہ اور سامعہ نے جواب دیا تھا ایک سیر  
بیجان تھے جو کسی طرف حرکت نہ کر سکتے تھے۔ اسی عالم میں شاکر نے  
اصلاح کے لیے اپنا کلام بھیجا۔ مرزا نے حنفی انکسار کی وجہ سے پہلے

انکار کیا۔ مگر بعدہ لکھا: آپ کا واسطے اصلاح کلام کے رجوع کرنا میری طرف موجب  
نازش کا ہے۔ میرا طریق اس فن خاص میں یہ ہے کہ جو شعر بے عیب بتا ہے  
اُسکو بدستور رہنے دیتا ہوں اور جہاں لفظ کے بدلے لفظ لکھتا ہوں اُسکی وجہ  
خاطر نشان کر سکتا ہوں تاکہ آئندہ صاحب کلام اس کے کلام میں خود اپنے  
کلام کا مصلح ہے۔ اس طبع کے بعد سلسلہ اصلاح شروع ہوا اور متعدد  
غزلوں پر اصلاح دی گئی جبکہ ذکر مختلف خطوط میں موجود ہے اکثر بے اختیارانہ داد  
دیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں "مخمس بعد الاصلاح بھیجتا ہوں۔ حق تو یہ ہے  
کہ شعر آپ کہتے ہیں اور خط میں اُٹھاتا ہوں حسن اتفاق سے اصلاح جس کے وقت  
دوست غمگسار یار و فاشعار علامہ روزگار ختم لعل المتبحرین مولوی مفتی صدیق  
خال صاحب بہادر صدر الصدور سابق دہلی المتخلص بہ آزادہ دام بقا رہ  
وزاد علامہ کہ مجھے ملنے کو غمخانہ پر شریف لائے ہوئے موجود تھے۔ ختم کہ دیکھ کر  
پسند فرمایا حضور کی بلاغت کی تحسین کی۔ عربی مصرعوں کے میرے ساتھ  
شریک غالب ہو کر مرزے لوٹے۔ اور آپ کی شیرینی گفتار کے وصف میں تادیر  
غضب البیان اور رطب اللسان رہے اور مجھے بقدر میری معلوم و بیان  
کے آپ کے صفات حمیدہ سے واقف و آگاہ ہو کر بہت شاد و خوش ہوا  
مبارک ہو۔ نادیدہ اور غائبانہ یعنی محض مشافانہ بہمنائے ملاقات  
عجز و نیاز لکھنے کو ارشاد کر گئے ہیں لہذا میں لکھتا ہوں قبول فرمائیے گا۔"

شاہ کو کہ خود توحید علیہ السلام تھے مرزا کے اکثر شمار کے معنی جو سچ  
میں نہ آتے تھے مرزا نے انکے لفظ چیتے تھے۔ چنانچہ ان شمار کے معانی مرزا نے

انکو سمجھائے ہیں جو ادبی خطوط میں ملیں گے  
 ظلمت کدہ میں میرے شبِ غم کا جوش ہے  
 اک شمع ہے دلیلِ محسوسِ غم و شش ہے  
 متقابل ہے مقابل میرا      ٹک گیا دیکھ روانی میری  
 کارگاہِ ہستی میں لالہ داغِ سا ماں ہے      برقِ خرمنِ راحتِ نگرِ مہمان ہے  
 نقشِ فریادِ سنی کس کی شوخیِ تحریر کا      کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا  
 شوقِ ہرزنگِ رقیبِ رنرِ سامانِ نکلا      قیسِ تصویر کے پرے میں بھی رنرِ نکلا  
 نہیں درِ بیمِ راحتِ جراحتِ پیکال      وہ زخمِ تیغ ہے جس کو کہ دکشا کسے  
 شاکر نے ایک مرتبہ مرزا سے خواہش کی تھی کہ مجھ کو فارسی میں  
 خط لکھا کیجئے۔ مرزا نے جواب میں لکھا: "بندہ نواز فارسی میں خطوں کا لکھنا اپنے  
 سے متروک ہے۔ پیرانہ مسری و ضعف کے صدیوں سے محنت پر دہی و بکر کا  
 کی قوت مجھ میں نہیں رہی۔ حرارتِ غریزی کو زوالِ اداریہ حال ہے۔  
 مضحیل ہو گئے قومی غالب      وہ عناصر میں عتدال کہاں  
 کچھ آپ ہی کی تخصیص نہیں سب دستوں کو جسے کتابتِ رہتی ہے اردو  
 ہی میں نیازِ نامے لکھا کرنا ہوں جن جن صاحبوں کی خدمت میں آگے میں  
 نے فارسی زبان میں خطوط و مکاتیب لکھے اور بھیجے تھے اون میں جو صاحب  
 الی الاکن ذی حیات موجود ہیں اُن سے بھی عند الضرورت اسی زبانِ مرتج  
 میں مکاتیب و مراسلت کا اتفاق ہوتا ہے۔"  
 غرض کہ شاکر اُن بزرگوں اور اُن فاضلوں میں تھے جن کی قابلیت

پراستاد کو بھی ناز ہوتا ہے۔ نمونہ کلام ۵  
 ہیں اپنے گنہ مزیل امید ایمان کہاں ہے ایک ڈر ہے  
 کوئی آتا نہیں گے ترے ہمتا ہو کر ایسے جھٹکے آ یا ہے تو اندھا ہو کر  
 مردم چشم یہ جب آتا ہے ترا بیٹھ جاتا ہر مرے دل میں سویدا ہو کر  
 حرم کی کیلے پیر مغاں کا حکم رشق قاضی کی رہے پیہہ مینا ہو کر  
 ہے تہارا آفتاب آفتاب آسماں دیکھ لو اپنی چلچلی میں حساب آسماں

## شفیق انور الدولہ نواب سعد الدین خاں بہادر

انور الدولہ سید الملک نواب سعد الدین خاں بہادر صولت جنگ  
 فضل الدولہ نواب احمد بخش خاں بنیا کے بیٹے اور ناصر الدولہ بہادر تخلص  
 ناصر کے پوتے وزیر الممالک نواب عماد الملک غازی الدین خاں تخلص یہ  
 کے پردے تھے۔ کدور ضلع کاپلی کے قدیم رئیس تھے۔ آفتاب الدولہ  
 سید امجد علی قلی لکھنوی سے تلمذ رکھتے تھے۔ فارسی کے ذی استعداد اور نہایت  
 مشاق استاد تھے مرزاے غالبانہ ملاقات اور اتحاد تھا۔ مگر کبھی ظاہری ملاقات  
 کا موقع نہ ملا تھا۔ جابنیں کو اشتیاق تھا مگر اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ دو  
 بدر کمال ایک جگہ جمع ہو سکیں۔ مرزا کو ان کے ملنے کی اتنی تمنا تھی کہ دعائیں مانگتے  
 اور کہتے کہ اے خدا جب تک صاحب الم اور انور الدولہ سے نہ مل لوں میری

روح قبض نہ کرنا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بند لکھنؤ کے سفر دراز کی تکلیف محض ان کے  
 اشتیاق ملاقات میں اٹھانی چاہی مگر اتفاق سے پہونچ نہ سکے۔ خود لکھتے  
 ہیں میرا دل جانتا ہے کہ آپ کے دیکھنے کا میں کقدر آرزو مند ہوں میرا  
 ایک بھائی ماموں کا بیٹا کہ وہ ذاب ذوالفقار بہادر کی حقیقی خالہ کا بیٹا ہوتا  
 تھا۔ اور سند نشین حال کا چچا تھا۔ اور وہ میرا ہم شیر بھی تھا یعنی میں نے اپنی  
 مانی اور اس نے اپنی پہونچی کا دودھ پیا تھا وہ باعث ہوا میرے باندہ <sup>لکھنؤ</sup> باندہ  
 آنے کا۔ میں نے سب سامان سفر کر لیا۔ ڈاک میں روپیہ ڈاک کا دیدیا قصد  
 یہ تھا کہ فتح پور تک ڈاک میں جاؤں گا۔ وہاں سے نواب علی بہادر کے ہاں  
 کی سواری میں باندے جا کر ہفتہ بھر رہ کر کاپی ہوتا ہوا آپ کے قدم دیکھتا  
 ہوا سپیل ڈاک دئی چلا آؤں گا۔ ناگا۔ حضور والا بیمار ہو گئے اور مرض نے  
 طول کھینچا۔ وہ ارادہ قوت سے فعل میں نہ آیا اور پھر مرزا ازیک خاں میرا  
 بھائی مر گیا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ واللہ وہ سفر اگرچہ بھائی کی  
 استدعا سے تھا مگر میں نتیجہ اوش شکل کا آپ کا دیدار سمجھا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ  
 معلوم ہوا کہ ازالدولہ بیادین مرزا انکو لکھتے ہیں "مزاج کی ناسازمی موجب تشویش و  
 ملال ہوئی۔ اگرچہ حضرت کی تحریر سے معلوم ہوا کہ مرض باقی نہیں مگر ضعف  
 باقی ہے لیکن تسکین خاطر منحصر اس میں ہے کہ آپ بعد اس تحریر کے ملاحظہ  
 فرمائیں کہ اپنے مزاج کا حال پھر لکھیں۔"

مرزانے انکو ایک مرتبہ اپنا ایک قصیدہ بھیجا۔ اتفاق سے جواب ملنا  
 دیر ہوئی۔ مرزا سے نہ مل گیا۔ ایک خط لکھا اور اس میں شوخی کی کہ انور الدین

بھی پھڑک اُٹھے۔ اُمید گاہ کی بجائے کاف فارسی کا ایک مرکز اڑا کر کاف  
تازی بنایا اور اُمید گاہ لکھا۔ اور الدولہ اس رمز کو سمجھ گئے۔ جواب میں اس کا  
ذکر کیا۔ مرزا نے لکھا کہ ”امید گاہ بکاف عربی از راہ شکوہ لکھا۔ تو کیا گناہ۔ نہ خط کا  
جواب نہ قصیدہ کی رسید۔“

دیریں شگلی پرش از من، جوئے بود بندہ خستہ گستانِ گوئے  
اور یہ جو آپ لکھتے ہیں کہ ان مولف کی وجہ سے میں قصیدہ کی تحسین نہ لکھ سکا  
بندہ بے ادب نہیں حسین طلب نہیں۔ ایسے مجمع میں محشور ہوں کہ سوائے  
احترام الدولہ کے کوئی سخنداں نہیں۔ یہ جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں گے یا  
آپ اپنے پراحسان کرتا ہوں۔

دائے برجان سخن گر بہ سخنداں نرسد

ایک مرتبہ عجیب لطیفہ ہوا۔ اور الدولہ بہادر نے اپنے خط کے سر  
پر محمد دم نیاز کیشاں لکھا تھا چٹھی سہاں نے کیشاں کو کپتان پڑھا۔ مرزا کے  
داروغہ کو خط دیکر کہا کہ ڈاک کا ہر کارہ بندگی عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مبارک  
ہو آپ کو جیسا کہ دتی کے بادشاہ نے زبانی کا خطاب یا تھا اب کاپی سے  
خطاب کپتانی کا ملا۔ مرزا حیران ہوئے۔ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے۔ کجا کپتانی  
کجا غالب آخراز کھلا تو از راہ بے تکلفی یہ لطیفہ نواب صاحب کے لکھ بھیجا۔  
با اینکه ملاقات غائبانہ تھی۔ مگر نہایت بے تکلفانہ تھی خطوں کے دیکھتے

معلوم ہوتا ہے کہ دو ہم سن ہم نوالہ ہم پیالہ دوست با ہم مذاق میں مصروف  
ہیں جیسا کہ اس خط کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔ پیرو مشرد ۱۲ بجے تھے مین



ننگا اپنے پٹنگ پر لیٹا ہوا حقہ پی رہا تھا کہ آدمی نے اگر خط دیا میں نے کھولا پڑھا۔  
 بھلے کو انگر کھایا کرتے گلے میں نہ تھا۔ اگر ہوتا تو میں گریبان پھٹا رڈا اتنا حضرت  
 کا کیا جاتا میرا نقصان ہوتا کیس لکھتے ہیں کہ میرا محمد علی سے میری خطامعات  
 کرایے میں اس میں رشوت دینے کو بھی تیار ہوں۔ کہیں لکھتے ہیں کہ حضرت بہت  
 دنوں سے امجد علی صاحب کچہ حال معلوم نہیں۔ دن کے تخلص نے جھکو حیران  
 کر رکھا ہے یعنی قلع میں مبتلا ہوں غرض اسی قبیل سے بہت سے فقرے مذاقہ  
 اور بہت سے حیلے فراہم لکھ جاتے۔ مگر کیا مجال کہ کہیں مرتبہ سے کم کوئی بات ان  
 پر آئے یا متانت کے خلاف کوئی جملہ نکلے۔

اگرچہ خطوں سے بھی معلوم ہوتا ہے اور تذکرے بھی اس بات پر متفق ہیں  
 کہ نواب صاحب سبقت سے صلاح لیتے تھے مگر مرزا کے خطوط سے پتہ چلتا ہے کہ  
 مرزا کی ملاقات کے بعد یہ اپنا کلام بغرض صلاح مرزا کے پاس بھیجتے تھے اور  
 مرزا انکسار کی راہ سے غدر کرتے تھے مگر ایک آدھ جگہ صلاح بھی دیتے تھے چنانچہ  
 ایک جگہ لکھتے ہیں "قصیدہ کو بار بار پڑھا اور غور کی جس طور پر ہے اس میں گنجائش  
 صلاح کی پائی یعنی لفظ کی جگہ لفظ بالمرادف لانا صرت اپنی دست گماہ کا اظہار ہے  
 ورنہ کوئی لفظ بے محل اور بے موقع نہیں۔ کوئی ترکیب ایسی نکال باہر نہیں۔ مگر  
 اس طرز گفتار کا بدلنا۔ اس کے واسطے چاہئے دوسرا قصیدہ اس زمین میں ایک  
 اور لکھنا۔ اور وہ کلفت بار دہ ہے بلکہ شاید حضرت کو یہ منظور بھی نہ ہو پس شرم کھنڈتی  
 سے دلشیں اور فرط خجلت سے سرور پیش ہو کر قصیدہ کو اس لفافہ میں بھجتا ہوں  
 خدا کرے مورد عتاب نہوں۔ ایک جگہ تہذیب کیساتھ صلاح بھی دیتے ہیں۔

”کیا میں سخن ناشائستہ یا انصاف ہوں کہ ایسے کلام کے حاکم صلاح پر جرأت کروں۔ چہ حاجت بشارتہ رویے زیبارا۔ ہاں ایک جگہ آپ تحریر میں ہو کر گئے ہیں۔ اے مطرب جادو فن باز مرہ ہوشم زن۔ دویم آپڑے ہیں ایک نیم محض بیکار ہے۔ دیگر کی جگہ آپ باز مرہ لکھ گئے ہیں۔ اے مطرب جادو فن دیگر مرہ ہوشم زن

مگر باوجود اس کے بھی مرزا انکا پایہ سخن گوئی سخن فہمی نہایت عالی جانتے ہیں اور انکو شعر گوئی کی ترغیب دیتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں ”کہ ہائے کیا غزل کھی ہے قبلہ آپ فرسی کیوں نہیں کہا کرتے کیا پاکیزہ زبان ہے اور کیا طرز بیان ہے“ یا ”میں جو اپنا کلام آپ کے پاس بھیجتا ہوں گویا آپ اپنے پراحسان کرتا ہوں۔“ نواب صاحب کے اعتقاد کا بھی یہ عالم ہے کہ روزانہ مسائل علمی پتھر پتھر میں لکھ کر علی بابہ لکھی لکھی بخیم کیمبی لکھتے اور مرزا ابے کھفانہ بتاتے ہیں۔ نواب صاحب مالی امداد بھی کرتے ہیں مرزا اسکو خوشی سے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی ہے کھفانہ اور دوستانہ مراسم جو بھر جا رہی ہے۔ نوٹہ کلام ہے

پر کا لہ ایک میرے دل پاکباز کا	سروایہ دکاں ہے ہر سینہ ساز کا
ٹھوکر میں کھاتا ہے میرا کاکے شرکات	بعد سر کشتے کے بھی اک در سر پیدا ہوا
بعد مردن بھی نہ دیکھا اٹھ میری خاک	رہا ہوتے ہی ہوا سے ابر تر پیدا ہوا
کریں امید وفا خاکسار اہل محفل سے	صرحی نے کی جو رونے لگی اٹھ ہنسا
آرزو دگی نہ لے شوق شہادت نکلی	خست جانی سے مری خنجر قاتل ٹوٹا
کیوں فریب زندگی پر کھائے آفت میں	مچکو آتا تھا سمجھ کر عالم اسباب میں

گوئے بیتے ہیں تعلیم مجھے ہرزہ گردی میں کہ آندھی میں ہوں یائے جنوں کی خاک اڑائے ہیں  
یاد ہے چشمہ خنجر کی روانی مجھ کو کہ دیانے میں کس لطف سے پانی فکرو  
ہم سبک روح ہے جانب گلزارِ علم سیرستی کی مبارک ہو گرا نجانوں کو

## شہینہ نواب مصطفیٰ خان شہینہ آباد

میر مصطفیٰ خان نام تھا عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہا  
مظفر جنگ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ آپ کے والد ماجد نے لارڈ لیک  
کے ساتھ رہ کر بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ جبکہ صلے میں ہوڈل پول کا علاقہ  
جاگیر میں ملا۔ جہانگیر آباد کا علاقہ خود انھیں کا خرید کر وہ تھا جو اتناک اون کے اٹھلا  
کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔ نواب مصطفیٰ خان سالہ مطابق شہینہ کو بھقام  
دہلی پیدا ہوئے۔ سن شور کو پہونچکر تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کی۔ آپ کی تعلیم  
کے لیے رسم نامانہ کے موافق وہ بہتر سے بہتر سامان فراہم کئے گئے جو ایک مقتدر  
رئیس کے لیے کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد نور اور مولوی کریم اللہ مرحوم  
جو نہایت مشہور محدث تھے۔ آپ نے عربی تعلیم پائی اور فقہ حدیث منطق  
و دیگر کتب درسیہ سے فراغت حاصل کی جب حج کو تشریف  
لے گئے شیخ محمد عابد سندھی مشہور محدث سے حدیث و  
سند حاصل کی۔ آپ کا قیام زیادہ تر اپنے علاقہ جہانگیر آباد میں رہتا تھا۔

مگر دہلی میں بھی برابر شریف لاتے۔ اور یہاں کے بالکالوں کے مجمع میں شریک ہوتے رہتے تھے۔ اور بسبب علم و فضل کے اپنے امثال و اقران میں نہایت ممتاز شمار کئے جاتے تھے۔ ہنگامہ غدر کے بعد آپ پر بھی بناوٹ کے الزامات قائم ہوئے اور سات برس کی سزا کا حکم ہوا۔ مگر جس سے بے تصور ثابت ہوئے اور بالکل بری کر دیے گئے۔ پھر سب عمر تک نہایت اہلانہ زندگی بسر کر کے شہید اللہ میں انتقال کیا۔

شعر و شاعری کا ابتدائے عمر ہی ذوق تھا۔ جیسا کہ خود اپنے تذکرہ گلشن بنیاد میں لکھتے ہیں۔ "فقیر از آدان صبا بایں شغل منوط بودہ و اکثرے عمر گرامی از ارکھاں داد" فارسی دارد و دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔ اردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے۔ اردو کلام پر حکیم مومن خان سے اور فارسی میں مرزا غالب سے صلاح لیتے تھے۔ جوانی تک پیشغلہ نہایت زور دینے لگا۔ اور برابر دلی کے بالکالوں کے مجمع میں شریک ہوتے غزل سرائی کرتے اور داد سخن دیتے تھے۔ خود بھی مجلس مشاعرہ کا اتفاق کرتے تھے مگر جب سے کہ حج کیا۔ اور شاہ مجر سہا قی صفا بیعت کی اسوقت سے شغل بہت کم ہو گیا تھا۔ نہ ہیبت کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ مگر پھر بھی تفنن طبع یا احباب کے صرا سے کچھ نہ کچھ فرماتے رہتے تھے۔ البتہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب، محدث اہلوی سے تجدید بیعت کی اور علقہ شاعری میں داخل ہوئے تو اسوقت ذوق شاعری رہت کی برابر ہو گیا تھا۔ اور تصوف اور مذہبیت کی طرف بلوری توجہ تھی۔

مرزا غالب سے آپ کے تعلقات اول اول صرت بحیث دوست تھے۔ مگر آخر

میں جب اس سب سے کم مومن خاں کے بعد اردو فارسی کلام میں مرزا سے مشورت کرنے لگے تو ترتیب طرہ و خلوص اور بھی بڑھ گیا تھا مرزا کی نظم و نشر کے ایک زبردست قدر داں تھے چنانچہ مرزا کا ایک خط پہنچا تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں

لے از نفس خامہ رشیکین رقم تو  
نسرین کدہ و جیب بغل باد صبار  
بور و د والا نامہ والا آمود بانشر نثرہ نثار و اشعار شمری شمار اندازہ اعتبار  
خویش برگ رقم و حد مرتبہ نظم و نشر دہستم اس مینہ را بیکسایم نور انباشت  
و این دل را بیک سحر فروغ شیدا آگین ساخت آن بے خود شوق منود و این سستی  
دانش افزود بر آن سرم کہ پارہ از وصف ہمایوں نظم و نثر تم کتم کہ عمر  
سخن فراخ و طبع من چالاک دے رسم کہ کیش اغراق گوید و دیگر کیش غلو خوا  
و ندانکہ اگر ہر ماہ و ماہ گفتہ شود چہ غلو کہ ام اغراق تواند بود گل را رنگینی و  
بوسے ہست دل را اثر و دزدتے اگر آچہ دران ست بر لب یچہ رنگفت نماید  
بالجلا از طرز شاعرانہ میگزردم کہ چنین نیرنگی احتمال با بادست سخن سادہ و بیرنگ  
میگزاردم

اسی رقمہ میں آگے چکر مرزا کا عرفی اور طالب کے مقابلہ کرتے ہیں اور عرفی کی غزل پر کوئی غزل یا قصیدہ پر قصیدہ دیکھ کر فرماتے ہیں۔

"طرقہ ادب و جلسہ دربار گاہ مبداء فیاض نصیب نجات بلند حضرت  
است کہ نہ ہیں کیرہ کہ صدرہ دیدہ ام۔ نشر بیتان دیگر و شریف دیگران دیگر۔  
عرفی و طالب را درین زمین نطنے است ہم شمار انطنے ایس دیگر است"

اُس دیگر سیرابی معنی درغن غنی مسلم است دے لفظ شگفتہ کو شادابی الفاظ اور  
گفتار طالب بجا است اما معانی تازہ کیا۔ ہانا چین نغز گوئی وادارہ بنی خوش  
صاحب قنادہ است بس خوش گفتہ است ۵

کم افتد چنین نکستہ پرواز کم کہ ناگہ زند لفظ و معنی بہم  
ایک جگہ مرزا صاحب کے دیکھنے کے آرد و منہ ہیں اور طلب جاب کے لیے  
فیقے لکھتے ہیں ”طبع حریص است کہ سخت گلہ از درد و درمی سرد و دے  
خالی کند اما بے بے نسبت است چہ آنجا کہ مجرد رقم بنی در بیم و امید دارد  
ایں بالیہ جرات دانی پرواز کیا خیزد ۵

حسرتی تو نامہ آرائی دین پانچ طلب زود و بر بال کہوتر بند مکتوب مرا  
مرزا صاحب کو بھی شیفہ کی قابلیت کا اعتراف ہے اور انکوں سے

عزیز رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں ۵  
غالب حسرتی چہ سراہیم کہ در غزل چون او تلاش معنی و مضمون نکرده کس  
اُس ہمارے تیز پرواز کم بال در ہوائ مصطفیٰ خاں میزنم  
غالب فن گفتگو ناز و بدیں از زش کہ اد  
نہ زشت در دیواں غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نگزد

اسی طرح اور بھی مختلف مبالغہات اس قسم کے شعر پائے جاتے ہیں۔ مرزا کی محبت کا یہ عالم  
ہے کہ جب یہ سنتے ہیں کہ ذاب مصطفیٰ خاں مانوڈ ہو گئے۔ حسرت کرتے ہیں  
افسوس کھاتے اور کہتے ہیں کہ ہائے وہ ناز پر وہ قہید سخت کیونکر برداشت کر گیا۔  
جب ہائی کی خبر سنتے اور معلوم کرتے ہیں کہ میٹھ میں آگئے ہیں اور وہیں

ایک مکان لیکر مقیم ہیں تو فوراً ڈاک میں سوار ہو کر میرٹھ بھجلا دیتے جاتے ہیں اور جب تک اپنی آنکھوں سے شیفتہ کو دیکھ نہیں لیتے صبر نہیں کرتے دوستوں سے بار بار انکا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اردو کے معاملے کے بہت سے رفقوں سے اسکا پتہ چلتا ہے شیفتہ کی لکھنؤ کی ادویں دیتے ہیں کہ برابر اپنی غیبت انکو بھیجتے رہتے ہیں۔ نواب صاحب کو گلشن بنیاد کی تقریظ کے لیے لکھتے ہیں قمرزا صاحب کہتے ہیں کہ ابھی فرصت نہیں لیکن لکھنؤ کا اور جلد لکھنؤ کا پھر کہتے ہیں کہ تذکرہ کے اجراء واپس کرنا ہوں اور ڈرتے ڈرتے ایک بات لکھنا ہوں اپنے گزشتہ دوست کا حق دوستی ادا کرنا ہوں۔ مرزا احمد بیگ خاں ابن آدمی بیگ خاں برادر نواب احمد بخش خاں کا حال رہ گیا انکا تپاں تخلص تھا گلگتہ کے رہنے والے تھے۔ چار برس ہوئے کہ انتقال کر گئے انھوں نے آپ کے تذکرے کے لیے کلام بھی دیا تھا۔ مگر نواب میر محمد خاں سرور کی غفلت سے کلام ضائع ہو گیا۔ اب اگر کچھ مل سکے تو ان کے لڑکے احمد خاں منگل پور سے نہیں ضرور درج کر دیجئے مجھے احسان ہوگا۔ ایک جگہ نواب کے بیٹے ہوئے آموں کا شکر یہ ادا کرتے ہیں۔ کہیں ادن کے دوسرے عطیوں پر مدحت سر ہوتے ہیں کہیں غزلیں منگاتے ہیں کہیں خود جہانگیر آباد ملنے جاتے ہیں غرض کہ ہر طرح سے دوستی اور اتحاد کے اداسے حقوق میں مصروف رہتے اور اس غرض سے تکلیف کو نبھاتے ہیں۔

شیفتہ نہایت تشرع پابند صوم و صلوٰۃ صالح بزرگ تھے بے شک اور عملی شغال میں اپنا وقت صرف کرتے رہتے تھے ایک دن اردو۔ ایک

دیوان فارسی۔ ایک تذکرہ موسوم گلشن بنجارہ ایک سفر نامہ سچ جس کا عربی نام ترغیب الکمل الحسن المسالک اور فارسی نام رہ آور دہے۔ آپ کے یادگار ہیں

اردو و فارسی دونوں زبانوں کی شاعری میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ فارسی کی نسبت مولانا حالی کی رائے ہے کہ مرزا کے بعد ان کے معاصرین میں سے کسی کی غزل اُن سے لگا نہیں کھاتی یہ تنقید میں انکا وہ درجہ ہے کہ ان کے داد نہ دینے سے شاعر کی نظر میں خود اپنا شعر بے وقعت ہو جاتا تھا دونوں زبانوں کا نمونہ کلام یہ ہے۔ کلام اردو

شکل مانند پری اور ایسوں وفا آدنی کا نہیں مقدور بجا نادل کا  
شیفتہ ضبط کردیسی بھی کیا تباہی جو کوئی ہو ہمیں احوال شانادل کا  
شیشہ مار شکوہ کو بالائے طاق رکھ کیا اعتبار زندگی مستعار کا  
اے مرگ اگر میری بھی رہیجا آبرو رکھا ہے اُن سے سوگ عد کی وفات کا  
کون کتا ہے کہ ظلمت میں کم آنا نظر جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب بھرت دکھا  
یار کو محروم تماشا کیا مرگنا جانتے یہ کیا کیا

سب باتیں نکھیں کی ہیں میر سج بولی تو کتا کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا  
مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنساں جوانی میں کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں  
شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی  
شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر (ق) دینداری و پارسی کی

اب وہ یوں بہت پرست ہو چکا شان ہے تیری کبر لائی کی  
نجل ہوں آپ میں بے دقت اپنے اپنے تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمناکھے



وہ شیفہ کہ دھوم تھی حضرت کے نہدی میں کیا بتاؤں رات مجھے کسے گھر طے  
پڑے صبر کرام کی جاں پر مری جان بے صبر بتیاب کا

### کلام فارسی

دشمن و فوجانی اذین دل گزشتیم از ما سلام گوید پیران پار سارا  
خندہ چہ خوش شیوہ ہیبت از پیش قہر عتاب لذت دیگر بود ز خشم ناک سودا  
ایں لالہ کہ رست از گل ما داغے است کہ بود بردل ما  
کار بہت نہ باندا زہ طاعت باشد مرغ بعل شد لہم مسر پر دازے بہت  
ز شر و شر دران احسن سخن میرفت بہ عشوہ گفت کہ یک فتنہ از خرام من است  
جانم لب بید و چشم براہ تست دارم ز عمر رفتہ اُمید و فشا ہنوز  
یا فلک آدم نداند غیر را یا حدیث مردم آزاری غلط  
گر پایے نازین تو ز بجد میا میا از دور بر جنازہ مومن نہ ساز کن  
خوش آید کم کہ ہجوم شکوہ تلخے زیر لگن تو بر خیزی ز ناز و حسرتی درد من کو پڑ  
ایںہا کہ می کنی تو بہن من کنم بہ او گردانے کہ با تو مرا آشنا کہ کرد  
باسادگان خویش فانی تو ان نمود دل بر اُمید وعدہ فر دہانہ اند  
بیا و طاعت مقبول را بعینہ مبار خلل بہ کار دعا ہائے تجاب انداز

## صاحب عالم ماری

حضرت پد صاحب عالم قصبہ مارہر ضلع ایمہ کے ایک نہایت  
فاضل متبحر اور کامل دانشور تھے آپ کے بھائی حضرت شاہ برکت اللہ  
التوفی ۱۲۲۰ھ ایک نہایت ہر دست صوفی صافی اور متراض تھے ان کے  
انتقال کے بعد اُمراء وقت نے ان کے مراد پر ایک گنبد خاتمیر بنوائی جو  
اس وقت تک درگاہ برکاتید کے نام سے موسوم ہے۔ شاہ صاحب صوف کے  
دو صاحبزادے تھے جنہوں نے ان کے انتقال کے بعد جدا جدا درجہ سجاد  
قائم کیے اور اُسی وقت سے دو خانقاہیں قائم ہوئیں اور جب قدر جائیدادیں  
شاہان وقت سے ملی تھیں وہ ان دونوں خانقاہوں پر تسلیم ہو گئیں اور آدمی بھی  
ہر ایک کے حصہ میں آئیں۔ ان خانقاہوں میں ایک کا نام سرکار کلاں اور دوسرا  
کا نام سرکار غور تھا حضرت صاحب عالم سرکار غور کے سجادہ نشین  
تھے۔ آپ کا سنہ ولادت ۱۱۲۰ھ ہے۔ ایک مرتبہ مرزا غالب نے سنہ ولادت  
دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا کہ میرا سنہ ولادت تاریخ کے لفظ سے نکلتا ہے  
مرزا کے پاس جب یہ خط پہنچا تو انہوں نے اپنی خدا داد ظرافت کی وجہ سے  
یہ شعر لکھ کر بھیجا ہے

ہاں غیب نشین کیوں چنیا      ادنیٰ تاریخ میرا تاریخ  
اس لفظ تاریخ سے مرزا کا سال ولادت ۱۲۱۰ھ نکلتا ہے۔

صاحب عالم ایک نہایت زبردست فاضل اور تبحر عالم تھے  
عربی و فارسی کے بے مثل جاننے والے۔ اور علاوہ علوم تصوف و شغال درویشی  
کے شعر و شاعری کے بھی دلدادہ تھے۔ چار دیوان شاعری عاشقانہ اور ایک  
دیوان نعتیہ مختلف تنویر اور نظمیں ان سے یادگار ہیں جو هنوز طبع نہیں  
ہوئیں اس پر بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا پورا کلام محفوظ نہیں ہے ممکن ہے کہ اور  
کچھ ہو جو دستبرد زمانہ سے غارت اور برباد ہو چکا ہو۔

آپ کی ابتدائی تعلیم فرخ آباد میں ہوئی اس کے بعد مدرسہ ہر رہرو میں  
قیام رہا مرزا غالب آپ سے سن میں ایک برس چھوٹے تھے مگر تعلیمات  
برادرانہ اور دوستانہ تھے۔ آپ کا بھی یہ عالم تھا کہ مرزا سے ملاقات  
کے متمنی رہتے تھے اور ہمیشہ چشم برآتشِ رفیق گرمی تھے۔ اور مرزا کا  
بھی یہ رنگ تھا کہ ایک ایک لفظ سے عقیدت اور خاص محبت کا اظہار ہوتا  
ہے تبہنی کا تقاضہ ہے کہ ادب کے ساتھ ظرافت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے  
اور اپنی ستم ظریفی کے زور میں فقے کے فقے ظرافت کے کھتے چلے جاتے  
ہیں۔ چودھری عبدالغفور مسرور کہ خط لکھتے بیٹھتے ہیں تو صاحب عالم کا  
دھیان لگا ہے پو پو پو پو خطوں میں روئے سخن صاحب عالم کی طرف  
ہے۔ اگر کچھ دنوں مرسلت میں دیر ہوتی ہے تو بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور انکو  
کہتے ہیں چودھری عبدالغفور مسرور کو کہتے ہیں اور جواب لگا کر سطر بہ سطر  
صاحب عالم کا خط لکھیٹ اور کیسٹڈر بیڑ تھا اور کہیں آد کو نظر انداز  
فرماتے تھے کبھی سطر قطع نہیں کبھی دو اسٹ خراب کبھی سیاہی بھیگی کا غدا

کہ حرف لکھا اور ادھر سے ادھر پھوٹ نکلا۔ مرزا ایک تو خوش خط۔ دوسرے نازک مزاج۔ ان بھلا یہ تاب کہاں کہ گھنٹوں بیٹھ کر پڑھیں غور کریں حرف نکالیں۔ دینی زبان سے صاحب عالم سے استرار کر لیا کہ خط کا مضمون بتائیں تو وہ مگر لکھیں چودھری صاحب۔ کچھ دن کے بعد شاید یہ دستور العمل قوت پکڑ گیا صاحب عالم نے پھر اپنے ہاتھ سے خط لکھ کر بھیجا۔ مرزا حیرت زدہ ہوئے جس سے چودھری صاحب کی یہ لکھا کہ ”اے حضرت صاحب کیندرست میں عرض کیا تھا کہ جو کچھ لکھیں وہ بقلم چودھری صاحب لکھا جائے حضرت نے نہ مانا اور پھر عبارت بدست خط خاص لکھی۔ واللہ! نہ مجھے اور نہ کسی سے پڑھی گئی۔ ناچار آپ کا خط پھر آپ کو بھیجتا ہوں حضرت سے کچھ نہ فرمائیے گا۔ مگر اس عبارت کو اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیجیے گا ضرور اور جلد! ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔ ”یہ خط ناچار اور خط اڑا پس بھیجتا ہوں واسطے خدا کے میرے سر پر درشد کے ارشادات کو ایک اور کاغذ پر اپنے ہاتھ سے نقل کر کے بھیج دیجئے تاکہ چھ بد نصیب کو معلوم ہو کہ حضرت نے کیا لکھا ہے۔“ مگر باد جو اسکے آداب پاس دوستی و برادری اس قدر ملوث ہے کہ ہمیشہ تاکید رہتی ہے کہ کہیں صاحب عالم کو خبر نہ جائے عقیقت کا یہ عالم کہ عالم تصور میں تحریر کو تقریر بنا کر چودھری عبد الغفور سے کہہ رہے ہیں ”جناب چودھری صاحب آؤ ہم تم حضرت صاحب عالم کے پاس چلیں اور نکلتیں اذن کے کھن پاپے مبارک ملیں میں سلام کروں گا تم معرفت ہونا کہ غالب ہی ہے۔ اہل بی بی میں آپ کی دیکھا طالب ہی ہے۔ میں نے عزم قدم پوری کیا حضرت نے مجھے گے اگایا“

چونکہ فیما بین ملاقات صورتی نہ تھی۔ لہذا ایک خط میں شاہ عالم (خلعت  
جناب صاحب عالم) کو لکھتے ہیں۔ "یارب جب تک صاحب عالم کو ماہرہ  
میں اور انور الدولہ کو کالپی میں نہ دیکھ لوں میری روح کو قبض کا حکم نہ ہو" ایک مرتبہ  
صاحب عالم کو مرزا کے ماہرے آنے کے ارادے کی اطلاع ملی بے چین  
ہو گئے اور لکھا کہ روز روانگی سے مطلع فرمائیے۔ مرزا نے جواب میں لکھ بھیجا۔

"حضرت کو کس راہ سے میرے آنے کا انتظار ہے۔ میں نے مرشد زادے کے  
خط میں کب اپنا عزم لکھا۔ یا کس نے آپ سے میری زبانی کہا کہ آپ روز روانگی  
کے فتر سے اطلاع چاہتے ہیں۔ ہاں آپ کی قدم بوسی کی تمنا اور انور الدولہ  
کے دیدار کی آرزو سے زیادہ ہے اور ایسا جانتا ہوں کہ یہ آرزو گروں میں  
لیجاؤنگا اور اتفاق سے یہی ہوا۔ آخر تک ملاقات ظاہری نہ ہو سکی۔ دو دو  
جانب سے اشتیاق رہ گیا۔

صاحب عالم نے ۱۲۸۵ھ میں بمقام ماہرہ ۲ ماہ محرم الحرام  
انتقال کیا اور گنبد درگاہ میں حضرت شاہ برکت اللہ کے پسوے  
چپ میں مدفون ہوئے۔ آپ کے اخلاف میں جناب بن ماہرومی ہیں جو ایک  
مشہور شاعر وادیب ہیں اور انھیں سے اکثر یہ حالات معلوم ہوئے۔

## عزیز مرزا یوسف علی خاں

یوسف علی خاں عزیز بنادوس کے رہنے والے تھے مگر پسوے ملازمت

دہلی میں قیام تھا اور اسکول میں پڑھاتے تھے۔ مرزا کے شاگردوں اور عقیدتمندوں میں تھے۔ خود نقاد کامل تھے چنانچہ انیس و دہیر کے مرثیوں میں بہت سی غلطیاں انھوں نے نکالی ہیں۔ ان کے نام کا ایک خط پایا جاتا ہے جس میں انھوں نے مرزا سے اون کا کلام مانگا ہے اور مرزا نے جواب میں لکھ دیا ہے کہ میرا کلام میسرے پاس نہیں ہے تلفظ ہو گیا۔ اگر میرے کلام کا اشتیاق ہے تو مطبع مفید خلافت سے دستبنو سنگا کر دیکھ لو۔ اگرچہ عزیز کا کلام زیادہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ مگر انھیں دین شعروں سے جمل سکے انکی جودت طبع کا پتہ چلتا ہے۔

بدطالسی سے نیک نہوگا مال کار	بگڑی میں کوئی کام بنایا نہ بکے گا
ناصر کی ناتوانی میں ہم سنے کیا کریں	سران کے اتار سے اٹھایا نہائیگا
ہم یہ کہ اپنی موت کو تم بن طلب کریں	تم وہ کہ ہم کو تم سے بلایا نہ جائے گا

## علانی۔ نواب علاء الدین احمد خاں جاگیر دار تھا

نواب علاء الدین احمد خاں نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے تھے جو اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد ریاست لوہارو کے مندر نشین ہوئے۔ عربی فارسی کے ماہر اور شعر و شاعری کے دلدادہ تھے ادنیٰ کو شعر میں حبیب و شاعر کی کا ذوق دیکھ کر تو مرزا نے نیمی تخلص تگزیر

کسی اندھوں نے اول اول تو کچھ نہ کہا مگر پھر مرزا کو لکھ بھیا کہ نیسی کی تصحیف چسپی سے ہو سکتی ہے لہذا اسے ہدیے مرزا نے لکھا کہ تمہارا تخلص تو بہت اچھا ہے چسپی کو بہ تخلص دوسکا مصحف کیوں ٹھکراؤ۔ یہ میدان تو بہت فراخ ہے۔ خدا کی خے کو جیم فارسی سے بدلو۔ نبی کو بتقدیم مودہ علی النون لکھو۔ یہ سادس دل سے دور کرو۔ رہرو ایک اچھا تخلص ہے رہرو اسکی تعینیس موجود ہے شیون ایک اچھا تخلص ہے۔ ستون اسکی تصحیف ہے۔ تمہارے واسطے بنا بہت اسم عالی تخلص خوب تھا مگر تخلص کا ایسا شعر بہت بڑا نامی گزرجکا ہے۔ ہاں نامی۔ سامی یہ تخلص بھی اچھے ہیں۔ مولانا فائق کی پیروی کرو مولانا فائق کہلاؤ۔ اگر کو کہ اس ترکیب سے لفظ نالائق پیدا ہوتا ہے، مولانا شائق بنجاؤ۔ ہنسی کی باتیں ہو چکیں اب حقیقت ڈھچی سونو تھیمی تخلص خاصی بروزن ظہوری و نظیری اچھا ہے اگر بہ لڑنا ہی منظور ہے تو نامی۔ سامی۔ رہرو۔ شیون یہ چار تخلص رباعی بروزن عرفی و غالب اچھے ہیں ان میں سے ایک تخلص قرار میسے نزدیک سب سے بہتر تمہارے واسطے خال خرمی تخلص بہتر ہے۔ کو گے کہ آزا پر کے بلغ میں ایک دخت فخری ہے۔ حاصل کلام دودن کی فکر میں جو تخلص میسے خیال میں آئے وہ آج لکھ بھیجتا ہوں بھائی موب تخلص نیا ہے اگر یہ پسند آئے تو یہ رکھو مگر مرزا کے کہنے سننے سے اجتناب مان گئے۔ چنانچہ مرزا نے کہش خطوط میں یہی تخلص سے القاب میں خطاب کیا ہے۔ پھر ایک قطعہ تاریخ میں جو خود مرزا نے ان کے نام سے ان کے بچے کے مرنے کے غم میں لکھا ہے نیسی تخلص کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔ میاں اسکو سب جانتے ہیں کہ میں مادہ تاریخ نکالنے میں عاجز ہوں لوگوں کے مادے دیے ہوئے نظم کرتا

ہوں۔ اور جو مادہ اپنی طبیعت سے پیدا کرتا ہوں وہ بیشتر کچھ ہوتا ہے چنانچہ اپنے  
بھائی کی تاریخ کا مادہ دیرین دیوانہ نکالا۔ پھر اس میں آپ کے عدد و گھٹائے تمام دو کپڑے  
اسی میں رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ مادہ ڈھونڈھا۔ تمہارے نکالے ہوئے دو لفظوں کو نا کا کیا  
کہ کسی طرح سات اسپر بڑھا دوں۔ بارہ سے ایک قطعہ درست ہوا۔ مگر تمہاری زبان  
سے یسینے کو یا تم نے کہا ہے۔ پانچ شعر میں تین شعر ابد و موضح مدعا لیکن میں  
جانتا کہ تمہیں اچھا ہے یا برا ہے ہاں سہل تو البتہ ہے تامل سے سمجھ میں آتا ہے  
اور شاید لوح مزار پر کھدوانے کے قابل نہ ہو۔ قطعہ

در گریہ اگر دعویٰ ہمیشہ سی ما کرد	بینی کہ شود ابر بباری نخل از ما
ناچار بگریم شب دزد کہ ایر سیل	باشد کہ برد کا بیل از آب گل از ما
گفتی کہ گنجد دل از گشتش غم	خود گرد بر آرد دغم جان گل از ما
یہ بجلی شد و از شعلہ سوز غم ہمیش	چو شمع دود و دود متصل از ما
غم دیدہ ہستی پے تاریخ و سائنس	نبوشت کہ در واقع پست خال از ما

ما کے عدد اکتا لیس دل کے عدد چونتیس ما میں سے دل گیا گویا اکتا لیس میں سے  
چونتیس گئے باقی رہے سات ۵۵ داغ پسر پر بڑھائے ۱۲۶ ۴۴ ہاتھ آئے "مگر یہ  
تخلص بھی اسی زمانہ میں علانی کیا تھا بدل گیا تھا چنانچہ ۱۲۸۲ء مطابق ۱۸۶۵ء  
یعنی ۴۴ برس بعد کی ایک غزل میں جو مرزا نے علانی کی فرمائش سے لکھی ہے  
مقطع لکھا ہے

مجھے غالب یہ علانی نے غزل لکھوائی ایک بیدار گریخ فرا اور سہی  
علانی اگرچہ رشتہ کے کھتے اور مرزا سے چھوٹے تھے مگر مرزا نے اس



خردی کے مراتب میں ان کے ساتھ دوتا نہ وہ تکلفانہ روش کی اس طرح آمیزش کر دی تھی کہ خطوں کے دیکھنے والے کو مشکل یہ تمیز ہوتی ہے کہ کاتب مکتوب الہیہ کا دوست ہے یا کوئی بزرگ ہے استاد ہے یا کوئی عزیز مرزا کو غالباً اس خاندان میں سب زیادہ علانی کے ساتھ تعلق تھا وہ ان سے لٹنے بٹنے تکلف کے اس خاندان کے دوستوں کو کیسا تھا وہ عالم نہیں ہے کہیں بلند اقبال لکھتے ہیں کہیں میری جان۔ کہیں مولانا علانی۔ کہیں مرزا سی۔ کہیں یار بھتیجے۔ کہیں صرف میاں کہیں صرف صاحب۔ جب کوئی تہذیب منظر ہوتی ہے تو بے تکلف مگر اس طرح ان کے مراتب ملحوظ رہیں۔ ڈانٹ دیتے ہیں جب اذیت ہے تو اس طرح کہ اپنی بزرگی کا بھی لحاظ ہے ایک جگہ اذیت کہتے ہیں "خفقان اور مراق اگرچہ تمہارا خاندان دودھ دیتی ہے۔ لیکن آج تک تمہاری خدمت میں حاضر نہوا تھا۔ اب کیوں آیا۔ اگر آیا تو ہرگز اسکو ٹھہرنے نہ دو۔ ہانک دو خبردار اسکو اپنے پاس نہ دینا۔ علاء الدین خاں کی اپنے والد نواب امین الدین احمد خاں سے کچھ صفائی نہ تھی مگر شہداء میں قلوب میں کچھ صفائی پیدا ہوئی اور محبت و ارتباط قائم ہوا۔ مرزا کو خبر ہوئی تو انھوں نے شوخی سے حانظ کے مصرعوں پر ایک ایک مصرع لگا کر علانی کو بھیجا ہے

شکر ایزد کہ ترا پدرت صلح فساد      حوریاں رقص کنناں ساغر شکرانہ زد  
قدیاں ہر دعا سے تو والا پدرت      قرعہ فال بنام من دہوانہ زدند  
لڑکے کے پلید ہونے کی مبارکبادیوں دیتے ہیں کہ "خدا اس نئے تھان کا قدم مبارک کرے" ایک جگہ فرماتے ہیں "مولانا سیسی کیوں خفا ہوتے ہو چھپتے

اسلاف و اخلاف ہوتے چلے آئے ہیں اگر نیر خلیفہ اول ہے۔ تم خلیفہ ثانی ہو۔  
اوس کو عرصہ میں تم پر تقدم زمانی ہے۔ جانشین دونوں ہو مگر ایک اقل ایک ثانی ہو  
اسی طرح جابجا وہ وہ لطیفہ وہ کلفشانیا ہیں کہ کاغذ بلغ و بہار نظر آتا ہے اور پر  
والے کا دل پھول کی طرح کھلا جاتا ہے۔

علائی نظم و نثر دونوں میں مرزا سے صلاح لیتے تھے اور مرزا برابر خوشی  
کیا تھے اس محنت شاقہ کو برداشت کرتے تھے آخر عمر یعنی مرنے سے کچھ دن پہلے  
ایک سند لکھ کر علائی کو دی تھی اوس میں لکھتے ہیں "میں نے دبستان فارسی  
کا تم کو جانشین قرار دے کر ایک سہل لکھ دیا ہے اب جو چار کم اسی برس کی عمر  
ہوئی اور جانا کہ میری زندگی برسوں کیا ہینوں کی نہ رہی شاید بارہ مہینے جسکو ایک  
برس کہتے ہیں اور جیسوں درندہ دو چار مہینے۔ پانچ سات ہفتے۔ دس بیس دن کی  
بات رہ گئی ہے۔ اپنے ثبات حواس میں اپنے دستخط سے یہ توقع تم کو لکھے دیتا ہوں  
کہ فن اردو میں نظماً و نثر اتم میرے جانشین ہو۔ چاہیے کہ میرے جانشین والے جیسا  
مجھکو جانتے تھے ویسا تم کو جانیں اور جیسا مجھ کو مانتے تھے تم کو مانیں۔ کل شنبہ ہالاک  
دستی دجہ رباک ذوالجلال والا کرام۔ یکشنبہ ۱۲ صفر ۱۲۵۵ ہجری ۲۱ جون ۱۸۶۶ء  
من مقام دھلے۔"

علائی مرزا کی شاعری کے ایسے دلدادہ تھے کہ تقریباً ہر خط میں غزل منگاتے  
تھے۔ مرزا کا خسری وقت تھا ضعف بڑھا ہوا۔ جگر کا وی کی طاقت نہیں  
پھر بھی کبھی کبھی غزلیں بھیجتے رہتے تھے اور جب آتے تو خفا ہوتے۔ ایک دفعہ یوں  
لکھا "تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرے سلام کو اور

یہ شعر میرا پڑھ کر سناؤ

گمان زلیست بد بر منست بیدوی بدست مرگ دے بدتر از گمان نیست  
مجھے کا فزہ کفن کی فکر پڑی ہے۔ وہ سنگر شعر و سخن کا طالب ہے زندہ ہوتا تو وہیں  
کیوں نہ چلا آتا۔ پھر پر سے یہ تکلیف اٹھالو اور تم اس زمین میں چند شعر کہ کر بھیج دو  
میں اصلاح دے کر بھیج دو ننگا عصا پر پہچائے پیر کہیں لکھتے ہیں "شعار تازہ مانگتے  
ہو کہاں سے لاؤں عاشقانہ اشعار سے مجھ کو وہ بعد ہو جو ایمان سے کفر کو"۔ ایک  
جگہ لکھتے ہیں "تم نے شعار جدید مانگے خاطر نہادی عزیز ایک مطلع اور صرف و مصرع  
آگے کے کہے ہوئے یاد آگئے کہ وہ داخل دیوان بھی نہیں دینے فکر کر کے ایک مطلع  
اور پانچ شعرات بیت کی ایک غزل تم کو بھیجتا ہوں۔ بھائی کیا کہوں کہ کس مصیبت  
یہ چھپتیل تھ آئی ہیں اور وہ بھی بلند ترین ہیں" چونکہ مرزا کی تحریر کو مفتی سجاد علی صاحب  
ایک شعر اور ایک مقطع کے دیوان میں بقیہ ہر نہیں ہیں لہذا وہ سب مانگے جاتے ہیں  
بہت سے غم گنتی شراب کم کیا ہے غلام ساقی کو ترہوں مجھ کو غم کیا ہے  
رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے  
کٹے تو شب کییں کاٹے تو سانپ کھلا کوئی بتاؤ کہ وہ زلف جسم خیم کیا ہے  
لگا کرے کوئی حسن کام طالع مسود کسے خبر ہے کہ وال جنبش سلم کیا ہے  
نہ خسر و شکر قابل نہ کیش دولت کا خدا کے واسطے ایسے کی بھپتسم کیا ہے  
وہ داد و دیگر انامیہ شرط ہے ہم دم دگر نہ مسلمان و جام جم کیا ہے  
سخن میں خامۂ غالب کی لہجہ نشانی یقین ہے کہو بھی لیکن اب میں دم کیا ہے  
افسوس کہ علانی مرحوم کا کلام نہیں ملے گا کہ بطریق نمونہ درج کیا جاتا

## نواب میر غلام بابا خاں

نواب میر غلام بابا خاں عرف چھوٹے صاحب سورت کے رئیس تھے اور گورنمنٹ کی جانب سے خطاب یافتہ تھے نہایت ہی اخلاق پرست اور سخن فہم بھی تھے۔ خود شاعر نہ تھے مگر شاعروں کے بڑے قدرداں تھے۔ پہلے مرزا سے صرف برائے نام آشنا تھے مگر جب میاں داد خاں سیاح اپنے وطن سے آئے اور نواب صاحب کے زمرہ مصاحبین میں داخل ہوئے تو ان سے مرزا کے اوصاف حمیدہ سنے اور غالباً ان کے حسن کلام کے دلدادہ ہو گئے آخر اگست یا اوایل ستمبر ۱۸۶۷ء مطابق ۲۱ ربیع الاول ۱۲۸۷ء میں پہلا خط مرزا صاحب کو لکھا۔ اسی خط میں نواب میر جعفر علی خاں کے مرگ بے ہنگام کی خبر لگی تھی نواب میر جعفر علی خاں میر غلام بابا خاں کے عزیز تھے اور سورت کے اعیان اور نامور رؤسا میں ادنیٰ شمار تھا جو سنہ ۱۲۸۷ء میں بمقام سال فوت ہو گئے تھے۔ مرزا نے یہ خط دیکھا اور جواب میں لکھا کہ افسوس ہے آپ کو پہلا ہی خط تعزیت نامہ کے طریق پر لکھنا پڑا۔ اسی خط میں ان کی تاریخ وفات لکھ کر بھیجی جو درج ذیل ہے

گردید نہاں ہر بہاں تاب دینغ      شد تیرہ جہاں حبیبیم احباب دینغ  
 ایں واقعہ از دوسے ارسی غالب      تاریخ رقم کرد کہ نواب دینغ

دوسے زاری ز اسے ہوز کے اعداد بڑھائے جائیں تو ۱۲۸۷ء نکلتے ہیں۔

اس کے بعد سلسلہ مراسلت جاری رہا اور نواب صاحب کی حسن عقائد مرزا کی طرف سے

ترقی کرتا رہا۔ ہمیشہ مالی امداد مرزا کو پہنچاتے اور طرح طرح سے اعانتیں کرتے  
 رہے مرزا کی ملاقات کے اتنے متمنی تھے کہ بار بار خطوط میں مرزا کو سورت بلاتے  
 تھے مگر وہ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے عذر کرتے اور نہ پہنچ سکتے  
 تھے چنانچہ ایک مرتبہ جب اسی طرح کا خط آیا تو مرزا نے جواب میں لکھا "اگر بڑا  
 اور پانچ ہوتا تو ریل کی سواری میں مقرر آپ تک پہنچتا۔ اور آپ کے دیدار  
 سے مسرت اندوز ہوتا۔" ایسے ہی ایک مرتبہ ماہ رجب المرجب ۱۲۸۳ھ میں  
 نواب صاحب کے لڑکوں یا اور کسی عذریہ کی شادی تھی۔ اوس میں مرزا کو بھی  
 سورت بلایا گیا۔ مگر انھوں نے وہی عذر کر دیا اور لکھا "ہے سواری ریل و اند  
 ہونے کی لہروں میں آئی۔ پاؤں سے پانچ۔ کانوں سے ہر اضعف بصارت  
 ضعف دماغ ضعف دل ضعف معدہ ان سب ضعفوں پر ضعف طالع کیونکر قصد  
 کروں۔ تین چار شبانہ روز کس طرح قفس میں بسر کروں ایک گھنٹہ میں دو بار  
 پیشاب کی حاجت ہوتی ہے۔" اسی طرح سے بار بار عذر کر دیتے۔ مگر برابر  
 نواب صاحب کے علاج اور ثنا گراہتے تھے اور انکو اپنا محسن جانتے تھے  
 ہر جشن ہر تقریب شادی غمی کی تاریخیں اکٹریٹھتے اور نواب بھی عقیدت کے  
 جوش میں برابر اونکی محبت کرتے رہتے تھے ایک مرتبہ نواب صاحب کے یہاں  
 صاحبزادہ پیدا ہوا مرزا نے تادیخی نام سید ہا بہت علیناں تجویز کر کے لکھا۔  
 جس سے ۱۲۸۳ ہجری نکلتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ "کیوں حضرت صاحبزادے  
 کا اسم تادیخی پسند آگیا یا نہیں نام تادیخی اور پھر سید بھی اور خاں بھی عجیب  
 اگر پسند نہ آئے لکن ائمہ میں نواب صاحب کی صاحبزادی کی بسم اللہ کی تقریب

میں یہ تاریخ لکھ کر بھیجی۔

نخستہ جشن و بستان نشینی بیگم  
 فیض ہمت نواب و مین اقبالش  
 چواڑے ادب آموزی است خوش باد  
 اگر نخست بہار ادب بود ساش  
 اسی سال نواب صاحب کسی بڑے مقدمے میں عدالت عالیہ سے  
 کامیاب ہوئے مرزا کو خبر ہوئی تو فوراً یہ قطعہ تہنیت روانہ کیا ہے

فتح سید غلام بابا خاں  
 خود نشان دوام اقبال است  
 ہم ان میں دلوں کے غالب گفت  
 کہ ظفر نامیہ اپنا سال است  
 نواب صاحب نے اپنا فوٹو مرزا کو بھیجا تو مرزا نے تیج کے توسط سے جواباً  
 یہ لکھا کہ "حال تصویر کا یہ کہ میں نے اُسے سر پر دکھا آکھونے لگایا۔ گویا چھوٹے  
 صاحب کے دیکھا لیکن اسکا سبب معلوم ہوا کہ نواب صاحب نے ہم سے بات  
 نہ کی۔ خیر دیدار تو میرا گفتار بھی اگر خدا چاہے گا تو سن لینگے۔"

ایک مرتبہ نواب صاحب نے ایک گھڑی تحفہ مرزا کی خدمت میں  
 بھیجی۔ مرزا نے سیف الحق تیج کو لکھا۔ حضرت نے ایک گھڑی عنایت فرمائی  
 بھلا یہ میرے کس کام کی۔ چار دن سوچا کیا کہ پھر دوں پھر سوچا کہ بڑا مین گے  
 آخر کو گھڑی رکھ لی۔ ۱۲۸۲ھ میں نواب صاحب کے یہاں ایک فرزند  
 تولد ہوا تو مرزا نے تاریخ لکھ کر بھیجی ہے

میر بابا یافت فرزندے کہ ماہ چارہ  
 بر فراز لوح گردوں گردہ مثال است  
 فرخی بینی دیابی بہرہ از ناز و طرب  
 از سوز ناز و طرب فرزند فرخ قال است  
 ایک مرتبہ نواب صاحب نے سور و سپہ نیچے تو مرزا نے تیج کو لکھا "چھوٹا"

نے بڑی عوامی اور بہت کی اس صرف میں میرا کام ہوا اور کام ہوا۔ اللہ  
اللہ اب بھی ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ نہ میں نے اون کو دیکھا اور نہ  
انھوں نے مجھے دیکھا۔ نہ میرا کوئی حق اپنی ثابت۔ نہ اون کو کوئی خدمت مجھے  
یعنی منظور خیر فقیر ہوں جب تک جیوں گا دعا دوں گا۔

مرزا کے خطوط و اب صاحب کے نام ۱۸۶۷ء تک کے ملتے ہیں اور  
۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو مرزا کا انتقال ہوا اس قیاس ہو سکتا ہے کہ جو  
مراسم پہلے دن سے شروع ہوئے وہ آخر وقت تک اُسی طرح قائم رہے

## غلام نجف خاں (حکیم)

عضد الدولہ حکیم غلام نجف خاں حافظ محمد مسیح الدین خاں کے بیٹے  
شیخ پور کے رہنے والے تھے شیخ پور مضامین بدایوں میں ایک چھوٹا سا قصبہ  
ہے۔ حکیم صاحب صوفی اہل میں شیخ فاروقی ہیں۔ مگر دربار شاہی سے  
خانی کے خطاب سے سرفراز ہوئے اسوجہ سے نام کے ساتھ یہ خطاب  
بھی شامل ہو گیا۔

ان کے جد شیش شیخ فرید اللغات شیش خاں عہد جاگیر شالہ جہانی  
میں عہدہ ہائے جلیلہ پر ممتاز اور منصب پنہزار سی ذات اور پانچ ہزار سوار سے  
سرفراز تھے چنانچہ جاگیر نے ان کی اسد عا پر انھیں چار ہزار سبکداری

موضع مولیا میں سے آبادی و سکونت کے واسطے دی تھی جس میں انھوں نے  
 ایک قلعہ کی بنیاد ڈالی تھی اور اُس کا نام جہان گیر کے نام پر شیخ پور رکھا تھا کیونکہ  
 جہانگیر کا نام زمانہ شاہزادگی میں شیخ بابا تھا اور اکبر ہمیشہ جہانگیر کو اسی نام سے  
 پکارا کرتا تھا۔ اسی طرح شیخ فرید کے والد ذواب قلب الدین خاں جو حضرت سلیم  
 چشتی فقیہوری کے عزیزوں میں تھے۔ عہد اکبری میں صوبہ ادرسی صوبہ ہار  
 اور جہانگیر کے عہد میں منصب پنہزاری ذات و سوار و خلعت خاصہ و شمشیر  
 اسب خاصہ بازمین مرصع اور عنایات شاہانہ سے سرفراز ہو کر دارالملک  
 بنگالہ اور اویسہ کی صوبہ داری پر جو پچاس ہزار سوار کی جگہ تھی مامور ہوئے  
 حکیم غلام نجف خاں اپنے خالو میر سید علی صاحب کے ساتھ جو  
 کپنی کی طرف سے تحصیلدار تھے اور پھر ذواب گورنر جنرل بہادر کے میر غشی ہوئے  
 پانچ برس کی عمر میں دلی میں وارد ہوئے اور جب سن تیز کو پہنچے تو  
 ہمیں کی سکونت اختیار کی۔ ابتدائے عمر علم طب کی طرف طبیعت  
 کو لگاؤ تھا اسلئے بعد تحصیل علوم درسی و ضروری طب کی طرف مائل ہوئے  
 اور حکیم صادق علی خاں ابن حکیم شریف خاں سے کتب و ریضہ طب کی تکمیل  
 کی اور حکیم حسن اللہ خاں بہادر کے مطب میں نسخہ نویسی کی مشق بہم پہنچائی۔  
 چونکہ حکیم حسن اللہ خاں سے قربت تھی لہذا انھوں نے بھی زیادہ توجہ کی  
 جس کی وجہ سے چند ہی روز میں کامل اور شہر کے مشہور اطباء میں شمار  
 ہونے لگے اور یہاں تک اس فن میں نامور ہوئے کہ ظل اللہ سراج الدین بہادر شاہ  
 ظفر کے دربار سے عہد الدولہ اور خاں بہادر کی کا خطاب پایا۔ بسند



استراع سلطنت سرکار کینی بہادر کی طرف سے شہر کے مریضوں کے علاج کی واسطے  
مامور اور متعین ہوئے نہایت ذہین۔ ذکی اور حاذق اطباء میں سے تھے۔

حکیم صاحب مرزا کو اپنا بزرگ مانتے اور باپ کے برابر جانتے  
تھے اور ذہن شعریں اور انہیں سے مشورت کرتے تھے۔ چنانچہ ان تعلقات کا مرزا  
اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "حکیم غلام نجف خاں سنو اگر تم نے مجھے بنایا ہے  
یعنی اُستاد اور باپ کہتے ہو یہ امر از روئے تمسخر ہے تو خیر اور اگر از روئے عقلاً  
ہے تو میری عرض مانو اور ہیرانگہ کی تقصیر معاف کرو۔ بھائی انصاف کرو  
اُسے اگر حکیم احسن اللہ خاں سے رجب کی وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اور تم کو  
اُن سے استفادہ بھی ہو اگر وہ گھبرا کر حکیم محمود خاں کے پاس گیا تو اُن کے باپ سے  
تم کو نسبت تلذذ کی ہے ابتداء میں اُن سے پڑھے ہو پس یہ غریب تمہارے سوا  
اگر گیا تو بھی تمہارے ہی علاقے میں گیا وہ بھی گھبرا کر اور خفقان سے تنگ آکر  
اب جو حاضر ہوتا ہے تو اُس پر نسبت سابق کے توجہ زیادہ فرماؤ اور بدل اور کا  
معالجہ کرو۔"

مرزا کو ان سے اتنی محبت تھی کہ بایاں کی جدائی کے شاق ہونیکا ذکر  
کرتے ہیں اور ہمیشہ ان سے ملنے کے دل سے متمنی رہتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں  
"اگر مل بیٹھنا قسمت میں ہے تو یکہ لینکے در نہ انا اللہ وانا الیہ راجعون" ایک  
جگہ کہتے ہیں کہ "تمہارے یہاں نہونے سے جی گھبرا تا ہے کبھی کبھی ناگاہ ظہیر الدین  
کا آنا یاد آتا ہے۔ کہو اب خیر سے کب آؤ گے۔ کے برس کے مہینے کے دن راہ  
دکھاؤ گے" اس محبت کا یہاں تک اثر تھا کہ مرزا صاحب کی بیوی نے

پردہ نہیں کرتی تھیں اور اپنے بچوں کی طرح ان سے پیش آتی تھیں۔ مرزا باہر سے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاؤ گھر میں اپنی اُستانی کو یہ خط سنا دو۔ مرزا نے فرمائشیں کرتے ہیں کہیں کہتے ہیں کہ چا دل عمدہ خرید کر بھیج دو۔ کہیں کہتے ہیں کہ مارا لکھ کھینچا دو۔ چونکہ یہ قدر کے زمانہ میں شیخ پور چلے گئے تھے اس واسطے مرزا سے براہِ دلی کا حال پوچھتے رہتے ہیں اور مرزا یہاں کی تباہیوں کا تذکرہ اس درناک طریقہ سے کرتے ہیں کہ جی بھر آتا ہے۔

حکیم صاحب کے بیٹے ظہیر الدین کو مرزا ایسا چاہتے تھے کہ کہیں اُسکو اپنا پیارا پوتا لکھتے ہیں۔ کہیں خط میں اُس کا سلام نہ پہنچنے پر خفا ہوتے ہیں۔ کہیں اُس کا بچہ گھر آنا یاد کرتے ہیں۔ غرض کہ وہ حکم اور استوار تعلقات ہیں جو عزیز اور رشتہ داروں میں بھی نہیں ہوتے ایک ایک لفظ سے محبت اور تعلق کی ایک داستان پیش نظر ہو جاتی ہے۔ مرزا تبیہ کی طو پر حشیم نامی بھی کرتے ہیں اور کہیں ان کی ذہانت کی داد بھی دیتے ہیں اور حکیم صاحب ان کو اپنا بزرگ سمجھ کر آدابِ ملحوظ رکھتے اور ان کے خطوط کے مشتاق رہتے ہیں۔

## قدرِ میر غلام حسین بلگرامی

میر غلام حسین آپ کا اور میر خلیف علی آپ کے والد ماجد کا نام تھا۔  
حُسنی تید۔ قصبہ بلگرام محلہ سلڑہ کے معزز لوگوں میں تھے ۱۲۳۵ھ میں

بمقام قصبہ مذکور پیدا ہوئے اور ایک مشہور بزرگ سید سلطان علی نے آپ کا  
نام تاریخی غلام حسین رکھا جس کی طرف خود قدر نے اپنی ایک رباعی  
میں اشارہ کیا ہے

سوجان بچوں فدا نام حسین      چشمِ دل و جگر مقام حسین  
ہم روز ولادت ہوئے نام اور      تاریخی نام ہے غلام حسین

آپ شیعہ مذہب رکھتے تھے اور سلسلہ نسب حضرت زید شہید سے ملتا ہے  
سن شعور پر پونچھنے کے بعد آپ کی تعلیم شروع ہوئی اور ابتدائی کتب پڑھنے  
کے بعد آپ نے بلگرام ہی میں فارسی شروع کی اور اس سے فراغت  
کے بعد عہد وابد علی شاہ میں لکھنؤ آئے۔ شعر و شاعری کا شوق پہلے ہی سے  
تھا۔ یہاں امان علی سحر سے صلاح لینا شروع کی اور انھیں کے حلقہ تلامذہ  
میں شریک ہو گئے۔ اسی زمانہ میں مرزا محمد رضا برقی سے عروض و قافیہ  
پڑھا۔ اس کے بعد غازی الدین حیدر کی بیگم فاطمہ بہ سرفراز محل کی  
سرکار میں منشی ہوئے اور اسی زمانہ میں برقی کو بھی کلام دکھانا شروع کیا۔  
۱۸۵۲ء مطابق ۱۲۷۰ھ میں لکھنؤ سے بلگرام چلے آئے۔

۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ ہوا۔ دلی پر تباہی آئی اسی زمانہ میں  
بہت لوگ اپنے گھر بار چھوڑ کر جان بچانے کے لیے اطراف و جوانب میں  
نکل گئے۔ چنانچہ مرزا غالب کے بھائی مرزا عباس بیگ اور مرزا قادر بخش  
صابر اور نواب غلام حسین شاہ جہا پوری المتخلص حسین بھی آوارہ وطن ہوئے  
اور بلگرام میں وارد ہوئے۔ یہاں ان کی نہایت خاطر تواضع کی گئی اور ان کے

اور پریشاں حال مسافروں کو حتی الوسع آرام پہنچایا گیا۔ قدر کی اسی زمانہ میں ان سے ملاقات ہوئی اور مرزا غالب کے اوصاف جمیدہ اور انہیں لوگوں سے سُنے۔

غدر کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد آپ پنجاب چلے گئے اور فوج میں میرنشی ہو گئے۔ مگر کچھ جی نہ لگنے اور کچھ آپ ہو اکی نامیا فقت کی وجہ سے دلی چلے آئے اور مرزا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے مسودات اور کلام کو اصلاح کے لیے پیش کیا اور کچھ دن وہاں رہ کر لکھنؤ آئے یہاں شیخ امجد بھٹہ کے نظم پر اصلاح لینا شروع کی۔ مگر اسی دوران میں مرزا سے بھی براہِ تنقید کرتے رہے۔ چنانچہ خود کہتے ہیں :-

سینکھے سحر و سحر بندش سہ نہ  
پھر غالب بھرتے تہا سہ پونہ

بھسا بھی زمانے میں نہ گوارا تو  
بدنام کنندہ نکو نامے چند

غدر کے بعد ہی صوبہ اودھ کی ضلع بندی ہوئی اور بلگرام ضلع ہر دوی میں شمار کیا گیا۔ یہی زمانہ جب ان کا اسکول دہلہ میں قائم ہو چکا تھا۔ اتفاق سے مرزا عباس بیگ جو مرزا صاحب کے بھائی تھے اُس زمانے میں ضلع ہر دوی میں کسٹرسٹنٹ کسٹمر مقرر ہوئے اور انہیں کی تحریک سے قدر فارسی پڑھانے کے لیے اسکول میں مقرر ہوئے۔ مگر چونکہ شاعری کا شوق زور و پیر تھا اور اس زمانے میں بھی وہی شہنشاہ جاری تھے اس واسطے اکثر طلباء کو شاعری کا شوق پیدا ہوا اور تعلیم میں ہرج و مرج واقع ہوا۔ اس وجہ سے افسر بالانس پروردہ کو روک دیا اور آپ ریاضی کے سبق کیلئے لکھنؤ بھیج دیے گئے۔

علم ریاضی کی تحصیل کے بعد رفیق الدولہ دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین  
خاں بہادر ظہیر کی جگہ کیننگ کا لکھنؤ میں اور ٹیل ڈپارٹمنٹ میں مدرس  
فارسی مقرر ہوئے اور ۱۸۸۳ء تک یہاں رہے۔ یہیں پنڈت جٹاشنکر  
پانڈے سے عروض ہندی یعنی سنگل بھی پڑھا۔

۱۸۸۴ء میں نواب آغا مزایا بیگ نبیہ غالب مرحوم کی تحریک  
پر بنارس گئے۔ حضور نظام سابق یہاں تشریف فرما تھے اور منہ نشینی کا رمان  
قریب تھا۔ چنانچہ قدر نے بھی ایک قصیدہ تہنیت کہا جسکے صلہ  
میں چار سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا اور آپ کو حیدر آباد میں رہنے کا حکم ہوا۔  
قدر مرحوم کشتہ بیمار رہتے تھے اور قدیم سے نحیف الجشہ واقع ہوئے  
تھے جس سے حیدر آباد سے بلگرام چلے آئے اور یہاں ۱۳۰۰ مطابق  
۱۲ ستمبر ۱۸۸۴ء کو کیننگ انتقال کیا اور میر خدائش کی کربلا میں دفن  
ہوئے۔ جناب حمہ لکھنوی نے تاریخ وفات کی رع۔ درہزار و سہ صد و یک قدر  
از دنیا بشد۔ نیز قدر کے اس مصرع سے بھی بعض لوگوں نے تاریخ نکالی

۱۵ وضع قلع یہ تھی کہ دُبلے پتلے پستہ قد آدمی تھی۔ سر پہ پتے رکھتے تھے جو گردن کے پاس  
سے گھومتے ہوئے تھے اور جن کو کبھی کبھی ہاتھ سے عادتاً بل دیتے رہتے تھے لباس میں  
وضع داری کا شوق تھا۔ کپڑے نہایت صاف اور نفیس پہنتے تھے اور صفائی کا بہت خیال رکھتے  
راقم الحروف چٹنبندہ میں کیننگ کا لومیں پڑھنے کے لیے داخل ہوا تو میرے مترجم بزرگ  
مرزا ضاد اد بیگ برادر زادہ ڈپٹی عباس بیگ مذکور مجھ کو اپنے ساتھ لے گئے تھے ان سے اوقدہ  
مرحوم سے تعلقات قریبانہ تھے۔ انہیں دو آدمیوں کی وساطت سے میرا نام کا لومیں لکھا گیا تھا۔

ع یہاں ٹیری بڑھانے کو ہر اک ڈیوانہ آتا ہے۔

مرزا ان پر بہت ہریان تھے تقریر کے ذریعہ سے ہمیشہ رموز و اسرار نظم و نثر سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور نہایت ہر و محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کی میکا رہی کے زمانے میں منشی نول کشور صاحب کے مطبع میں انکو رکھائیا۔ اور قدر مرحوم نے کچھ روز وہاں مصحح کی خدمات بھی انجام دیں۔

مرزا کو اگر کوئی بات بتانی ہوتی تو نہایت مہذب و متین طریقے سے ان کو آگاہ کر دیتے تھے اور یہ بھی سوادست سمجھ کر اس کو بسر و چشم قبول کر لیتے ایک مرتبہ مرزا عباس بیگ کے لڑکوں کا ذکر خط میں آیا قدر نے دانتہ یا سہواً انہیں مرزا کا نواسہ لکھ دیا جب یہ خط مرزا کو ملا تو جواباً لکھا "صاحب تم سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ مرزا عباس میری حقیقی بہن کا بیٹا ہے تو پھر میں مرزا کی اولاد کا نام کیونکر بنایا۔ مرزا کی بی بی میری بہن بیٹی نہیں ہے۔ تم نے جو لکھا ہے کہ میرے نواسے کی شادی ہے کیا سمجھ کر لکھا۔ میں مرزا کی اولاد کا نام کیونکر بنایا بھائی کی اولاد پوتا پوتی ہے نہ نواسا نواسی" مگر یا اینہم مرزا ان کو اپنا معین اور قوت بازو جانتے تھے چنانچہ قاطع برہان کے جواب میں جب محرق قاطع لکھی گئی تو مرزا نے قدر سے جواب کی خواہش کی لکھتے ہیں "تم میرے سر پر ہوا اور میری خدمت گزار کی کے حقوق ہیں تم پر مجھ کو مدد و اور اپنی قوت علمی صرف کرو محرق قاطع برہان میرے پاس موجود ہے مجھے تنگ و او میں ہر موقع پر خطا اور زلت مولف کا

اشارہ کرونگا۔ تم ہر فرقے کو بغور دیکھو اور سیربطی الفاظ اور لغویت معانی کو  
میزان نظر میں تولو۔ عامی نہیں ہو عالم ہو۔ آخر مولوی بھٹ علی صاحب نے  
بھی تو اپنی قوت عاقلہ سے اعانت غیر حرق کے جامع کی دہجیان اڑائی ہیں  
تہارے پاس دو نسخے ایک دفع ہدیان۔ ایک سوالات عبدالکریم معہ  
استفادہ افتادہ تحفہ علی سے ملی موجود ہیں اور اب اس کتاب کے ساتھ  
میرے اشارات سودمند پہونچینگے۔ تم کو معارضہ بہت آسان ہوگا بدعی  
کا کلام دراصل لغو۔ پھر تہارے پاس سرمایہ علی موجود۔ اور یہ تین نسخے معقول۔  
اسپر مزید علیہ اسپر حرق اور صاحب حرق کا خاکہ اڑ جائیگا۔ میرے  
اس خط کے پہونچتے ہی جواب لکھئے اور اجازت بھیجئے کہ میں نسخہ نامطبوعہ  
حرق بسبیل ڈاک بھیج دوں مگر حبدن سے کہ کتاب پہونچ جائے آپ اسی  
دن سے اردو زبان میں رسالہ لکھنا شروع کیجئے اور بعد اتمام مجھے اطلاع  
دیجئے پھر میں جیسا لکھوں ویسا عمل میں لائیے۔

اسی طرح بہت نکات علمی میں باہم مراسلت رہی اور یہ سلسلہ مرزا  
کے آخر عمر تک قائم رہا۔

قدر کی تصانیف میں ذیل کی کتابیں مشہور ہیں بشنوی قضا و قدر  
واسوخت عطر مجودہ۔ رسم عرفی فی قصائد عرفی۔ نظم الارکان فی تقطیع ایسا  
گلستان۔ قواعد العروض معہ نیکل مصطلحات اردو نامکمل جلید دومنہ نظم  
دیوان غزلیات و قصائد۔

چند شعر نو تیار درج کئے جاتے ہیں جن سے ان کی افتادہ طبیعت

کا اندازہ ہوتا ہے

عید کو مینجانہ میں ہم زندہ ہوئے سطح  
جسطح پر ہیز ٹوٹے مردم بیمار کا  
کہا شک کھوں بیویا در کھنا  
بقی ہو گیا روز کا یاد رکھنا  
نہ آگے بڑھینگے قدم سیر قاصد  
یہی ہے وہاں کا پتا یاد رکھنا  
کہا یاد رکھنا تو بے بگڑ کر  
چلو جاؤ آئے بڑا یاد رکھنا  
اچھا ہوا اور آئی نہ کچھ  
لے گھر میں ترا جواب نکلا  
ہو سلامت چونکے اٹکا  
یکڑوں مجھے درد سر والے  
پہلی دل نگاہ دزدیدہ  
دوڑے قدر دیکھتا کیا ہو

اون کا پورا کلام دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کلام میں  
لکھنؤ کا رنگ زیادہ اور دہلی کا رنگ کم ہے۔ تصنع اور تشبیہات  
کے دلدادہ ہیں جذبات کم ہیں۔

## کامل۔ مرزا باقر علی خاں

مرزا باقر علی خاں مرزا زین العابدین خاں عارف کے بیٹے تھے جنہیں  
عارف کی جو نامرگی کے بعد مرزا ہی نے پرورش کیا۔ اور مرزا ہی کے  
دامن تربیت میں انھوں نے پرورش پائی۔

مرزا زین العابدین خاں عارف نواب غلام حسین خاں مستفیض بہادر



کے فرزند رشید نواب شرف الدولہ فیض اللہ بیگ خاں بہادر شہزادہ جنگ  
کے پوتے اور مرزا صاحب کی بیوی کے بھانجے یعنی نواب الہی بخش خاں  
معروف کے حقیقی نواسے تھے۔ مرزا صاحب کے زیر تعلیم اور انھیں کے  
دامن تربیت سے وابستہ تھے۔ اوائل جوانی سے شعر گوئی کی طرف میلان  
تھا اور اپنے نانا کے تخلص معروف کی رعایت سے عارف تخلص اختیار  
کیا تھا۔ مرزا صاحب سے علاوہ تعلقات قریبی کے صہلح بھی لیتے تھے۔  
نہایت خوش گو۔ خوش فکر۔ نیک مزاج۔ جوان صالح تھے۔ منو کلام کے  
طریق پر چند شعراء ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

سخت شرابے ہیں اتنا نہ سمجھتا تھا  
چھینٹا تھا تو کوئی شکوہ بیجا کرتا  
نہ آئے سامنے میرے اگر نہیں آتا  
مجھے تو اُسکے سوا کچھ نظر نہیں آتا  
لکھیں وہ ہمیں نامہ سمجھ میں نہیں آتا  
کیا اور چار کوئی ہم نامہ ہوگا  
گرازل میں جھک دیتے مانگنے کا اختیار  
خضر کی عمر اور میخانہ کی خدمت مانگتا  
دیوانگی میں غیر کو دوس غاگ لیاں  
اب ماننا ہے کون بُرا میری بات کا  
انوس کہ عارف نے عین عالم شباب میں ششہ میں مرزا  
کے عین حیات ہی میں انتقال کیا۔ مرزا کو ان کے مرثیہ وہ ناقابل برداشت  
صدمہ ہوا کہ اپنے بہت سے بچوں کے مرنے کا نہوا تھا چنانچہ انھیں کے  
غم میں ایک غزل میں چند شعراء بطریق مرثیہ لکھے ہیں جو ان کے دیوان  
میں موجود ہیں۔

ہاں لے خاک پر جو تھا ابھی عارف  
کیا تیرا بگڑتا جو نہ مر تا کوئی دن اور

عارف نے دوا لڑکے چھوڑے ایک حسین علی خاں دوسرے باقر علی خاں  
مرزا کی بیوی نے ان دونوں بچوں کو اپنے بچوں کی طرح پالا اور مرزا نے بھی انکو  
اپنا فرزند حقیقی جانا جیتے جی اونکی ناز برداریاں کرتے رہے اور کبھی یہ  
نہ معلوم ہونے دیا کہ باپ مر گیا ہے۔ جہاں جاتے پاکی میں اپنے ساتھ لجاتے  
کبھی انکی پرکڑ اور ساتھ ساتھ لیے پھرتے دونوں کی تعلیم و تربیت مرزا ہی نے کی۔  
اور انھیں سے شعور شاعری کے رموز سکھے۔ جوان ہونے پر انور میں ملازم  
ہو گئے تھے۔ مگر افسوس کہ مرزا کے انتقال کے بعد دونوں جوان مر گئے۔

کلام مرزا باقر علی خاں کامل ہے  
انھانے پڑھنے نہ ساقی سے  
یاد آنا کسی کے کانں کا  
تیرہ سا زشبِ جدائی تو  
کہ چھپنیل سہنشا ہو گیا

## میر محمد علی خاں

مرزا کے عزیز ترین شاگرد میر محمد علی خاں میر حسین فگار کے بیٹے  
اور دلی کے قدیم باشندوں میں تھے ہنگامہ غدیر میں دلی کو چھوڑ کر پانی پت  
چلے گئے تھے مگر وہ شورش اور ہنگامہ فرد ہوتے ہی پھر دلی آ گئے۔  
کچھ دنوں تک ہمارا جہاں اور کے وظیفہ خوار رہے مگر وہاں سے بسبب بعض  
دجوہات کے چلے آئے اور آہستہ سے عمر میں نواب ام پور کی قدر دانی سے

رام پور آئے۔ اور زمرہ مصاحبین میں داخل ہوئے۔

۱۳۱۶ھ میں اپنا دیوان منظر معانی ترتیب دیا۔ ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۳۲۱ھ میں انتقال کیا۔ میر ہمدی جرح مرزا غالب کے اُن عزیز شاگردوں میں تھے جنہیں مرزا کو ہمیشہ ناز رہا جنکو اوہنوں نے ان الفاظ کے ساتھ زبانکا سٹیفکٹ دیا تھا ”دلی کے تمام احاطہ کی لوٹ پنجاب احاطہ میں گئی یہ طرز عبارت خاص میری دولت ہے سو ایک ظالم پانی پست انصاریوں کے محلہ کا رہنے والا لوٹ لے گیا مگر میں نے اسکو بھل کیا۔ اللہ برکتے“ جرح کو ادا اکل عسہری سے شعر و شاعری کا ذوق تھا اور اول ہی اونہوں نے اپنا کلام مرزا کو دکھایا۔ مرزا کو بھی ان کے ساتھ وہ تعلق خاطر تھا کہ چند ہی روز میں اپنی نگاہ توجہ سے کامل بلکہ اکمل بنا دیا۔ اس میں شک نہیں کہ مرزا کا رنگ جرح کے کلام میں کم ہے۔ مگر زبان کی سلاست اور عمدت سادگی اور روانی اس درجہ پر ہے کہ بڑے بڑے استادوں کے یہاں نہیں پائی جاتی۔

مرزا صاحب ان پر اپنے فرزندوں کی طرح عنایت کرتے تھے چنانچہ اکثر خطوط میں نور چشم اور بر خور دار لکھتے ہیں اور ہمیشہ وہ رعایات ملحوظ رکھتے ہیں جو ایک بزرگ کو خرد کے ساتھ ہونا چاہیے اسی سے ساتھ ساتھ لطیف اور چٹکلے بھی ہوتے جاتے ہیں۔ دلی کی تباہی کے حالات قلمبند کرتے جاتے ہیں۔ میرن جہتہ احمد (میر فرزا حسین) اور فیض اللہ بن فہر کے جاتے جاتے ہیں۔ ضرورت ہوتی ہے تو کہیں چشم نمائی بھی کرتے ہیں مگر وہ بھی

اُسی انداز خاص سے کہ زہر بھی شکر ہو جائے۔ چنانچہ ایک خط میں مخرج نے کچھ تعلیٰ اور شیخت کی لی تھی۔ لکھنؤ کی زبان کو دلی سے گھٹایا تھا۔ دلی کو مرکز زبان بتایا تھا۔ مرزا ان سب باتوں کو خواہ مخواہ سمجھتے تھے۔

اُسکے جواب میں لکھتے ہیں ”آو میاں سید زادے آزادے۔ دلی کے عاشق دلدادے۔ ڈہیئے ہوئے اردو بازار کے رہنے والے حمد سے لکھنؤ کو برا کہنے والے نہ دل میں مہر و آرم۔ نہ آنکھ میں جیا و شرم۔ نظام الدین ممنوں کہاں، اذوق کہاں، مومن خان کہاں، ایک آزر دہ سو خاموش دو سہرا غالبہ بیخود مدیہ پوش۔ بے بخنوری رہی نہ سخندان کی کس برتے پر تپا پانی بائے دلی دے دلی بھاڑیں جائے دلی“ کہیں ان کی روش پر ان کو داد دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میر ہمدی جیتے رہو۔ آفریں صد ہزار آفریں اردو و عبارت لکھنے کا اچھا ڈھنگ پیدا کیا ہے کہ چھ کو رشک آنے لگا۔

جب کہیں مذاق کرتے ہیں تو اس طرح جیسے منہ سے پھول پھڑپھڑتے

ہیں۔ مذاق بھی تو جاتا ہے۔ کیر کسر بھی ظاہر کرتے چلے جاتے ہیں۔ خود بھی ہنستے ہیں دوسروں کو بھی ہنساتے ہیں۔ ”میر ہمدی تم میری عادت کو بھول گئے ماہ مبارک رمضان میں کبھی جامع مسجد کی ترایہ ناعہ نہ ہوئی ہے؟ میں اس مہینہ میں رامپور کیونکر رہتا۔ نواب صاحب مانع رہے اور بہت منع کرتے رہے۔ برسات کے آسموں کا لالچ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے انداز سے چلا کہ چاند رات کے دن یہاں آہو پچا۔ یکشنبہ کو غزہ ماہ مقدس ہوا۔ اسید صبح کو حامد علی خاں کی مسجد میں جا کر خرابہ لڑی جعفر علی

صاحب سے قرآن سنتا ہوں شب کو مسجد جامع جا کر تراویح پڑھتا ہوں کبھی  
جرحی میں آتی ہے تو وقت صوم و تناب باغ میں جا کر روزہ کھیتا ہوں اور سرد  
پانی پیتا ہوں واہ واہ کیا اچھی سسر بسر ہوتی ہے!

کسی خط میں میر فرزا حسین - میر نصیر الدین میر نصیر صاحب حکیم اشرف علی  
کو نہیں بھولتے۔ اور خاص خاص باتیں ہوتی جاتی ہیں خطوط کی عبارت خاص  
عبارت نہیں ہوتی بلکہ اُس سے صاف صاف ایک تصویر نظر آتی ہے جیسے کوئی  
شخص اپنا سینہ چیر کر بلا کم و کاست ہر چیز کا معائنہ کر لے۔ ماہیت اور کوئی راز  
کسی قسم کا چھپانا نہیں چاہتا۔ ایک ایک لفظ میں غلوں - ایک ایک فقرے  
میں محبت کی ایک طویل دستاں پنہاں ہے۔ دیکھنے والا اندازہ کر سکتا ہے  
کہ وہ کسی حالت میں میر ہمدی کو تفتہ سے تفتہ کو اپنے قوت بازو اپنے بھائی  
اپنے رفیق اپنے فرزند سے کم نہیں جانتے۔ ہر خط میں یہی یکساں سنت ہے  
ہواری - کیا مجال کہ بال برابر روش میں کہیں فرق آئے! اول سے  
آخر عمر تک ایک ہی رنگ ہے۔ جو آج تک ان خطوط سے جھلک دکھا رہا ہے۔  
لال بہاری لال شتاق مالک مطیع کمل الخط ایچ نے جب بار دوئے علی  
شائع کی تو میر ہمدی سے دیباچہ کی فرمائش کی اور انہوں نے اسے دیباچہ  
لکھا۔ نمونہ کلام ہے

طاہر لب لبیب اور آپ کو اسپر زاہد	مالک سکات سلیم و رضا کہتے ہیں
غیر کو بھلا سمجھے اور بھک بڑا جانا	سب سمجھے ہی تو کیا سمجھے جانا بھی تو کیا جانا
کیا عرض تینا میں شکوہ نہ تم کا تھا	یہ تو کہا کیا تھا اور آپ نے کیا جانا

کہ اس بیل نہ لیجا دو تو بولے  
 تلافی آپ کو کرنی پڑے گی  
 اپنی اس ارتباط نہ غیروں سے اختلاط  
 دور اسے شیخ رند بے ادب سے  
 غالب آئے ہیں واسی مجروح  
 ہوا لازم شپنگ کا جلانا  
 اتنی بھی بے ادبی جذبہ لینا بس بس  
 اللہ اللہ نیستی کے مزے  
 وہ لگا ہیں پھر یہ تو آفت ہے  
 پورا ہوا نہ کوئی زمانہ اپنے کام  
 کیا کیا بعد مرگے ہتھیلیں ملیں  
 گرد دی ہے کارواں کا پتہ  
 وہ غمور نکھیں ذرا دکھینا  
 کوئی میر دل ہی پوچھے اُسے  
 وہی قیاس کیسا، کس کا ربط نہاں  
 کہ میرا رتیرا ہے جدا کیا  
 نہ پوچھو خستہ دلیں میں کیا کیا  
 یہ عمر اتنی تھنے گزار دی خضر کہاں  
 ذرا چھوڑو یہ سمجھانے کی عادت  
 بادۂ ناب میں ملا کے گلاب  
 کیا اُس نے اظہار محبت  
 یوسف مصر کو ظالم سر بازار نہ کھینچ  
 عیش سرمد بھلا دیا ہم کو  
 یہ زمانے کا انقلاب نہیں  
 نالہ ہوں میں اگر تو لب لباب رسید ہوں  
 میں قبر میں مسافر منزل رسید ہوں  
 یاد گار گزشتہ گاہوں ہوں میں  
 یہستی کہاں بادۂ ناب میں  
 تپش ہو جو آہ جگر تاب میں  
 ہماری ضد سے زمانہ کو انقلاب نہیں

دل کی بے چینیاں گئیں نہ کہیں  
 اک خلش سی رہی کہیں نہ کہیں

## مشتاق منشی بہاری لال

منشی بہاری لال مشتاق خلف منشی بہاون لال دلی کے رہنے والے  
مرزا کے شاگرد تھے۔ ایک مطبع موسوم بہ اکمل لمطعات لکھنؤ کے مالک تھے  
اور وہی مطبع سے ایک اخبار موسوم بہ اکمل الاخبار نکالتے تھے جس کے  
ڈائریٹر بھی تھے۔ لیاقت علی معمولی تھی جس کا مرزا نے ایک خط میں اشارہ  
کیا ہے۔ ”چونکہ تم کو مشاہدہ اخبار اطراف اور خود اپنے مطبع کے اخبار کی  
عبارت کا شغل تحریر ہمیشہ رہتا ہے بقیہ اور انشا پردازوں کے تمہاری  
عبارت میں بھی املا کے غلطیاں ہوتی ہیں میں تم کو جا بجا آگاہ کرتا رہتا ہوں  
خدا چاہے تو املا کی غلطی کا ملکہ بالکل زائل ہو جائے۔“ مرزا کے تعلقات ان کے  
ماموں منشی مکندر لال سے بہت گہرے تھے۔ چنانچہ خط میں لکھ کر مشتاق  
کو سمجھاتے ہیں کہ ”برخوردار بہاری لال مجھ کو تم سے جو محبت ہے اس کے  
دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمہارا خال فرخ خاں منشی مکندر لال میرے بڑے پرانے یا  
ہیں خوش خویش گشتہ روز بلکہ گوردوسرے تمہاری سعادت مندی اور خوبی  
اور علم اور بقدر حال علم اردو نظم و نثر میں تمہاری طبیعت کی روانی۔ اور  
تمہارے علم کی گلفشانی۔“

مشتاق بھی ہمیشہ مرزا کے احکام کے تابع اور ان کی خدمات

کیسے کر بستہ رہتے تھے۔ چنانچہ اُردو کے رقعات جمع کر کے پہلے بھول ہی  
نے اپنو مطبع میں طبع کرائے اور مدت العمر انواع انواع خدمات بجالائے۔ ان کے  
مطبع کے کاموں میں حکیم غلام رضا خاں، میر فخر الدین، حکیم غلام نبی خاں بھی  
معین اور مددگار رہتے تھے جن کے بارے میں مرزا نے مشتاق کو تاکید لکھی ہے  
کہ ان حضرات کا دامن صحبت ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ یہ لوگ غنیمت ہیں اور  
ان کے دم سے تمہارے اخبار کو چار چاند لگے ہوئے ہیں۔

اگرچہ مشتاق سے مرزا کے تعلقات کم نہ تھے مگر ہم شہر ہونکی وجہ  
خط لکھنے کا اتفاق بہت کم ہوا ہے چنانچہ مجموعہ بھر میں صرف دو خط ان کے  
نام ملتے ہیں جن میں ایک اُن کے والد کی تعزیت میں لکھا ہے اور ایک  
میں کچھ معاملات کا ذکر ہے۔

مشتاق کو اپنے افکار اور کاروبار ذاتی کی وجہ سے شعر و شاعری  
کی طرف توجہ کرنے کی فرصت بہت کم ملتی تھی۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی تفسن طبع  
کے طور پر کچھ کہتے تھے اور مرزا سے اصلاح لیتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یوں تیرے ساتھ بزم میں دشمن کا بیٹھنا      وہ عترض ہو کہ اٹھایا نہ جایگا  
ہوگا اثر جو دل میں تو خود جان لینے کے وہ      مشتاق ہم سے عشق جبا یا نہ جایگا

جہاں جالے وہیں انگوٹیاں لو

یہاں پھیلانی ہے سستی کہاں کی



## مرزا حاتم علی بیگ

مرزا حاتم علی بیگ المتخلص بہ ہمرآگرہ کے رہنے والے تھے۔ آپکا خاندان صفہانی تھا۔ مگر آپ کے بزرگ کئی پشت سے آگرہ میں رہتے تھے۔ ۱۲۳ھ میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پاکر سن ۱۲۵ھ کو پونچے۔ مرزا فیض علی بیگ آپ کے والد بزرگوار کا نام تھا جو عدلیہ انڈیا کمپنی میں علیگڑھ کول کے تحصیلدار تھے۔ آپ کے دادا مرزا مراد بیگ بعد از اب شجاع الدولہ لکھنؤ آئے اور رکن الدولہ خطا پایا اور ایک زمانہ میں رائے پوری کے ناظم بھی رہے۔

معمولی تعلیم کے بعد ۱۲۷ برس کی عمر میں ہمر کو شاعری کی طرف رجحان ہوا۔ اور اسی زمانہ میں شعر کہنا شروع کیا۔ شعر گوئی کی تحریک کا بڑا سبب یہ ہوا کہ ان کے بھائی مرزا عنایت علی بیگ آہ خواجہ شمس کے شاگرد تھے انھوں نے سیوجہ سے ناسخ کی شاگردی اختیار کی اور ہمر متخلص ہو کر ۱۲۸ھ میں امتحان پاس کر کے چنار گڑھ ضلع مرزا پور میں بعد ۵ منصفی مقرر ہوئے جیسا کہ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

از بسکہ سوزِ جگرِ خوگر ہوئے ہیں ہم منصف چنار گڑھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم  
ایک عرصہ تک ہائی کورٹ کے وکیل بھی رہے۔

جسٹس میں ہنگامہ غدر زور پڑ تھا۔ افراتفری پڑی تھی۔ ہر شخص گوشہ رها فیت ڈھونڈ رہا تھا اُسی زمانہ میں میر نے چند انگریزوں کی بجائی اور اپنے گھر میں پناہ دی۔ جسکے صلہ میں ہنگامہ فرو ہونے کے بعد دوکانوں سرکار انگریزی سے اُن کو جاگیر میں دیے گئے۔

مختلف جگہوں میں رہنے کے بعد وہ اپنے وطن مالون آگئے ہیں آگئے اور یہاں انگریز مجسٹریٹ کے فرائض انجام دیتے رہے ۱۸۶۹ء میں ایٹھ گئے ہال اوان کے بیٹے مرزا خات علی تحصیلدار تھے اسی سن میں ہمیں انتقال کیا۔ اوان کا مذہب امامیہ تھا۔ مگر نہایت بے تعصب اور نیک نہاد تھے ہندو مسلمان ہر ایک سے یکساں برتاؤ تھا۔ ہمارا جہ بونٹنگ بنارس والے اوانکے شاگرد تھے جسکے صلہ میں بچاس روپیہ ماہوار بطریق وظیفہ ملتا تھا۔

میر کی تصانیف بہت ہیں۔ چنانچہ دیوان اردو موسوم بہ <sup>المبارک شاہ</sup> میر کی تاریخ نام (پخیالات میر) ۱۸۷۷ء میں ان کے پوتے مرزا قاسم حسین نے شائع کرایا۔ ایک سالہ پیرایہ عروض "فن عروض میں۔ ایک ابتدائے عمدہ انگریزی کی مختصر تاریخ موسوم بہ ایان فرنگستان۔ ایک "شعوی" داغ نگار جو ایک دن میں تصنیف کی تھی۔ ایک "سوخت" داغ دل میر۔ ایک "شعوی" شعلہ میر۔ ایک کتابت بچہ عسرت ضبط ہتھام۔ ہمد ام آخوت عہد حیدر پنجہ میر توقیر شہر شاہ۔ اور کچھ نظمیں ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں مطبوعہ ہیں بعض مہنوز غیر مطبوعہ۔

ہر ایک کہنے مشق شاعر۔ ناسخ کے رنگ کے پیرو تھے۔ اور اُس  
رنگ میں بہت خوب کہتے تھے۔ تاریخ گوئی میں خصوصیت سے یدِ طولی  
حاصل تھا۔

مرزا کے ہوطن مکرنا دیدہ دوست تھے جیسا کہ مرزا اپنے ایک خط میں  
اُن کو لکھتے ہیں: ”کیا فرض ہے کہ جب تک دیدہ و دیدہ ہونے اپنے کو بیگا  
یکدگر سمجھیں البتہ ہم تم دوست دیرینہ ہیں! یہ صحیح معلوم نہیں کہ  
کس طرف سے خط و کتابت کی ابتدا ہوئی۔ مگر یہ ضرور ہے کہ سلسلہ مکاتبات  
جاری ہوا۔ اور اس طرح سے کہ انداز مکالمات کو شرما دیا۔ صرف ایک دوسرے  
کو آنکھیں نہ دیکھ سکتی تھیں۔ باقی ساری وہی باتیں تھیں جو ایک دوسرے کے  
ملنے میں میسر ہو سکتی ہیں۔ منہسی۔ مذاق۔ لطیفے۔ چٹکے۔ عیبتیاں غرض کہ  
تمام وہ باتیں تھیں جو مواہجہ میں ہوا کرتی ہیں۔

ایک روز ہر کی وجاہت ظاہری کا حال اپنے بیاں  
مرزا غالب بیان کر رہے تھے۔ مرزا یوسف علیخان عزیز بھی اس جلسہ میں  
موجود تھے اور سب سن رہے تھے۔ مرزا نے اُننا سے کلام میں کہا کہ ہر کے  
دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ خیر اُس وقت تو ذکر ہو کر رہ گیا۔ مدت کے بعد  
کہیں عزیز اگرہ گئے۔ مرزا کے یاد کرنے کا ذکر آیا۔ ہنس نہ خنک لکھا اور کہا  
کیوں صاحب یوں ہمارا اعلیٰ سر فخل بیان کیا جاتا ہے۔ مرزا نے جواب  
لکھا تو اس طرح کہ دونوں شخصوں کی تصویریں ایک آئینہ میں کھینچ گئیں۔  
صرف خط و خال میں فرق رہا۔ باقی سب متفادت نہیں۔ لکھتے ہیں

”بھائی تمہاری طرح داری کا حال میں نے منزل جان سے سنا تھا جس زمانہ میں وہ نواب حامد علی خاں کی نوکرتھی اور اُس میں مجھ میں بے تکلفانہ ربط تھا تو کاشتمنزل جان سے پہروں منتلاط ہو کر تے تھے۔ اُس نے تمہارے شعر اپنی تعریف کے بھی مجھ کو دکھائے۔ بہر حال تمہارا حلیہ دیکھ کر تمہارے کشیدہ قامت ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے کہ میرا قد بھی درازی میں انگشت نما ہے۔ تمہارے گندمی رنگ پر مجھ کو رشک نہ آیا کس واسطے کہ جب میں جیتا تھا تو میرا رنگ چمپئی تھا۔ اور دیدہ دور لوگ اسکی تلاش کیا کرتے تھے اب جو کبھی مجھ کو وہ اپنا رنگ یاد آجاتا ہے تو چھاتی پر سانسپ پھر جاتا ہے ہاں مجھ کو رشک آیا اور میں نے خون مگر کھایا تو اس بات پر کہ داڑھی خوب کٹی ہوئی ہے وہ مرے یاد آگئے۔ کیا کیوں جی پر کیا گزری بقول شیخ علی حزیں

تاد شمرسم بود ز دم چاک گریہاں

شمرندگی از خرقہ پیشینہ نہ دارم

جب اڑھی موچھ میں بال سفید آگئے تیسرے دن چوٹی کے انڈے گلونبر نظر آنے لگے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے۔ ناچار مٹی بھی چھوڑ دی اور داڑھی بھی مگر یہ یاد رکھئے کہ اس بھونڈے شہر میں ایک رومی ہے عام پلا۔ بساطی نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارہ۔ جولاہا کبچرا منہ پر داڑھی سر پر بال فقیہ نے جب دن داڑھی رکھی اسی دن سر منڈایا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ تعظیم کیا بک باہوں

مہر کی کوئی محبوبہ مشوقہ مر گئی۔ مرزا کو خبر ہوئی۔ تعزیت کا خط لکھا۔ مگر ایسا کہ پڑھتے ہی دل سے رنج و غم جاتا رہے لکھتے ہیں۔ ”سُخو جناب مرزا صاحب آپ کا غم افزا نامہ پہونچا میں نے پڑھا۔ یوسف علیخان عزیز کو پڑھوا دیا۔ اُنھوں نے جو میرے سامنے اس مرحوم کا اور آپ کا معاملہ بیان کیا۔ یعنی اوکی اطاعت اور تمہاری اُس سے محبت سخت ملال ہوا اور رنج کمال ہوا۔ سُخو صاحب ہر امر میں فردوسی اور فقرار میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں۔ یہ تین آدمی تین فن میں سر دفر ہیں۔ شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے۔ فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکڑا کھا۔ عاشق کی نمود یہ ہے کہ مجنوں کی بھڑھی لفیٹ۔ لیسے ادا کے سامنے مری تھی۔ تمہاری محبوبہ تمہارے سامنے مری۔ بلکہ تم اُس سے بڑھ کر ہوئے کہ لیلیٰ اپنے گھر میں اور تمہاری مشوقہ تمہارے گھر میں مری۔ بھڑی مثل بچے بھی غصہ ہوتے ہیں۔ چسپ مرتے ہیں ادا کو مار رکھتے ہیں میں بھی مثل بچہ ہوں غم سے بھر میں نے بھی ایک سا بڑی ستم پیشہ ڈومنی کو مار رکھا ہے۔ خدا اُن دونوں کو بخشے اور ہم تم دونوں کو بھی کہ زخم مرگ و دوست کھائے ہوئے ہیں مغفرت کرے۔“ ایک جگہ اسی بارے میں کہتے ہیں کہ مصری کی کھی نبو شہد کی کھی نہ بنو۔ کسیکے مر نیکا وہ غم کرے جو آپ نہ مرے۔ کیسی اشک فشانی۔ کہاں کی مرثیہ خوانی۔ آزادی کا شکریہ ادا و غم نہ کھاؤ۔ اگر ایسے ہی اپنے گرفتار سے خوش ہو تو چُناں جان نہ سہی سُنا جان سہی۔“

و ستبنو کی طباعت اور اسکی تزیین کے اہتمام میں اسرار

بھی بڑا چھٹا اوس کی تاریخ بھی کہی اور مرزا کے کہنے کے بموجب اہلی جلد بندی بھی کرائی۔ مرزا سے شعر و شاعری میں برابر تبادلہ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ ہر مرزا کے پاس اور مرزا مہر کے پاس اپنا کلام بھجیتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ مہر نے کوئی قصیدہ بھیجا۔ مرزا اوس کے جواب میں لکھتے ہیں: "تاسخ مرحوم جو تمہارے استاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ مگر کیسے تھے صرف غزل کہتے تھے۔ قصید اور مثنوی سے اون کو کچھ علاقہ نہ تھا۔ سبحان اللہ تم نے قصید میں وہ رنگ دکھایا کہ انشا کو رشک آیا۔" مہر نے مستند کی مناسبت سے نام یہ بیضا تلاش کیا۔ جسکی مرزا نے بڑی داد دی۔ ایک مرتبہ مہر کی مثنوی دیکھی تو تحسین کی اور یہ شعر لکھ بھیجا:

خدا سے میں بھی چاہوں رہ فرغ میرزا حاتم علی مہر  
یہ اتحاد و محبت خیر وقت تک قائم رہا اور ہمیشہ ہی اختلاف و کج گلت کا برتاؤ جانین سے ہوا کیا مہر کا کلام بالکل اون کے استاد کے رنگ میں ہو پھر بھی کہیں خوب کہتے اور دلی کا بھلی تباہ کرتے تھے۔ نمونہ کلام چیلے بھی اؤ قیامت بھی ہو چکی جسا  
بڑا عذاب ہے مہر ہی ہے تھلا میں روح  
عین سستی میں رہا کرتی ہیں ہشیا نکھیں  
نزد دل مانگتی ہیں آپ کی سرشار نکھیں  
رو کے ہوئے ڈانٹے ہوئے دھماکے ہوئے  
کرنا غضب تک کہ ہمارا دل بننا  
کیا بات مری اسب بخشیں کیا بات  
ہو گی تمام رات اسب سرچ و تاب میں  
عید ملی بھی تھوڑی وقت میں دم گھا ہوئے  
دل کھین گیا ہونے لکھ کن در کن آج

## مفتی میر عباس

مفتی میر عباس صاحب اصل میں ٹوٹری تھے۔ مگر عمر کا ہیشتر حصہ لکھنؤ میں گزارا اور واجد علی شاہ خیر سی تاجدار اردوہ کے دربار میں بحیثیت مفتی زمرہ مقرربین خاص میں فسادک تھے۔ علاوہ تمام اہل شہر کے خود بادشاہ وقت بھی آپ کی عزت کرتے تھے۔ اپنے وقت کے مجتہد اور علما کرام میں سے تھے۔ اور فرقہ امامیہ کے بے بدل عالم ماننے جاتے تھے۔ تقریباً ساڑھے تین سو کتابیں مختلف علوم و فنون میں آپ سے یادگار ہیں بہت سی ذی کمال آپ سے شرف تلمذ رکھتے تھے۔ چنانچہ سید حامد حسین صاحب علیہ السلام بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔ فارسی آپ کی اصلی زبان تھی۔ مگر سید علی اردو عربی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ اسی وجہ سے تینوں زبانوں میں آپ کا کلام ائمہ تادانہ موجود ہے۔ سید تخلص فرماتے تھے۔

مرزا ان کے خاص متقدین میں تھے اور غالباً اس وقت ان سے ملے تھے جب وہ لکھنؤ آئے تھے۔ اُس کے بعد سے مراسلت کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور مرزا اپنا کلام بھی بھیجتے رہے۔ مفتی صاحب نے اردو کے خط کا اردو زبان میں اُسی انداز اور اُسی طرز میں مرزا کو جواب لکھا۔ اور مرزا کی روش کی سید تعریف کی مرزا نے اپنی کتاب قانع بردمان بھی مفتی صاحب کے پاس بھیجی تھی اُس کے بارہ میں لکھتے ہیں۔ "قبلہ حضرت کا نوازش نامہ

آیا۔ میں نے اور کئی مرتبہ بازو بنایا۔ آپ کی تحسین میرے واسطے سرمایہ عروت و فخر  
 ہے۔ فقیر امیدوار ہے کہ یہ دفتر بے معنی سراسر دیکھا جائے نہ پیش نظر دہرا  
 ہے۔ بلکہ اکثر دیکھا جائے۔ میں نے جو نسخہ دہان بھجوا یا ہے گویا کسوٹی پر سونا چڑھتا  
 ہے۔ نہ ہٹ دھرم ہوں نہ مجھے اپنی بات کی تصحیح ہے دیباچے اور خاتمہ میں  
 جو کچھ لکھ آیا ہوں سب سچ ہے۔ کلام کی حقیقت کی داد جدا چاہتا ہوں۔ طرز عبادت  
 کی داد جدا چاہتا ہوں۔ نگارش لطافت سے خالی نہوگی۔ نگارش لطافت سے  
 خالی نہوگی۔ علم و ہنر سے عاری ہوں۔ لیکن بچپن برس سے خوشن گزاری ہو  
 مفتی صاحب نے ایک قطعہ بھی قاطع بران کی تعریف میں مرزا کے ہاتھ بجا  
 تھا جس کے جواب میں مرزا نے لکھا کہ ”قطعہ تاریخ کا کیا کہنا ہے۔ گویا یہ کتاب مشق  
 اور یہ قطعہ اوس کا کہنا ہے“ چونکہ مرزا عجز و ایصا حضرت لکھنوی آپ کی مبسوط و مختصر  
 لکھی ہو اسلئے آپ کے حالات وغیرہ لکھنا تحفہ حاصل سمجھ کر صرف نمونہ رکلام  
 پر اکتفا کیجاتی ہے۔

شہید عشق ہو ایس تو کیا تعب ہے	ترا مرزا پر آنا بات تعب ہے
گزر ہوا کا بھی ہرگز نہیں اُس تعب ہے	پیام وصل کا کئے کیا تعب ہے
پیشینہ قلاب اور آہ مرزا تعب ہے	یہ گری اور یہ ٹھنڈی تعب ہے
فائدہ کیا ریش پر نگ خضاب یا تو کیا	خضعتی عارضی ایسا شباب یا تو کیا

### فارسی

مرزا کہ عالی ہمت والا مرزا دانا دہام  
 مرزا میں از دوست چرخ نہاد افادہ ام



سوسیس گشتہ ام از پیری عمر دول  
میرم چوں ابر تند و چون جاد و فنادہ ام  
خستہ عالم خستہ جان از نازک تن ناتواں  
دستان رجی کہ در اہل عناد فنادہ ام  
از پریشان عالی و جبے قرار من پیرس  
پنجو برگ خشک اندر گرد باد فنادہ ام  
ہجرہ عمر دران جسم زارم دادہ اند  
بر ہولے صرصے مشت غبارم دادہ اند  
آہ گرم و دامنے چوں لالہ زارم دادہ اند  
در میان نار و دجنت خستیارم دادہ اند

## میکیش میراج حسین

میراج حسین میکیش ابن میر کراج حسین دلی کے رہنے والے نہایت متین و مہذب جوان صالح تھے۔ گو ان کا سلسلہ نسب اوقات عظام بازار سے ملتا تھا۔ مگر خاص اور نکا گھرانہ مدتوں سے دلی ہی میں آباد تھا اور نہایت عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ ان کے بھائی میر انداد علی جو آئینہ نص کرتے اور میر نظام الدین ممنون سے اصلاح لیتے تھے۔ اپنی لیاقت ذاتی اور وجاہت خاندانی کی وجہ سے اپنے اقران میں بہت معزز و ممتاز اور دربار شاہی سے خطاب خانی سے سرفراز تھے۔ و صدور کا یہ عالم تھا کہ اسکے لیے لوگوں میں مشہور تھے۔ بلکہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس قسم کے پابند وضع لوگ دیکھے نہیں گئے۔

میکیش رسم زمانہ کی موافق زیادہ تر فارسی میں شعر کہتے تھے کبھی

اردو کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ نہایت فنی اور ذہین تھے۔ طبیعت میں  
آدم بہت تھی۔ مرزا سے شرف تلمذ حاصل تھا اور دونوں زبانوں کے کلام  
پر انھیں سے صلاح لیتے تھے۔ پانی پت میں بھی کچھ سلسلہ قرابت تھا۔  
چنانچہ وہاں کے بعض لوگوں سے بہت ارتباط تھا۔ میر ہمدی جبرج کے جبا  
خاص میں تھے اور وہ بھی اپنے متعدد خطوں میں مرزا سے ان کا حال پوچھتے  
ہتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ غدر کے ہنگامے کے کچھ روز بعد میکش کی نسبت  
دریافت کیا تو مرزا نے لکھا کہ میکش اچھا ہے دلی میں لوٹ کی کتابیں  
خریدتا پھرتا ہے۔ ایک جگہ میر ہمدی جبرج کو لکھتے ہیں کہ ”میر احمد حسین  
کا بھتیجا مر گیا ہے جسکے میر شرف علی کو دعا کہنا اور کہنا کہ اگر تم میں انھیں  
راہ و رسم تعزیت و تنہیت ہو تو میر احمد حسین کو خط لکھو۔“ اس طرح سے میری  
کے خطوں میں متعدد جگہ ان کا ذکر کرتے ہیں ایک جگہ ان کو لکھتے ہیں ”مار ڈالا  
یار تیری جواب طلبی نے اس چرخ بکھرنا کافرا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا  
تھا۔ ملک مال جاہ و جلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و گوشہ تھا۔  
چند مفلس و بیچارے ایک جگہ فراہم ہو کر کچھ مہینے لال لیتے تھے۔“  
سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک  
اور تو یاں کہہ نہ تھا ایک مگر دیکھنا  
یاد ہے یہ شعر خواجہ میر درد کا ہے۔ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔  
سوا حباب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں؟  
اگرچہ میر احمد حسین کے نام دو ہی رقعے ملتے ہیں مگر خلوص و محبت کا

ایک ایک حرف سے پتہ چلتا ہے ایک خط میں اون کی بیماری کا حال  
 سننے کے اون کو لکھتے ہیں "میاں عجب القباقر ہے نہ میں تمہارے دیکھنے  
 کو سکتا ہوں نہ تم میرے دیکھنے کو قدم رنج نہ پاسکتے ہو۔ قدم رنج  
 کہاں سے کرو سرا پار رنج ہو۔ لا حول ولا قوۃ تعطیل کے دن کیا ناخوش گزرے  
 یوسف مرزا سے۔ میرے سر فرار حسین سے تمہارا حال سن لیتا ہوں اور رنج  
 کھاتا ہوں۔ خدا تمہارے حال پر رحم کرے اور تم کو شفا دے۔ خواہش  
 یہ ہے کہ ناتوانی کا عذر نہ کرو اور اپنا حال اپنے ہاتھ سے لکھو۔"

میکش مرزا کے ہم صحبتوں اور حاضر باشوں میں تھے۔ شعر و شاعری  
 سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ مگر افسوس کہ اب نمونہ کلام کے لیے ایک شعر  
 کے سوائے کچھ نہیں ملتا۔

گفتش دی باکر میرفتی خراماں موسے باغ  
 گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتار من است

## نساخ۔ ابو محمد عبد الغفور

عبد الغفور نام نساخ تخلص ابو محمد کنیت تھی قاضی فقیر محسین  
 مصنف جامع التواریخ وکیل عدالت عالیہ صدر دیوانی کلکتہ کے خلف الرشید  
 زیدی النسب تھے۔ اصل سکونت ضلع فرید پور، بنگال کی تھی تعلقات معیشت

کیوجہ سے ان کے والد کلکتہ میں اقامت گزین ہو گئے تھے اور خود ضلع  
 راج شاہی میں ڈپٹی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹر تھے۔ حکام رس بہرہ و اعزیز  
 جوہر قابل مشہور و معروف افراد میں شمار ہوتے اور اپنے امثال و اقربان  
 میں ممتاز و معزز خیال کئے جاتے تھے۔ اردو فارسی عربی تینوں زبانوں  
 میں بہت کافی دستگاہ رکھتے تھے۔ نظم و نثر کی طرف ابتدائے  
 عسکری توجہ تھی جیسا کہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ "ہنوز باغچہ عمر میں شہسود  
 کی آمد آمد اور فرش سبزہ رشتا و فضا سے سن و سال میں ممتد ہی نہ تھا  
 کہ سر میں سودائے گل و بیاں مضامین پیدا ہوا۔ دل غنچہ لبان معانی کا شیدا  
 ہوا۔ کلام اساتذہ کا شوق رہا۔ غیروں کے کلام کا ذوق رہا۔ پھوڑے زوں  
 میں بہت سے دواوین نظم سے گزرے۔ عرصہ یلیل میں تذکرہ ہا کے کثیر  
 دیکھے۔" نہایت زبردست نقاد اور سخن فہم عروض قافیہ سے خوب تہم  
 محض شعرا سے ملنے کے لیے دلی اور لکھنؤ کے کسی سفر کئے اور اساتذہ کو  
 کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اسی ولولہ و شوق میں باوجود کثرت مشغول  
 بارہ برس کی محنت شاقہ کے بعد تذکرہ سخن شعرا تمام کیا جس میں تنقید  
 کلام اور سخن سنجی کی داو دی گئی ہے اور مزید برآں یہ کہ اسی دوران یعنی  
 ۱۲۶۶ھ میں قطعات شعرا کا ایک تذکرہ موسوم بقطعہ منتخب تحریر  
 کیا۔ اس طرح ایک سالہ موسوم بہ زبان ریختہ ۱۲۶۵ھ میں لکھا تھا۔ نیز  
 ایک سالہ لکھا کہ جس میں بیسیس جوم کے مراثنی پر بہت سے شاعرانہ  
 اعتراضات کئے ہیں مگر افسوس کہ اب نہیں ملتا۔ دیوان دفتر بہمنیال

کے نام سے ۱۲۶۷ھ میں شائع کرایا اور اسکے بعد دوسرا دیوان شائع ہوا  
 پہلا دیوان مرزا کے پاس بھی ہر شے بھیجا گیا تھا۔ جسکے جواب میں مرزا لکھتے ہیں  
 " دفتر بمینال کو علیہ کبر اور موہبت عظمیٰ سمجھ کر یاد آوری کا حنا  
 مانا۔ پہلے اس قدر افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ حضرت نے اس  
 ہیچ چیز کو قابل خطاب اور لائق کتاب جاننا میں دروغ گو نہیں خوش  
 میری خوشنہیں۔ دیوان فیض عنوان اسم باسم ہے دفتر بمینال اسکا نام  
 بجائے الفاظ متین معانی بلند مضامین عمدہ بندش و پسند ہم  
 فقیر لوگ اعلان کلمۃ الحق میں بیباک و گستاخ ہیں شیخ امام بخش  
 طرز جدید کے مجدد اور پرانی ناہموار روشموں کے ناسخ تھے۔ آپ ان سے  
 بزرگ و بھینٹہ بالانہ بے مبالغہ نسخہ ہیں۔ تم و انامے رموز اردو زبان ہو۔ سرمایہ نازش  
 مست و ہندوستان ہو۔ خاکسار نے ابتدائے سن تیز میں اردو زبان  
 میں سخن سرائی کی ہے پھر اوسط عمر میں بادشاہ دہلی کا نوکر ہو کر چند روز  
 اسی روش پر خامہ فرسائی کی ہے نظم و نثر فارسی کا عاشق و مائل ہوں۔  
 ہندوستان میں رہتا ہوں مگر تیغ صفائی کا گھائل ہوں۔ جہاں تک زور  
 چل سکا فارسی زبان میں بہت کچہ بکا۔ اب نہ فارسی کی فکر نہ اردو کا ذکر۔  
 نہ دنیا میں توقع نہ عیش کی امید۔ میں ہوں اور اندوہ ناکامی جاوید۔  
 جیسا کہ خود ایک قصیدہ نعت کی تشبیب میں کہتا ہوں ۵

چشم کشودہ اند بکردار ہائے من  
 زانندہ نا امیدم و از رفتہ شرمسار

ایک اردو کا دیوان ہزار بارہ سو بیت کا۔ ایک فارسی کا دیوان دس ہزار  
کئی سو بیت کا تین سالہ نشر کے یہ پانچ نسخے مرتب ہو گئے۔ اب اور کیا  
کہوں گا۔ مرجع کا صلہ نہ ملا۔ غزل کی داؤد نہ پائی۔ ہرزہ گوئی میں ساری عمر گزائی  
اب بقول طالب آملی ۛ

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئی

دہن بر چہرہ زخمی بود و بہ شدہ (الخ)

یہ رقمہ طویل ہے اس واسطے بقیہ عبارت سے قطع نظر کی۔ اس رقمہ  
کی نسبت مرزا نے خاص طور پر لکھا تھا کہ اسے میری عبارت نشر  
میں شامل کر دیا جائے۔ مرزا یہ خط بھیج کر متمنی ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی  
مراسلت کا سلسلہ جاری رہے مگر افسوس کہ مجموعہ خطوط میں ان کے  
نام مرزا کا اور کوئی دوسرا خط نہیں پایا جاتا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ سلسلہ  
غبت از ہی کیا تھا ختم تمام کو پہنچ گیا ہو۔ منونہ کلام ۛ

پوچھو نہ حال گرمی حُسنِ شباب کا	ہے وہ پھر کو گرم مزاج آفتاب کا
حاصل ہوا اشار و غینِ مرزا لطفِ بیا کا	لیتا ہو وہ نوکِ مژدہ سے کام زیاں کا
ہر نگاہِ مستِ ساقی میں ہے کیفیتِ نئی	ایک سی تاثیر میں ہوتی نہیں شہزاد کا
اتنے گناہ کرتے ہیں جنکا نہیں شمار	تنگ آگئے ہیں کا تبِ اعمالِ دُشمن کا
پُر نہ ہر آبلے کو مرے دل کے دیکھئے	دیکھا انہو اگر گہرا آبدارِ سبزر کا

بتلا ہجران میں ہو کر بڑھ گئے غمنا سے دل

حیف دلِ افسوس دلِ حُسرِ تاولِ ہائے دل

جب تیج عشق میں پڑنا کھل گیا کوئی نہیں ہو جان کا دشمن سوائے دل  
 امید وصلِ جہیم ہجر میں بس دن گزرتے ہیں  
 عجب کچھ زیست ہوا اپنی نہ جیتے ہیں مر نہیں  
 بھرتے جوابات ہیں کاسہ سوال اس عہد کے بخیل بھی حاتم سے کم نہیں  
 ہے وصل میں وہ زلف گرہ گیر گلے میں ابطحی گلے میں ہونہ زنجیر گلے میں  
 وہ میرے عشق صادق کے اثر سے یوں مفتوح  
 جو مجنوں تھا وہ لیلیٰ ہو چلی تھادہ مجنوں ہے

یہ اعتماد ہا دن کی بیوفائی پر کہ وہ عہد سے ملے اور میں بے گمان نہوا  
 نقش چرے پردہ آئے اور سب کھیں سے ہائے جینے سے بھی بدتر اپنا مرنا ہو گیا  
 ہو گیا دشمن کی اُپر محبت کی نگاہ ! دیدہ الفت مگر چشمِ عدم ادب ہو گیا  
 دور فلک تلک جب جب عاتھا آہوں میں بھی اثر تھا نالہ بھی تبت عاتھا  
 ستم ڈھانے کو میرے پاس بتیا بانہ آتے ہیں  
 کند گردنِ خوبان ہے نقشِ قدم میرا  
 اک زخم دلو اور لگاواہ لے نصیب دشمن بھی رات میری طرح بیقرار تھا

## وفا نواب میراہیم علی خاں

میراہیم علی خاں نام تھا۔ وفا تخلص کرتے تھے۔ سورت کے

رئیس تھے۔ مزارکتو پر مشتمل ایک کسب مرزا نواب کلب علیخان مرحوم مانو  
 رامپور کے جشن منہ نشینی میں شرکت کیلئے روانہ ہو کر چند روزی تک  
 کو بعد اختتام جشن منہ نشینی دہلی واپس آئے تو ایک خط سید احمد حسن ہو وودی کا  
 ملا جس میں نواب میر غلام بابا خان کا خط سفارشی لکھا ہوا تھا اور تحریر تھا  
 کہ نواب میرا بہیم علیخان وقا اور میر عالم علیخان کے کلام پر صلح ویدیا  
 کیجئے۔ مرزا نے خط پڑھا اور سید احمد حسن صاحب کو جواب لکھا کہ "نواب  
 میر غلام بابا خان میرے دوست اور میرے عزیز ہیں۔ راہ و رسم  
 نامہ و پیام با ہمدگر جاری ہے انکا حکم بے تکلف مانو نگاہ جناب میر  
 اکبر ایم علیخان صاحب حضرت میر عالم علیخان کی خدمت گزار کی کو  
 اپنا فخر و شرف جانو نگاہ اس وقت کہیں کھولا ہے خطوط اطراف جواب  
 دیکھ رہا ہوں پہلے حضرت کے خط کا جواب بطریق مختصہ لکھا ہے اس سے  
 پتہ چلتا ہے کہ وفات ۱۲۸۷ھ میں مرزا کے شاگرد ہوئے اور بعد یہ اور  
 ان کے ہموطن دوست میر عالم علیخان برابر مرزا ان کے حین حیات تک  
 صلح لیتے رہے۔ مرزا اپنی فطرتی مروت اور جنس لاق کی وجہ سے اپنے بھی  
 ہر بان ہو گئے اور جان دل اس خدمت کو انجام دیتے رہے یہ حضرات بھی  
 مرزا کو مالی امداد پہنچاتے رہے جبکہ خطوط سے پتہ چلتا ہے۔

میاں داد خان سیاح کی معرفت مرزا صاحب نے اپنی تصویر بھیجی۔

اور وفات اپنی تصویر مرزا صاحب کی بھیجی تھی جس کا یوں ذکر کرتے ہیں "تصویر  
 ہر تصویر مجھے پہنچی اور میں نے رسید لکھ بھیجی عجب ہے کہ آپ کو اس کے پہنچنے



میں ترو ہے۔ سال فقیر نے جو اپنی خاکساری کا خاکا یعنی نقصان مٹی میں  
 کی معرفت نذر کی ہے۔ یقین ہے وہ بھی پہنچی ہوگی۔  
 ذاب صاحب کے ہاں ٹاپیڈ ہوا تو مرزا نے ایک رنگین عبارت ایک  
 رباعی اور ایک قطعہ تہنیت کا خود لکھا۔ اور بہاری لال مشتاق مالک  
 مطبع کھل لطف علی اور فخر الدین منیر مطبع سے بھی تاریخیں لکھوائیں اور  
 کھل الاخبار میں شائع کرائیں۔ مرزا کی رباعی اور قطعہ یہ ہے۔

### رباعی

حق وادب بید ز پے افشاش      فرخ پسر کہ واجبست اگر امش  
 تیاریخ و لادش لو دے کم و بیش      ارشاد حسین خاں کہ باشد ہمیش

### قطعہ

غائب الینین ہجری      معلوم کن از خجستہ فروز  
 چوں یک صد و بست چار ماہ      نیست شمار عمر و لبند

۱۲۰۹ میں سے سنہ ولادت کے ۱۲۸۵ لیے تو ایک سو چوبیس بچے  
 اون کو دعائے عمر مولود قرار دیا۔

ملکہ ولایت بچشم جان شدیم۔ چہ شد۔ زمین شدیم چہ شد۔ آسمان شدیم چہ شد  
 ہم چہ شد۔ رنگ درین بستان قرار نیست۔ تو تو بہار شدی ما خزان شدیم چہ شد  
 غالب



11 ع

٨٩١٥٢١٢٢٢

(٢١٢٢٢) DUE DATE

١٢٢٢٢٢

[illegible]

1915 2545

(۱۲) عزم و جدت

۴۴۷۸۱

[illegible]